



A contact loved ones.

ایک رابطہ اپنوں سے  
Akh Rubrics Apna Se

پاکستانی پوائنٹ

www.PakistaniPoint.Com

نئی کہانیاں آپ بیتان جنگ پیوں  
سگرگزشت گچی  
ماہنامہ

فروری 2018

گورنری  
معراج رسول

معلم ثانی: اس مسلمان مفکر کی حالات دیست جس نے عالمی پیمانے پر فکر تبدیل کر دی  
شعلہ صفت: اسے ٹھوکر نصیب تھی لیکن اپنی محنت سے اس نے شہرت کا تاج حاصل کر لیا  
بری عورت: کیا نہیں کر پاتے کرنے والی ہر عورت بری ہوتی ہے ایک دلچسپ سچ بیانی

سرگزشت	گفت و شنید
07	08
مطلع کاغذ	شہر خیال
ادارہ	مدبر اعلیٰ

ایک مٹی میں مکمل و پختہ ہفتہ  
ایک بار درود روزگار کا حریف  
کب کی تپن تپن کی تپن تپ  
کے مشنوں اور آپ کے سوال

شخصیت	خارج قصص	پادشہ
16	39	57
معاشی	شعاع صفت	شہر نامہ
ڈاکٹر ساجد امجد	عبد اللہ احمد حسن	ڈاکٹر اقبال ہاشمی
پائے نظر میں کوکبہ تہوں کر دینے والے کی سوانح	دسپلے فکریات و اس نے اپنی قسمت خود بن لی	بہشت و سرسبز تیرے کے جسم گرا بی
تذکرہ	ادب نگری	دلچسپ و عجیب
69	87	103
بانگ	شہر نامہ	شہر نامہ
زویا اعجاز	انور فرہاد	ابوالفرح ہمدانی
شاعری سے انقلاب برپا کر دینے والے کا قصہ	پاکستانی سینما پر رحیل تحریریں والے کی داستان	مستتر سے ورہا مدیا چرخے سے برباد
سفر کشاف	نیر علی ادیب	معلومات
111	135	147
شہر نامہ	شہر نامہ	پاکستان
نذیر اقبال	سلمیٰ اعوان	شکیل صدیقی
جس اب تک پکارا الگ انداز کی داستان	پرخش کا کب کا شعر حسن نے نوبل انعام حاصل کیا	جسم و جان کو ذری کرنے والی سواری

دو ماہ سرگزشت میں شائع ہونے والی ہفتہ کے مزاحمتی متن میں جن ادارہ نمونہ ہیں، ان کی طرف اشارہ ہے کہ اس کے بھی گئے  
کی اشاعت کی کسی طرح کے سبب سے پہلے ہی کی مدت کی ضرورت ہے، یہ سبب دیکھ کر وہ ہفتہ کی ضرورت کو محسوس کرتا ہے۔  
● قلم نگاران کی شہریت پر شائع کیے جاتے ہیں، ادارہ اس مسئلے میں کسی طرح کے فیصلے وادہ ہوگا

پہلی سچ بیانی	معاشرت
180	154
پہلی سچ بیانی	ناسور
نذیم احمد	ڈاکٹر عبدالرب بھٹی

ہر دو عورت بری نہیں ہوتی  
چوتھیں کر بات کرے  
ایک مسموم نو جوان کی خوش  
دکھنا بگڑا نہیے والی داستان

چوتھی سچ بیانی	نیمری سچ بیانی	دو سہری سچ بیانی
215	209	203
چوتھی سچ بیانی	پہلی سچ بیانی	گنگا
سید سخاوت	عاطر شاہین	وردہ خان
گنگا و بلستان کا ایک محبہ و اقبال	کب پسندنی شادی کرنا ہے؟	نارانی سین و ادایا کا گر بہشتی خوشی پر پوچھیں کیا
سما نیویں سچ بیانی	چھٹی سچ بیانی	پانچویں سچ بیانی
257	243	241
سما نیویں سچ بیانی	پہلی سچ بیانی	پہلی سچ بیانی
نہیدہ درانی	غلام رضا جعفری	انتخار حسین اعوان
نکاروں کے چاہنے والے بھی تھپ ہو گئے ہیں	روپوشی کی کھینچ و پھینچ اسلامی سے کیا پیار ہے	مواہلہ فون کی طرح گستاخوں کے قریب لے جا رہا ہے
سوفات	نویں سچ بیانی	آٹھویں سچ بیانی
277	265	265
سوفات	طالعیت	کائنات
قارئین / ادارہ	اعجاز احمد راجیل	نیلمایٹ
دنیا بھر سے مختلف موضوعات پر معلومات و انکشافاتی پارے	کشمیر کے ایک بہادر بھائی کی سرگزشت	دل و دماغ پر پوچھیں جانے والی سچ بیانی

قرآن حکیم کی حدیث احادیث فقہی آپ کی دینی معلومات میں اضافہ اور  
فہم کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہذا جن صفحات پر  
ایمان درج ہیں ان کو مستحکم اسلامی طریقے کے مطابق پیر خرمی سے محفوظ رکھیں۔



[illegible][illegible][illegible]



[illegible][illegible]

[illegible][illegible][illegible]



## معلم ثانی

ڈاکٹر ساجد امجد

علم کی چاہ میں وہ دیار دیار مگر جب اس نے اپنی علمیت کا مشاہدہ کیا تو ایک عالم چونک اٹھا۔ اس نے نظریات کی اس طرح وضاحت کی۔ ایسی اصطلاحیں واضح کیں کہ دنیا حیران رہ گئی۔ عالم مثال اور مادی کائنات کو سمجھنے کے لیے اس نے کلیہ سمجھایا۔ وہ نہ صرف علم و افکار کا معلم تھا، موسیقی پر بھی کمال رکھتا تھا۔ ایک ہی لکڑی کے آلہ سے وہ ایسی موسیقی پیدا کرتا کہ لوگ زار روئے اور پھر اسی آلہ میں ہلکی سی رڈوبل کر کے موسیقی بجاتا کہ لوگ ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ پر جاتے پھر وہ اسی آلہ میں رڈوبل کر کے بجاتا تو لوگ سو جاتے۔

بے نظردینا سرگودھہ دن کے سراج برضا

طرخان کی روز بھر گوار کیا قار اور اسی طرح کرتا کرتا کہیں پڑھنے لگا ہے مگر کون مٹتی کرتا ہے۔  
"میں ایک ہی کتاب میں پڑھتا۔ بدل بدل کر پڑھتا ہوں۔ یہ دیکھنے پر انظاروں کے ٹکٹے پر ایک کتاب ہے اس نے تو میری آنکھیں ہی کھول دی ہیں۔"  
"کلی میری ہی تھی۔ میں نے تجھے کاؤں کے کتب میں بٹھا دیا۔ وہاں کے سلاوی نے تیرا دماغ خراب کر دیا۔ تیرے ہاتھ سے گوار بچیں کر کتاب چھواری۔"  
"آپ اپنے گلے سے ہار نکلیں تو دیکھیں۔ ان کتابوں نے اسلاوی دنیا کی کسی خدمت کی ہے۔ تاریخ میں بادشاہوں کے سوا کسی کا نام محفوظ نہیں لیکن ایک عالم کا نام زندہ ہے۔ ہمارے صوبہ قادیان میں مجھے کچھ عالم موجود ہیں اور بخارا تو علوم و فنون کا مرکز ہے۔ مجھے کوئی تا رہا تھا کہ وہاں تین سو سے زائد مدارس ہیں جہاں فلسفہ، سائنس، ریاضی، منطق اور خدا جاننے کی کیا پڑھایا جاتا ہے۔ بازار سے گزر کر وہاں کا کچھ عالم زیادہ نظر آئے ہیں اور ایک بخارا پر ہی کیا تھم مرقاں، ہندو، شام، مصر، کشمیر اور کتنے ہی علمی مراکز ہیں۔ اب جان کیا سب گوار ہیں مجھے کون

طرخان کی روز بھر گوار کیا قار اور اسی طرح کرتا کرتا کہیں پڑھنے لگا ہے مگر کون مٹتی کرتا ہے۔  
"میں ایک ہی کتاب میں پڑھتا۔ بدل بدل کر پڑھتا ہوں۔ یہ دیکھنے پر انظاروں کے ٹکٹے پر ایک کتاب ہے اس نے تو میری آنکھیں ہی کھول دی ہیں۔"  
"کلی میری ہی تھی۔ میں نے تجھے کاؤں کے کتب میں بٹھا دیا۔ وہاں کے سلاوی نے تیرا دماغ خراب کر دیا۔ تیرے ہاتھ سے گوار بچیں کر کتاب چھواری۔"  
"آپ اپنے گلے سے ہار نکلیں تو دیکھیں۔ ان کتابوں نے اسلاوی دنیا کی کسی خدمت کی ہے۔ تاریخ میں بادشاہوں کے سوا کسی کا نام محفوظ نہیں لیکن ایک عالم کا نام زندہ ہے۔ ہمارے صوبہ قادیان میں مجھے کچھ عالم موجود ہیں اور بخارا تو علوم و فنون کا مرکز ہے۔ مجھے کوئی تا رہا تھا کہ وہاں تین سو سے زائد مدارس ہیں جہاں فلسفہ، سائنس، ریاضی، منطق اور خدا جاننے کی کیا پڑھایا جاتا ہے۔ بازار سے گزر کر وہاں کا کچھ عالم زیادہ نظر آئے ہیں اور ایک بخارا پر ہی کیا تھم مرقاں، ہندو، شام، مصر، کشمیر اور کتنے ہی علمی مراکز ہیں۔ اب جان کیا سب گوار ہیں مجھے کون

طرخان کی روز بھر گوار کیا قار اور اسی طرح کرتا کرتا کہیں پڑھنے لگا ہے مگر کون مٹتی کرتا ہے۔  
"میں ایک ہی کتاب میں پڑھتا۔ بدل بدل کر پڑھتا ہوں۔ یہ دیکھنے پر انظاروں کے ٹکٹے پر ایک کتاب ہے اس نے تو میری آنکھیں ہی کھول دی ہیں۔"  
"کلی میری ہی تھی۔ میں نے تجھے کاؤں کے کتب میں بٹھا دیا۔ وہاں کے سلاوی نے تیرا دماغ خراب کر دیا۔ تیرے ہاتھ سے گوار بچیں کر کتاب چھواری۔"  
"آپ اپنے گلے سے ہار نکلیں تو دیکھیں۔ ان کتابوں نے اسلاوی دنیا کی کسی خدمت کی ہے۔ تاریخ میں بادشاہوں کے سوا کسی کا نام محفوظ نہیں لیکن ایک عالم کا نام زندہ ہے۔ ہمارے صوبہ قادیان میں مجھے کچھ عالم موجود ہیں اور بخارا تو علوم و فنون کا مرکز ہے۔ مجھے کوئی تا رہا تھا کہ وہاں تین سو سے زائد مدارس ہیں جہاں فلسفہ، سائنس، ریاضی، منطق اور خدا جاننے کی کیا پڑھایا جاتا ہے۔ بازار سے گزر کر وہاں کا کچھ عالم زیادہ نظر آئے ہیں اور ایک بخارا پر ہی کیا تھم مرقاں، ہندو، شام، مصر، کشمیر اور کتنے ہی علمی مراکز ہیں۔ اب جان کیا سب گوار ہیں مجھے کون

رہے ہیں؟ کچھ انھوں میں کتابیں بھی ہیں۔ میرے ہاتھ میں کتاب رہیں۔“

”جو عام ہیں ان کا باپ بھی عالم ہوگا تو سہا ہی کا بیٹا ہے۔ سہا ہی جاتا ہے۔“ ابوالضرہ کوئی جواب دے سکا نہ کیونکہ اس کی زبان درمیان ہی آگئی تھی۔

”تم تو بیشک کاٹوں کی ہماڑیاں ساتھ لے کر گھر میں داخل ہو آئے۔ یہ میرے بیٹے کے پیچھے جا رہے۔“

”اس کی عادتیں ہی نہ تھیں خراب کی ہیں۔“

”میں نے تو اس کو ایسا بنایا ہے کہ پورا قبیلہ اس کی تعریف کرتا ہے۔ مگر سبے باہر تک۔“ وہ انھیں سے رات کو بھی چراغ کی روشنی میں چہرہ مبارک ہے، وہ اس سے کوئی شکایت نہ کرے۔

”فکایت تو ابویہ کہے۔ وہ مجھے سے کہہ رہے تھے کہ یہ گوارہ بازی میں ذرا کم لگتی نہیں لگتا۔ یہی کی تو مرد کا بہانہ کر کے انھیں رخصت کر دیتا ہے۔ اس کی عمر کے دوسرے لڑکے کی عمر کے تمام اصول یکے کے اور ہے۔ سبے کتاب میں تم سے کیا کہوں۔“

”مجھ کو کبھی کی ضرورت نہیں۔“ بچے کو دغا چاہیے جس میں اس کا داغ خوب چلتا ہو۔ میرے پاس قاراب کے جیو جیو، ابوالضرہ کی تعریف کی غرض سے آئے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے ابوالضرہ کا داغ لفظ اور متفق میں خوب چلتا ہے۔ اگر سے علم و فن کی راہ پر ڈالنا کی تو بارسلو اور افانطون کے پاسے کا عالم یہ ہے۔“

”بچہ چکا نام، میں نے سہا سہا ہی جاناں کا۔“

”تم میرے بیٹے کو میرے ہاتھ سے نکال دو گے۔“

اسے قاراب میں ہی رہنے دو۔ اگر یہ نہاری کتنی سے مگر سے بھاگ گیا تو میں دیران ہو جاؤں گی۔“

”تم سے زیادہ مجھے اس کا مستقبل عزیز ہے۔ جس چپ کر کے بیٹہ جاؤ۔“

ابوالضرہ کی داغی چپ ہو گئی۔ یہ طرخان نے بھی اس کی وقت خاموش رہے۔ سبے سے عایت جانی۔ مگر وہ گھر میں رہنے کے بعد ایسا قصداً سامنے کے لیے دوستوں سے ملنے چلا گیا۔

دوستوں سے مل کر آج کے خوشی ہو رہی کی۔ وہ اس سے مل رہا تھا۔ سبے کی تعریف میں رہا تھا۔ پورا قبیلہ ابوالضرہ کے کہنا کا بود۔ وہ رات کے گھر کی طرف لوٹا تو اسے بھر ابوالضرہ کا خیال آ گیا۔ اتنا اچھا لڑا ہے۔ اگر یہ سپر گھر کی طرف کی وجہ سے تو سبے رات نامزد کرے گا۔ گھر میں داخل

مولانا مسرگوشٹ

ہو اور اس کا حضور ایک مرتبہ پھر اس کی خوشی پر ہادی ہو گیا۔ اس نے، لیکن ابوالضرہ چراغ کی نور دہی میں ایک کتاب پر چڑھا ہوا ہے۔ ساتھ ساتھ جگہ جگہ کتابیں بھی ہیں۔

”آپ سوچا نہیں۔ میں یہ کتاب ختم کر کے سواؤں گا۔“

”کتاب بہتر کر اور سونے کے لیے لیت جاؤ۔“

”یہی امان جان۔“ ابوالضرہ نے کوئی مزاحمت نہیں کی اور اپنے ہاتھ پر چلا گیا۔

اس کے باپ نے تاروں کی چھاؤں میں اسے اٹھا دیا۔ ”میں جب تک بیان ہوں میرے ساتھ گوارہ بازی کی خوشی کر کے۔ جلدی غواہ اور تیار ہو جاؤ۔“

اس نے اس کو بھی کوئی مزاحمت نہ کی۔ دونوں باپ بیٹے مکان کے اس حصے میں چلے گئے جو گوارہ بازی اور تیر اندازی کے لیے مخصوص تھا۔

دونوں نے جس لباس میں اپنا تکراری ایک دوسرے کو ڈھنی نہ کر دے۔ گوارہ بازی ہاتھ میں اور ایک معمولی مقابلے پر آمادہ ہو گئے۔

طرخان کی خوشی کا قصداً نہ تھا جب اس نے ابوالضرہ کو کسی باہر بنجیو کی طرح وار کرتے اور وار دوتے دیکھا۔ کئی مرتبہ تو طرخان کو یہ احساس ہونے لگا جیسے وہ چڑھا ہو گیا ہے۔

”تم تو بہت جگہ جگہ کہتے ہو۔“ طرخان نے اپنے ماتھے سے پھینکا دیکھتے ہوئے کہا۔

”ابوہی نے مجھے تو مگر کھادے ہیں۔“

”اب تم کل فوجی بن سکتے ہو۔“

”میں اس فن کو بطور پیشہ اختیار کرنے کے حق میں نہیں ہوں۔“

”میں نہیں چاہوں گا کہ تم کتابی کیڑے بن کر رہ جاؤ۔“

یہ بحث ایک مرتبہ پھر اسی خاص ہی پر غصہ ہوئی۔

دو گھر کا تو اس کی زبان شہر آشوب کر چکی کی۔ وہ نہایت سادہ و زدن کی کڑا سنے کا عادی تھا۔ کڑا کی بلور دوا استعمال کرتا تھا۔ اس کی بدعتی میں نے ان کے ساتھ ساتھ ان کا اور باپ کو جاتا ہے ابوالضرہ سے کھل گیا۔ باہر گوارہ بازی کر رہا تھا۔ دو بچپن میں باہر گوارہ بازی کیا تھا۔ اس نے گوارہ بھاگای اور ابوالضرہ کے دولت کو سہ پر چڑھ گیا۔ اب وہ

فرووری 2018ء

اپنے استاد کے سامنے چڑھا تھا۔ اس کا استاد سے تیار تھا۔ وہ کل جس اور کئی ملک کی چیز ہیں۔ وہ دہی میں علم اور حکمت ہے جو کہ ہر طرح کی کتاب سے باپ اور کئی ہے۔ سب سے علم حکمت اور کل کا اعلیٰ ترین درجہ ہے۔ یہ درجہ انہی کا پیر اور سادہ ترین ہے۔ یہ درجہ علم، عقل اور حکمت کا اعلیٰ ترین درجہ ہے۔ اس کو صرف نیک اور پاک کردہ ذہن کے ساتھ ہی ہو چکا ہو سکتا ہے۔“

جب انسان اس کو پیرہ و روح اور پیرہ و ذہن کے ساتھ سوچتا ہے تو یہ اس کی حکمت، علم اور عقل کا دوسرا درجہ ہے۔ اس درجہ پر انسان عقل اور اپنی ذات کے متعلق سوچتا ہے۔ اس کی یہ سوچ پیلے اور دوسرے درجے کے درمیان ہوتی ہے۔

اس خاص سوچ سے وہ کائناتوں کو دور کر دیتا اور حقیقت کو حاصل کر سکتا ہے۔

جس قدر انسان علم کا حامل ہو گا وہی قدر وہ نیک، دیانت دار اور فعال ہو۔ یہاں سے اٹھ کر وہ ایک دوسرے استاد کی خدمت میں پہنچ گیا۔

وہ استاد سے تیار تھا۔

انسان کی فہم و فراست، دیانت اور بصیرت ہی اسے جیسے اس سے اعلیٰ تر بناتی ہے۔ عقل و فکر کا حضور ایک ایسی طاقت ہے جو دوسروں کو بہت سے اندر سے سکھاتا ہے اور خود بھی کچھ سکھاتا ہے۔ اس نے بہت سے ایسا کیا۔

وہ ایسی طرح دوسرے کی علماء کی محبت میں چڑھ کر خام کے وقت گھر کی طرف لوٹا ہوا تھا۔ وہ ایک اونچی کھنٹی میں جوتا تھا۔ وہ پہلے اس کی یہ حالت بھی نہیں ہوتی تھی۔

پھر وہ سوچنے کے بعد اسے سوال کا خودی جواب بھی گیا۔ اس کے کل کا جواب میرا باپ ہے جو مجھے کوئی بنا جاتا ہے۔ اس کے کاٹوں میں استاد کے کہے ہوئے الفاظ گونجتے۔

”جس قدر انسان علم کا حامل ہو گا وہی قدر وہ نیک دیانت دار اور فعال ہو گا۔“

مجھے دو پیشوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہو گا۔ مجھے کسی حال میں خوشی نہیں بننا۔ مجھے قاراب میں سوچنا، علم سے بڑا عالم بننا ہے۔ دوسروں اور انھوں نے نظریات بھی میری کچھ نہیں آئے۔ میں انھیں سمجھتا ہوں۔ تو کہنا ہے قاراب سے باہر جانا ہو گا؟ اگر جانا پڑا تو جاؤں گا لیکن میں مان کو چھوڑ کر گھر جا سکتا۔ حصول علم کے لیے بھی نہیں؟ جب

مولانا مسرگوشٹ

وقت آئے گا تو دیکھا جائے گا ابھی تو کچھ چلوں۔

اس کی عمر اس وقت پندرہ سال کی اور وہ اتنی سوچ سکتا تھا۔

سوچنے والا پیرا ابوالضرہ قارابی تھا جسے دینا اسلام کا مشہور فلسفہ بننا تھا اور ابوالضرہ قارابی کے نام سے تاریخ محفوظ ہوئی گی۔

☆.....☆

ابوالضرہ قارابی 872ھ بمطابق 259ھ میں ترکستان کے ایک صوبے ”قاراب“ کے ایک قصبے ”واج“ میں پیدا ہوا اس کے والد ترکستان کے ایک چھوٹے سے قصبے کوچ کے کہان رہتے۔ وہی ترکستان میں ”طرخان“ کے قاضی محترم بھی ہو چکا تھا جس کو حکومت کی طرف سے طرہ والی پکڑی کی منسوب کے لیے حکام کی ہو۔

قاراب موجود ملک کا ترکستان میں واقع ہے۔ اب قاراب قارابی ایرانی تھی۔ اس کے باپ کا اہل خانہ خراسان سے ہجرت کر کے ترکستان چلے گئے تھے۔ وہیں قاراب کے ایک قصبے ”واج“ میں پیدا ہوا۔ قاراب کی مناسبت سے اسے القارابی کہا جانے لگا۔

اسے اپنے آپ کی پیشہ سادہ گری سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس کے ہر گھر کو علوم و فنون کی طرف تھی۔ اس نے علم و فن پر پورا ہونے میں ہی عمارت حاصل کر لی۔ اس نے بچپان سے زیادہ باپ میں کچھ نہیں دیکھا۔ وہ غیر معمولی ذہن کا مالک تھا۔

جب القارابی پیدا ہوا اس وقت دہلی انڈیا میں عربی زبان کی عمر دو سال ہو چکی گی۔ قاراب کے ہاتھ سے عربی زبان انہی طرح سمجھے اور پڑھے تھے۔ ترک بادشاہ عربی زبان کو اپنا بچنے کے لیے القارابی کو کسی عربی زبان میں دہی قدرت حاصل تھی جو کسی اہل زبان کو ہوتی ہے۔ اس نے ذہنی پھر ان کی یاد تازگی کی زبان میں کچھ بھی نہیں لکھا۔ جو کچھ لکھا وہ عربی زبان میں لکھا۔

اس نے اپنی عمر کا کچھ کا قاعدہ اٹھاتے ہوئے خود کو ”شیر العنقا“ کا بت کیا۔ بعض مفکرین نے اس کی تصانیف کی تعداد تین سو تک بتائی ہے۔

وہ بہت سے علوم پر دسترس رکھتا تھا۔ خاص طور پر فلسفہ، منطق، طب، معریات، ریاضی، طبیعیات، طب، اخلاقیات، سیاست، سائنس، نفسیات اور موسیقی پر اس کی تصانیف سزا دوجہ کی تھیں لیکن اب اس کی چند کتابیں اور

فرووری 2018ء

ان کے کچھ حصے بھی دست بردار ماندے سے محفوظ ہو گئے ہیں جن کے اصل محفوظے ایران، استنبول، بیروت، جنرہ، فرانک اور برطانیہ کے عکاس خانوں میں محفوظ ہیں۔  
دو شاعر بھی تھے۔ اس کے اشعار کا مجموعہ عربی میں ہے۔ علاوہ انکے غزلان کے اس کے کچھ شعروں کا تیس عربی میں ترجمہ کیا ہے جس کی اردو شکل یہ ہے۔

اے روزقات جو زمانہ کی سیاحت ہے  
اور دمس سے شیشہ نیل جادری ہے  
اے تو روز آسمانوں اور ان کے درمیان  
جزو زمین و سمندر جن ان کے بالک  
میں تجھے جیڑی ہری کا مطلب کرنے والے  
کی حیثیت سے پکارتا ہوں  
تو مجھ کو ہر لاکھ کی خطائیں معاف کر دے  
اے نیل و درخت سے سب کی طبیعت  
کا کرم دور کر دے

[illegible][illegible]

وہ کچھ دن بعد اس مرد سے ملتا تو اسے اپنا چٹن  
را کر گئے کا خیال آئے۔ سوال یہ تھا کہ فاراب سے کبھی کر  
اباں جائے۔ اسے بخارا کی یاد آئی۔ اس وقت بخارا علم و  
حکمران کا مرکز تھا اور پوری دنیا سے علوم کے طلبہ اسے بخارا کا رخ  
کھا کر تھے۔ اس وقت بخارا میں تین سو سے زیادہ دفین  
ہیں کے مدارس تھے۔ بخارا دولت مند بخارا ہوا تھا۔ اہل  
دولت و فکرت دور دور سے پہلے آتے تھے۔ وہ بھی کسی  
یہ کہنے کا تھی کہ اس میں مشغول ہو کر آج سے کچھ پہنچا  
ہے۔ اس کی خوش قسمتی اس کے ساتھ ساتھ محل رہی جس  
سے علوم و ہر ایک دور و دن بعد سے بڑے بڑے دانے ایک  
تھکے ہیں اس کے گردے کا کر وہ چاہے جی تو تھے  
نہ بخارا میں اس کے اس کی خوش قسمتی کی طرح خزان  
وقت گھر نہیں تھا اور اس کے ہفتے کسی کے اس کے  
کوئی انسان بھی نہیں تھا۔ ابورہ سے ضروری چیز کی۔  
اس کی رات اس کے تاجوں کی اس کی خوش قسمتی اور  
تھی کے سر ہر اس سے ملاقات کی اور تھے میں مثال ہو  
تھے بخارا جانے کی وجہ کوئی اس کی حسن مثال ہو

وہ خبر اور بے خبری کے عالم میں قافلے کے ساتھ سفر  
رہتا ہوا بغداد تک پہنچ گیا۔

یہ رات کا وقت تھا۔ شہر کے دروازے بند ہو چکے تھے۔ قافے والوں نے اسے شہر سے باہر چھوڑا اور قافہ کے بڑھ گیا۔ اس کے ساتھ دو چار تاجر پیشوا بھی اور کچھ قلعے سے چھوڑے گئے تھے۔ دو کچھ اس کی طرح پریشان تھے کہ اب کہاں جائیں۔ پہلے سے دروں کی بہت خواہش تھی کہ دروازہ کھول دیا جائے۔ اس نے کتابوں کی کھڑکی سے باہر آنے والوں سے کہا کہ میں لیٹ گیا۔ اس کی دیکھا کچھ باتوں سے بھی کچھ سمجھا۔

رات وہ تھا کسی گھر کی تھی۔ اسی سویرے نے جھانکنا تھا  
دروازہ کھل گیا۔ اس نے گناہ کی عمری اٹھائی اور بیرون  
داخل ہو گیا۔ وہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ پورا شہر  
بے پہلے ہی جاگ گیا تھا۔ وہ دیکھ کر کہہ سکتا تھا  
جیڑوں کے بیچم کیسے ہوتے ہیں۔ اگر کوئی گناہ  
کرتا ہے تو سب کو جگاتا ہے۔ اے اسے اسے  
اور اس کے کہنا تھا کہ اس کی عمری کے خلاف کرنا تھا  
وہ نہ تھکا اترے اور پھر کسی دروازہ کی طرف  
اسے تھکا کر اس کی ضرورت میں نہیں آئی۔ ایک  
گھر سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ ایک

نے اس کے چلنے اور گھبراہٹ سے پہچان لیا تھا کہ وہ اہلبی  
بھی ہے اور مسافر بھی۔ اسے کہنا سرا سرائے کی تلاش ہو  
گی۔  
”آپ کہیں تو میں یہ سامان اٹھا لوں۔“ اس شخص  
نے اس کی تحریکیں کی طرف اشارہ کیا۔

”آپ زحمت نہ کریں۔ اتنا وزن تو میں خود اٹھا سکتا ہوں۔“

”کیا آپ کو کسی سے لکھانے کی تلاش نہیں؟“  
 ”ہاں کل ہے۔“

”تو پھر آئیے میرے ساتھ۔ یہ کھڑی مجھے دیکھیے اور میرے ساتھ چلیے۔“

”میں تمہارے ساتھ چلوں گا ضرور لیکن یہ نفی نہیں نہیں دے سکتا۔“

”ہاں بہت بہت سی، اتنا کہ جتنی کہ اگر اس کے عوض بخارا

اس شخص نے دیکھا اے کوئی قبیلے لو جو ان سبھا ہوگا

اس لیے اس نے اپنے کندھے اچکائے اور اسے ساتھ لے کر چلنے لگا۔

”کیا تم واقعی کچھ نہیں سمجھتے۔“

”میں تمہیں ایک سرائے میں لے جا رہا ہوں۔ پسند

اے کو صبر جانا میں لو اے بڑھ جانا، کوئی زبردستی ہوئی ہے۔“

ابو نصر مجھ لیا کہ وہ میں کون ہے لہذا خاموس ہو گیا۔  
ب دونوں طرف خاموشی تھی۔ اس شخص نے پھر کچھ جاننا

”یہ تو بتاؤ تم یہاں کس سلسلے میں آئے ہو۔ تاجر ہو،

آئے ہو۔“

بھائی میں طالب علم ہوں۔ طلبہ کی کسی بھی  
فشار لے آئی ہے۔" ابو نصر نے اس خیال سے سچ بات بتا

”اگر تم طالب علم ہو تو سچو تہارا کام بن گیا۔“

”سرائے کا مالک طالب علموں کی بہت قدر کرتا

۲۱] مایتنا مەسەرگەزشت

ہے۔ جب دو سنے گا کہ تم طالب علم ہو تو تم سے کرایہ بھی نہیں لے گا اور رات کو چلائے گئے کپے تیل بھی دے گا تاکہ تمہیں دیر تک پڑھنے میں آسانی ہو اور ہاں مجھے انک سے انعام دے گا کہ میں اس کی سرائے میں ایک طالب علم کو لے کر آیا ہوں۔

ابونصر حیران تھا کہ یہ کیسا عظیم پروردگار ہے۔ جب ایک  
سرائے کا مالک اٹا مہربان ہے تو ہائی لوگ بھی علم پروردگار ہوں

”یہاں تو سینکڑوں طالب علم آتے ہوں مجھے تمہارا

”بیشتر طالب علم تو مساجد میں ٹھہرتے ہیں۔ ایسے

اساتذہ بھی ہیں جو بڑے بڑے محلات میں رہتے ہیں۔ مگر  
پسند اور قابل طالب علموں کو اپنے محلات میں جگہ دے دیتے

ہیں اگر تم اپنا اہتمام کر سکتے تو ہمیں بھی کسی عمل میں جکڑ  
سکتی ہے۔“

شاید ابھی کچھ اور باتیں ہوں گی لیکن سرائے کا دروازہ  
آگیا۔ اس شخص نے ابو نصر کو سرائے کے مالک کے سامنے

”قاضی صاحب! میں ایک طالب علم کو لے کر آیا

”کہاں سے آرہے ہو؟“ قاضی صاحب نے

”میں ترکستان کے ضلع قازاب سے یہاں پہنچا۔“

”یہاں تمہاری کسی سے جان پہچان ہے؟“

”میں اس شہر کے لیے بالکل ابھری ہوں۔“  
 ”اس سرائے کو قیام گاہ سمجھو اور جب تک جی چاہے

قاضی نے اپنے آدمی کو حکم دیا۔ وہ اسے لے کر ایک

اب اسے صرف یہ معلوم کہ قہار کب تکیل علوم کے لیے اسے سکھ دے اور اس استاد کے پاس جاتا ہے۔ اسے یہ بھی معلوم کہ قہار اس کے دروازے کی پر بند پڑیں جس کا جی چاہے دوسرے میں شریک ہو سکے۔ استاد بگڑتا ہے اور طلبہ اسے سمجھ جاتے ہیں پھر جڑ بے صلاحیت ہوتے ہیں وہ ان کتاب سے سنے نتائج حاصل کر لیتے ہیں۔ استاد سے اتفاق کرتے ہیں یا اختلاف۔ بیشتر دوس کہوں کے کھلے معنوں میں ہوتے ہیں۔ ان دروس میں حرکت کا کوئی معاوضہ نہیں کیا جاتا۔

دینے کا مفت لکھا گیا تھا اب اسے کسی دوس میں شامل ہوا تھا۔

وہ ایک بھگے کے سامنے سے گزرا وہ قہار کو صرصری اذان ہو گئی۔ وہ نماز کے لیے کھے اند چلا گیا۔ نماز سے فارغ ہوا کہ وہ سن گیا تھا تو اس نے کچھ لوگوں کو حلقہ بنائے بیٹھے دیکھا۔ معلوم ہوا شہر کے مشہور استاد ہیں یہاں دوس ویسے ہیں۔ وہ ایک ایک طرف چڑھا گیا۔ جیسے جی پیٹے جیسے بڑے گھر اور جن پر گھرا۔ درس شروع ہوا تو معلوم ہوا علم منطق پر مبنی جارہا ہے۔ وہ دوسرے سے متاثر ہوا۔ ایک جگہ اسے احساس ہوا کہ ایک کسی کوسلوی صاحب طرح صراحت نہیں کئے ہیں۔ وہ اس وقت تو خاموش رہا کہ درمیان میں تو سن لیا ہوا تھا لیکن جب دوسرے قسم ہوا تو استاد کے پاس بیٹھ گیا اور ان کی توجہ اس طرف مبذول کی اور اپنی دانست میں کچھ بھی دیا کہ اس نے لکھا تھا کہ کیا ہوتا ہے چاہیے استاد حیرت سے اسے دیکھ رہے تھے۔

”تم استاد کا طالب علم؟“

”میں ایک اولیٰ سا طالب علم ہوں۔ قاراب سے یہاں حصول علم کے لیے حاضر ہوا ہوں۔“

”تم نے علم منطق کی تعلیم کہاں سے حاصل کی؟“

”میں نے اس موضوع پر کئی بار پڑھی ہیں۔“

”میں تمہارے ذہن رسائی کا اوڑھتا ہوں۔ جب تم کتابوں سے اجتناب کر سکتے ہو تو کسی ایسے استاد کی صحبت میں اس علم کا ایسا تک پہنچا سکتے ہو۔“

”اسی لیے تو آپ کے دوس میں شریک ہوا ہوں۔“

”یہ تمہاری منزل نہیں۔ میں جہیں اپنے استاد کے پاس بیٹھا رہا ہوں۔ وہ کلمہ سمندر ہیں۔ ان کا کافی درودور تک نہیں۔ وہ ہمیں مشکل کر دیں گے۔“

وہ دیکھتے ہوئے بچے پر جا کر اس سے استاد سے ملا اور

منطق کی تعلیم حاصل کرنے لگا۔ یہ نیا استاد بھی اس کی ذہانت کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ ایسا دینی معنوں وہ نہایت تجزیے کے عمل پر کاربدا تھا۔ اس نے استاد کی معرفت اسے فلسفے کے کات سمجھنے کے لیے ایک اور استاد کو سپرد کر دیا۔ اس طرح وہ مختلف علوم کی تعلیم کے لیے مختلف استاد کے پاس جاتا رہا۔ ایک استاد تو اس پر اتنا بھروسہ ہوا کہ اسے سراسر اسے بڑا کر اپنے شاگردوں میں جگہ دے دی۔ اس کے دوسرے اس کی رسائی میں شایستگی نہ تک ہو گئی۔

اس سب خانے کے بلند اور عظیم دروازے میں قدم رکھتے ہی اس کی نظر اسے کو دیکھ کر اس کی آنکھیں جھپکنے لگیں۔ دوسرے کے چند ٹھنڈے کچھڑ کر دن رات چلنے میں مصروف ہو گیا۔ یہاں اسے ایسی کتابیں ملیں جن کا نام بھی کبھی اس نے نہیں سنا تھا۔

وہ کسی حریف طالب علم کی طرح ان کتابوں میں مستغرق تھا اور سوچ کر غرضی قہار کا تمام طالب علموں کو ان کتابوں کی ہوائی گئی تھک گیا ہو گئی۔

ان کتابوں کی وجہ سے اس کا مطالعہ کسی ایک علم تک محدود نہ رہا۔ بلکہ علم بطور پختی کتابیں یہاں موجود تھیں اس نے سب پڑھ لیں۔

کتابوں کے درمیان بیٹھے ہوئے اس کو جان کا کلمہ حرکت پش آئی۔ اس نے منطق اور فلسفہ کو موضوع بنا کر ایک کتاب لکھی شروع کر دی۔ وہ اس کتاب میں مشغول تھا۔ کتب خانے میں کتابوں کے درمیان رات کو ریک بیٹھا رہتا۔ مختلف کتابوں سے استفادہ کرتا رہتا۔ اس کا کلمہ چلا رہا اور سب کتابوں کے نام میں نیرے اور کچھ رچے کر کتب و فکر رکھے اور سب میں آرام کا موقع ملے۔

اس نے کئی بار میں اس کتب خانے میں گزرا کر کئی سب دور تا راجہ تعریف و تالک کر لیں۔

وہ کتابیں اس کی عقل میں کچھ کا کچھ بھی مشکل تھا۔ اس نے اتنا علم تمام تر جبر کیا جو عام آدمی کی سمجھ میں بھی آسانی آ سکتا تھا۔

اس کے یہ تمام تر آنے والے وقت میں علمی دنیا میں تھک چکے والے تھے۔

خدا کی مدد سے اس کی کئی تھک نہ سادہ کی۔ اس نے ان سب سے کتب فیض کیا۔ فلسفے میں نئی ماہیں نکالیں۔ موسیقی میں بہارت حاصل کی۔ ادب اور سائنس کی مبادیات سے واقف ہو گئے۔

اس نے ان تمام علوم کی تکمیل اس شان سے کی تھی کہ پورے قہار میں اس کا نام احترام سے لیا جانے لگا۔ بعض لوگ تو اسے اصطلاحی کے لقب سے یاد کرتے تھے۔

کئی سے صاحب اسے متفق سمجھتا تھا۔

دراصل میں دے ہوئے اس نے تمام علوم حاصل کر لیے تھے لیکن اس کی عقلی تھی کہ سمجھنے کی تھی۔ وہ جب بنام کے مداخلت کو بھی طرح پرچا کر تو اس نے بلند اور رخ کیا۔

وہ بڑی امیدوں سے ابداد اور قہار تین اسے چند ہی روز میں امداد ہو گیا کہ وہ زیادہ دن میں رہے گا۔ کئی روز کی جدوجہد کے بعد کسی اسے رہنے کا مکان مقرر نہ آ سکا۔ یہاں کوئی اس کے نام کے نہ واقف نہیں تھا۔ تمام مرتبہ کا مشین تو بڑی بات۔ وہ گھر کا روشن آگیا۔ یہاں بھی مسئلہ ہی تھا جو بلند اور چل آ گیا تھا۔ کہاں قیام کرے اور پتہ میں انڈین کہاں سے ڈالے۔ گھنٹے کا سامان اور کتابوں کی کٹوری اس کے کمرے پر پڑی ہوئی تھی۔ وہ اس کا نام بھی نہ جانتا کی دکان پر پہنچ گیا۔ پتہ بھر کر کھانا کھایا اور پھر اس کے بڑھ گیا۔ وہ ایک بار کئی دوسرے ساتھ ساتھ جا جا رہا تھا۔ بارگ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس کی طبیعت لچا گئی اس کی شاعرانہ طبیعت نے قہار کا کہ وہ اس بارگ کے اندر جائے اور اس کے کھارے سے اپنی آنکھیں کھلی کرے۔ اتفاقاً بارگ کی کھارے سے۔ دروازے پر کھڑے چوکیدار اسے دیکھتے ہی خوش آمدید کہا۔

”ابو نصر؟“ اس نے التماسی جان بوجھ کر کہیں بتایا کہ کچھ نہیں دلیا تھا۔

”بہت اچھا نام ہے۔ آؤ میں تمہاری کٹوری چھین دیکھا دوں یہاں کہیں دن کے وقت ہوتا ہو۔ تم پہاڑی کی کٹوری کی وجہ رکھنا ہے۔ پھر بڑی بائیں ہوں گی۔“

ابو نصر حیران اور حیران کی اتنی آواز نہ کیوں اور ہی ہے۔ یہ شخص اسے کیا سمجھ رہا ہے۔ یہ راز کی جلد تھا ہر ہو گیا۔

”یہاں ابو نصر اچھا ہوا تم آگے در دیکھو کچھ چھٹی دیکھو۔“

”میرے آجائے۔ تمہاری چھٹی کا کیا حلقہ بھائی۔“

”ناگ نے تمہیں کچھ نہیں بتایا؟“

”کون ناگ؟ ہماری تو کسی سے ملاقات نہیں ہوئی۔ نہ مجھے کسی نے کچھ بتایا۔“

”کیوں فراموش کرتے ہو۔ جب ہمیں کسی نے بھیجا نہیں تو ہم قہار آئے کیسے۔“

”میں اس شہر میں آج ہی آیا ہوں۔“ ابو نصر نے کہا۔

”دیکھو تم کوئی اس بارگ میں آیا اور سوچا اس بارگ کو اعدا سے دیکھا۔ کیا ہی قہار تم سے ملاقات ہو گئی۔ تم نے یہ سمجھا لیا کہ مجھے کسی نے بھیجا ہے۔“

”یہ کونسا قہار ہے ہونے والے۔“

”میرا کوئی خاصا نہیں۔“

”اور تو کی؟“

”میں نے کہا کہ اس شہر میں آج ہی آیا ہوں۔“

”یہ تو پھر کچھ تھکرا نام کا ہم کیا۔ تو کی کر دے؟“

”بائل کر دے گا۔“

”میں یہ چوکیدار کی چوڑا ہوں۔ تم ہماری جگہ چوکیداری کر لو۔“

”تمہارا ناگ مجھے رکھ لے گا۔ وہ تو مجھے جاتا تھا نہیں ہوگا۔“

”میں اس سے کہوں گا تم میرے دروازے پر میری حفاظت کرو۔ وہیں تک نہ لے گا۔“

”تم میری حفاظت کیسے لے سکتے ہو۔“

”تم تمہاری حفاظت کرو۔ اسے آدمی معلوم ہوتے ہو۔ میں تم پر اعتماد کر سکتا ہوں۔“

”تمہارا ناگ کب آئے گا۔“

”جب بھی آئے گا۔ جب ہمیں کیا فکر ہے تم میرے ساتھ ہو۔“

وہ اس کی کٹوری میں پاؤں پھیلائے کے لیے لیٹ گیا۔

بارگ کا ناگ اس دن قہار میں آیا لیکن دوسرے دن صبح عرصہ آج آگیا۔ چوکیدار نے اسے اپنے غنائی تالیاں اس کے اپنی جگہ پر ایک رشتے دار کو دکھایا ہے۔ ابو نصر کی کتاب سامنے پٹی کر گیا۔ بارگ کا ناگ اس کی کٹنگوں کہرت ساڑ ہوا۔

”تم کوئی تو بہت اچھی بولے ہو۔ پڑھے لکھے معلوم ہوتے ہو۔“

”ایسی قسمت کا نہیں۔ بس اچھے لوگوں کی صحبت میں بیٹھا ہوں۔ زبان صاف ہو گئی ہے۔“

4516-0555



جب ایک بار مسلمانوں نے علوم قبل از اسلام کی طرف توجہ دے جانے تو ایسے افراد کا حال ہی جو ان مصادر کی عربی میں نقل کر سکتے تھے۔ ان مراکز میں جو اسلامی دنیا کے اندر واقع تھے ایسے اصحاب داخل موجود تھے جن کی اکثریت مسلمانوں اور یہودیوں پر مشتمل تھی۔ بعض ایرانی بھی تھے جو بلند پایہ عالم تھے اور یونانی، سریانی، یہودی اور سکرت کے علاوہ عربی زبان کی جاگرتے تھے لہذا وہ سہولت فراہم کر سکتے تھے۔ ایک وقت وہ بھی آیا جب بغداد کے اندر جو خلافت کا صدر مقام تھا ہزار ہا عربین، ایرانی، مل گئے۔ کتاب کی بھی زبان میں بھر پور کی عمر بردہ ہو گئی تھی۔ ابھی دو صدیاں گزری تھیں کہ خلفائے راشدین اور سائنس کاروں کا ایک عظیم مجموعہ تصانیف یونانی، سریانی، یہودی اور سکرت سے عربی میں نقل ہو گیا۔

خلفائے اسلام نے ان تراجم کے لیے بڑے بڑے ادارے بنائے۔ ان کے ضرورت اس لیے تھی کہ ان کے فلسفوں خصوصاً یہودی مذہب کے علماء سے نقلی کتاب شروع ہو چکا تھا۔ ان پر اسلامی عقائد کی حیثیت ثابت کرنا مشکل ہو رہا تھا کیونکہ قرآن و حدیث سے دلائل ان پر اثر ادا نہیں ہو سکتے تھے اور وہ اسلامی عقائد پر حملہ آور ہوتے وقت مشفق اور قنفذ بننے والوں سے کام لیتے تھے جن سے مسلمان واقف تھے۔ ضرورت اس لیے تھی کہ دین اسلام کو بھی ویسے ہی نقلی صحیفوں سے آگاہ کیا جائے لہذا خلافت خصوصاً امویان اور رشید نے فلسفہ و علوم کی کتب کو عربی میں ترجمہ کرنا بہت زور دیا۔

یونانیوں، ایرانیوں اور یہودیوں کے علوم کے بہت سے دور فلسفے کے مصنف ہو جانے سے مسلمانوں نے ایسے دیکھا جن کی تاریخ تکتیک تھی جو اسلام کے اُفق پر چھانے لگے۔

اموی حکومت کے بعد جب عباسی حکومت قائم ہوئی تو یہ حکمران خاندان کی تہذیب کی ذہنی بلک ایک خفاقی انقلاب کی تھا۔ ابو جعفر منصور کے عہد حکومت میں باطلہ علوم و عقائد فتن کا دوا دار اور تصنیف و تالیف ہونے لگی۔ حدیث و فقہ اور تعمیر مرتب ہوئی اس کے علاوہ لغت، تاریخ اور عام لوگوں کے لیے کتابیں بھی جانے لگیں۔

ابو جعفر منصور نے قیصر روم کو ریاضی کی کتابیں ترجمہ کرنا کے لیے بھیجے کہ اسے لکھا تو اس نے اصول الفیکر اور طبیعات کی کچھ کتابیں بھیجیں جنہیں مسلمانوں نے پڑھا اور

ان کے معنوں سے واقف ہوئی اور اس طرح مسلمانوں میں فلسفہ و منطق کی کتابیں حاصل کرنے کے لیے شوق بڑھا۔ ان مراکز میں فلسفہ اور نجوم میں علماء کی مکمل تائید عالمی سر پرستی اس سے ہی نہیں چٹا پڑ منطق میں سب سے پہلا شخص جو تصنیف و تالیف کے لیے مشہور اور وہ محمد بن مسلمہ تھے جو قاضی اور ایک عظیم اور اپنی فلسفہ کا کتب خانہ۔ فلسفہ مشہور نے سائنس اور فلسفہ کے علاوہ دیگر علوم کی کتابوں کو دربار میں جمع کیا اور ایک چھوٹی سی لائبریری قائم کی۔

خلیفہ ہارون الرشید کے دور اقتدار میں علوم و فنون کو بہت زیادہ ترقی حاصل ہوئی۔ اسی نے اہم عہدوں پر اعلیٰ اور علماء کو تعینات کیا۔ اس نے بلا تسمیہ مذہب قائل اور ذہین لوگوں کو دربار میں یکجا کیا۔ اسی نے شعوری مترجمین کی سر پرستی کی جنہوں نے یونانی اور سریانی زبان سے عربی میں فلسفہ، فلسفہ، طب اور دیگر علوم کی کتب کے ترجمے کیے۔ ہارون الرشید اور وہ دونوں کے دور میں ایک جنگ کے دوران انفرد اور عور سے بہت سی یونانی کتابیں چھہ گئیں۔ اس نے ان کتابوں کا ترجمہ کر کے شاہی لائبریری میں رکھوا دیں چاں کہ اس کے درباری علماء کی عمر بھی اس کم سے کم خلیفہ کی بدولت بغداد گئے اور منطق کا مرکز بن گیا۔

امویان اور رشید کے عہد میں تو یہ علمی سہزادی بلند ہوئی تک پہنچی کہ اس نے علمی تلاش و جستجو میں خوب توجہ دی۔ اس نے روم کے بادشاہوں سے خط و کتابت کی اور انہیں جن قیمت سے چاہے ایران کے بڑے فلسفہ و سائنس کی کتابیں کھانا کھیں۔ روم کے بادشاہوں نے اس طرح، ابراہام، جابلقا، اقلیدس اور بطلمی جیسے فلسفہ کی اہم کتابوں کو بھیجے۔ امویان نے ان کتابوں کے تراجم کے لیے باہر بلا کر کتب خانے اس طرح اس کے زمانے میں سائنس اور فلسفہ پر کھنکھن پھول ہو گیا ایسے لوگوں کو اس پر گورنر مقرر کیا جنہوں نے ایسے ملازمین میں علماء کی سر پرستی کی کہ فلسفہ و منطق پر کتابیں تصنیف کریں۔ ان خفاہ کی فکشنوں سے بغداد اپنے زمانے کا سب سے بڑا علمی مرکز بن گیا۔

☆ ☆ ☆

خفاہ کی کوششوں، علماء کی کاوش اور طلبہ کے شوق نے ہر شمار اہل کمال پیدا کیے اور بغداد کمال کا مرکز بن

گیا۔ ان بڑوں سے فیض یاب ہو کر جب الخفاری سامنے آیا اور اس کے کمال کا چرچا ہوا اور اس فلسفہ و منطق کو رواج پڑ چکا اور تو اس طرح کا ہو گیا کہ اگلے سال سے اس کے کمال کی کتابیاں فروغ میں گئیں۔

”ابو نصر الخفاری اہل سلسلہ فلسفہ میں پہلا فلسفی تھا جس کے پاس کے فلسفی نہیں تھا۔“

”اس زمانہ میں فلسفہ میں سب سے بڑا فلسفی تھے۔“

”خفاری اور باہر اعلیٰ مسائل جن کی تشہید اقلیدس و دیگر نے الخفاری کی اس کو ابھرا اور الخفاری نے منطق کمال تک پہنچایا۔“

”الخفاری اہل منطق و فلسفہ میں تمام مسلمانوں سے بڑھ گیا اور اس نے سب سے زیادہ ان مسائل میں دوا و تحقیق دی۔ اس نے اس علم کے فرائض کو شرح کے طور پر بیان کیا ہے۔ اس کے اسرار و رموز کو لکھ کر اس کی تعلیم کا آسان بنادیا۔ اس نے علم منطق کو ہر فلسفی کے لیے جزیروں کو کھنکھ کر دیا جن سے علم منطق اور فلسفہ ہر کوئی سمجھ سکتا ہے۔“

”الخفاری کو اس طرح کا ایک بہت بڑا شارح اور متقلد سمجھا جاتا ہے۔ اس نے اس طرح کی کتابیں کی تھیں کہ ہر شخص اس سے مرہمیں اس کے بعد اپنے دالے اہل علم کے لیے مشعل راہ ثابت ہو گئی۔ اس نے ایسی کتابیں بھی تصنیف کیں جو فلسفہ کو اسلامی فلسفہ بنانے میں معاون ہو گئیں۔“

اسے اسلامی فلسفہ سائنس کا بانی سمجھا جائے۔ اس مسئلے پر اس نے اکثر اہل فلسفہ کے نظریات کا انجرا کیا ہے اور وہ فلسفہ پر اردو تھا۔ اس نے اپنی کتابوں میں اس فلسفہ سائنس کو کلمہ بند کیا۔

”اس کو خصوصی شرت موسیقی کے باعث حاصل ہوئی۔ وہ موسیقی کا نظری علم ہی نہیں بلکہ تانہ کا ایک اہل علم اور سب سے آواز کی تھا۔ اس میں وہ ایک ایسا تصنیف چھوڑ گیا جس پر جنوں نے موسیقی کے باب میں اہم ترین سے بھی ”کتاب موسیقی“ لکھی۔“

الخفاری کی اختراع کردہ و مشہور شریں میں ہر جگہ پھیل گئیں خاص طور پر موسیقی میں خوب متبول ہو گئیں۔

تصرف کے ساتھ اس کا دربار میں الخفاری نہیں تھا بلکہ وہ موسیقی طرز زندگی اور موسیقی ذوق کا ناک تھا۔ وہ ذاتی بات کی زندگی کو گھورت سے دیکھتا تھا اور وہی ایک کمال، اپنی پسند کی ایک بڑی ٹولی سب سے زیادہ کیا کرتا تھا۔

انگور بار میں ہوتا تو جب بھی لباس کے بارے میں رسوم و قوائد کی یاد دلاتا کرتا۔

”الخفاری کے فلسفے میں تمام رنگ موجود ہیں۔ وہ ایک بہت بڑا فلسفی تھے، ایک بڑا منطق بھی تھا اور کئی موسیقی بھی اس طرح کے فلسفے میں اس نے ایک نئی خاص رنگ دیا تھا۔ یہی اس طرح کی تھی کہ ایک اور جدا تھا۔ یہ کیا جاسے تو بے مابینوں ہو گا کہ الخفاری اور شخص تھا جس نے فلسفے کے دے دیں کو سمجھا اور اس کی معرفت حاصل کی۔ وہ دین کو فلسفہ اور فلسفہ کو دین میں تھا۔“

”الخفاری کا فلسفہ بالیہ اعلیٰ تھا، الخفاریوں اور اس طرح کی، بعد اعلیٰ تھا۔ یہ اعلیٰ خدو ہے لیکن اس نے اس فلسفے کو اسلامی نقطہ نظر کے ساتھ پیش کیا۔ وہ اس کا نکتہ کو ’اصد‘ کے لیے کا نکتہ کے تمام منظر ہر ای اعلیٰ شخص سے ظہور میں آئے۔ دنیا کی تمام اشیاء دی اعلیٰ شخص کی ہی پڑ چکا تھا۔“

معروف ہیں۔ ان دونوں برساہوں میں اس نے کا نکتہ اور اجرام فلکی اور اجرام فلکی کے درمیان پائی جانے والی قوت کو بیان کیا ہے۔

یہ بھی اس کا زمانہ میں سے ایک کارنامہ ہے کہ اس نے ستارہ نمودار اور بار ایجاد کیے جو آج بھی استعمال ہوتے ہیں۔

وہ اپنی ایجادات اور نظریات کی تشکیل میں مشغول تھا۔ بعد اعلیٰ میں رہے ہوئے چالیس سال ہو گئے تھے کہ ایک بار بغداد کے حالات خراب ہوئے شروع ہو گئے۔ خدیجہ اور ساسی تو قیاس مقام ہوئے گئیں۔ یہ تہذیب گریاں کچھ نہیں تھیں کہ ”قراعت“ کا قندھا کھڑا ہوئے۔ انہوں نے اس کے لیے اس کے اعلیٰ بنیادیں شروع کر دیں۔ اس لیے اس نے اسلامی شریعت کو فتن کا بار کھڑا اور اپنی جماعت کو منظم کر کے مدار تعلیم اور تربیتی قفسہ کر لیا۔ انہوں نے ہمیشہ اور کونڈے میں طے کیے۔ کچھ پر بھی رکھا گیا۔

مرکز خلافت سے کئی اور کردار تھا۔ اس لیے پوری خلافت میں پھرتے رہا کرتا تھا۔

حضرت سید بن منصور علاج کو کسی دور میں گرفتار کر لیا گیا اور ایک قید خانہ میں قید سے بعد انہیں کرا دی گیا۔ یہ ایسا شخص تھا کہ وہ ان کے قید خانہ کی یاد چاروں میں چھپ گیا۔ بغداد میں بگڑے شروع ہو گئے۔

خلیفہ مقتدر باللہ کے بعد خلیفہ راضی باللہ اور خلیفہ ملکی باللہ مسند خلافت پر بیٹھے مگر دروغ باتیں ہوئے۔ بغداد کی ایفٹ سے ایفٹ بھاگ گئی۔  
 القادری نے اسی بغداد میں چالیس سال گزارے تھے۔ چوتھا غلام زادہ دیکھا تھا۔ اپنے مقلد و فاسق کے حوالے سے بہت باتیں کیں اب اس کی پرزور تک۔ ہوئی۔  
 اسے یاد آیا کہ ”رے“ شہر کے عمران صاحب بن ہمارے۔ اسے مخالف اور اذیت کا کتا سمجھا کرتا تھا۔ وہ اپنے دربار میں طلب کیا تھا اور اس نے انکا کردار دیکھا لیکن اب کی بات اور تھی۔ بغداد کی تختہ کنیزان اس کی کو شکر شریفیت کے ستانی تھیں۔ وہ وقت و مباحث کے لیے کسی شہر کے متعلقوں سے دور کر دیا۔ وہ اپنے یاد کا کتا وہ تنگ کر رہا تھا لیکن اب کوئی جگہ ملنے نہیں کی۔ جان کا خطرہ لگا رہا تھا۔ وہ کوئی کتا مڑا دی نہیں تھا۔ کتا پڑا۔ پھر اس کی یاد آئی کہ وہ چاہتا تھا کہ جس مسلمان کو شکر گزار اس کی زندگی کا خاتمہ کر دیتی۔ کوئی ایسا سرپرست بھی نہیں تھا جو اس کی سانسوں کو بحال رکھ سکے۔ بڑے بڑے پڑا پڑا سرپرستوں کو گنگ بغداد پھڑک رہا ہے۔ اسے کسی ایسا شہر نہیں تھا جس ”رے“ شہر یاد آیا۔ اس نے ایک رات بغداد کی گلیوں کو پھوڑا اور بے سروسامانی کی حالت میں ایک کالے کے سر ہار ”رے“ بیچ دیا۔  
 وہ جب صاحب بن مبارک بن یحییٰ بن جراح وقت ایک باغ میں بیٹھا تھا۔ وہ اس حال میں بیٹھا کہ اس کی بڑی اور باریک خستہ ہوا۔ کی دواؤں کے پالنے کا کام ہوئے تھے۔ دور سے دیکھنے میں کوئی شک نہیں پڑتا جانی لگ رہا تھا۔ صاحب اس وقت اپنے بدمعوس اور خردوں کے ساتھ بیٹھا تھا۔ شراب کا دورور دیا تھا۔ سحر سے اپنی حرکتوں سے ایک صاحب کو بیٹھے پر جھوڑ کر رہے تھے۔ وہ بھی باغ میں داخل ہوا اور ایک سحر سے اپنی نظراس پر پڑی تو اس نے آواز دہرایا کہ۔  
 ”اے یوزے پاگل! منہ تیرا گرد آلود ہے نظری نہیں آ رہا۔ کچھ بے جوا اٹھ کر آ جا۔ بے کیا تیرے کپڑے کم ہو گئے ہیں جنھیں دھو دھو دھو اور تو بیاں چٹا آیا ہے۔“  
 ”کیوں کھاس میں مڑا ل کر آیا ہے۔ دماغی دیمیا پھوڑا۔“  
 ”ایک لکھاس ساتھ ساتھ آیا۔“  
 ”اے چارہ نہ دے۔ ہمارے کھوڑے تیرا جھانڈ پائیں گے۔ ایسی کھاس انھیں کہاں ملی ہوگی۔“

صاحب نے یہ آواز سن لی تو وہ اپنے بدمعوس پر بکرا۔  
 ”اب میری مجلس ایسی ہے وقت ہوگی کہ اس جیسا ہے جنت آدمی کی داخل مجلس ہو گیا۔ اس کے لئے یہاں آنے کی دعوت دی ہے۔“  
 ”خضر کوئی خندا لخواں ہے۔“  
 ”تغیر معلوم ہوتا ہے۔“  
 ”مہربا دیا ہے۔“  
 صاحب کے قریب بیٹھے ہوئے لوگ خضر طرخ سے اس کا مذاق اڑانے لگے۔ القادری اب کی باتیں خاموشی سے سن رہا تھا۔ اس نے ادھر ادھر، لکھا۔ کوئی کتا اسے ایک بربط پر نظر آیا۔ اس نے وہ بربط اٹھایا۔ اس نے بربط کے دونوں اطراف کی گلیوں سے چمکڑا کر شکرے لپٹیں اسے جبر سے دیکھ رہے تھے۔ بربط کے تادوں سے دھڑکی کا کھونٹہ لگے۔ ستے والوں کا حال بھی دیکھتے وہ بچنے کے ہو گئے ہوں۔ پھر ان کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ ہوئے تھیں۔ کھڑی ہی رہیں تھا سحر کا مگر کمری خند ہو گئے۔  
 القادری نے قسم سے بربط پر لکھا۔ ”تمہارے پاس القادری آیا تھا۔ تم کو گھون سے اس کا احتیال مٹاؤ اور سوتیلی اڑا کر کیا لیکن القادری نے تمہیں بربط کے بدوش سوتیلی سے کہی تیرا ملا دی اور خست ہو گیا۔“  
 اس کے چلے جانے کے بعد صاحب بن مبارک اور اس کے مصاحب کمری کی خند سے جاگے تو ایک دوسرے کی طرف حیرت سے دیکھنے لگے اور ہر کسی کے منہ سے کھوئے گئے۔ ایک دوسرے کو کہتے تھے اور ہنسنے لگے۔  
 ”کھوئے قوب بندے ہوئے ہیں میں کیا بچ کر سوئے تھے۔“  
 ”یہ تو خندا خندا ہم کیسے گئے۔“  
 ”ہم سب کے بڑے باپے ہوش ہو گئے تھے۔“  
 ”ابھی قلوب تو جاگ گئے۔“  
 ”وہ دھو بڑھا کھا لیا جا گیا۔“  
 ”اپنی اپنی تھیں دیکھو۔ تھپا کچھ چکر بھاگ گیا ہوگا۔“  
 ان میں سے ایک کی نظر بربط پر بھی تھم رہی تھی اور پھر بات کچھ سن گئی۔  
 ”تھے ہم پائل کچھ وہ تھے وہ مشہور قلنی اور پھر

القادری تھا۔ اسی کے چمپڑے ہوئے درویش کے لئے کی وجہ سے ہم سو گئے تھے۔ گیس کا مال ہے وہ۔“  
 ”کیا کیا تم لوگوں نے۔ القادری تھا۔ وہی القادری ہے ہم نے بڑی سختوں سے اپنے دربار میں بلایا تھا۔“  
 ”اب اس شاید وہ تھا۔“  
 ”تمہیں معلوم ہوا۔“  
 ”یہ دیکھیے اس بربط پر کیا لکھا ہے۔“  
 ”صاحب نے قریب پڑی۔“  
 ”وہاں آیا اور تم کو گھون سے اسے بھاگے پر مجبور کر دیا۔ جلدی جاؤ اور اسے تلاش کرو۔“  
 ”کی زیادہ دور نہیں گئے ہوگا۔“  
 اس کے مصاحبوں نے بہت تلاش کی لیکن وہ کسی کو نہیں ملا۔ پتا چلا کہ یہاں سے۔ وہ تو ایک کالے کے ساتھ ”وران“ کی طرف جا رہا تھا۔  
 حرات کے شانی جھے میں حرات ایک قدیم شہر تھا۔ سکندراعظم سے اسے یونانیوں کی ایک نو آبادی قرار دیا تھا جس کی وجہ سے یونان کے بہت سے لوگ اس میں آباد ہو گئے تھے۔ چکی صدی عیسوی میں جب رومی سلطنت کا سرکار مذہب حیثیت قرار پایا اور یورپ کے لوگ جوق در جوق مسلمان ہوئے تھے تو یونان کے اپنے قدیم مذہب پر قائم رہے ان کی بڑی تعداد کو دھن دھن کر گئے حرات میں آباد ہو گئی۔ اسلامی دور کے آغاز میں عربوں اور ایرانیوں کی طرح حرات کے لیے یونانی بھی شرف پر اسلام بھی مکران میں سے جو لوگ اپنے قدیم مذہب پر قائم رہے وہ انہوں نے صابی کا لقب اختیار کیا تا کہ ان کا شجرہ الہی کتاب میں ہونے لگے کیونکہ یہود اور نصاریٰ کے ساتھ ساتھ صابیوں کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے۔  
 صابیوں کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ مٹاؤہ الافاک کے بڑے شائق تھے اور اس لیے ستارہ پرست کہلاتے تھے۔ یہ خصوصیت کھاندوں اور خاندانوں دونوں میں شریک تھی۔  
 حرات کو پانی کی علوم انھیں فلسفہ، ریاضی اور ریاضت کے ایک علمی مرکز کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔ یہ صورت حال مسلمانوں کے زمانے میں بھی قائم رہی جس کے باعث اسلامی دور میں بھی حرات میں حضور و اہل دواش نے فروغ پایا اور حرات ایک بڑا علمی مرکز بن گیا۔ جات ہیں حراتی،

جاہل حراتی اور محمد بن جابر تائی جیسے دانش ور پیدا ہوئے اور یہ سب کے سب کو پیش القادری کے منہ صبر تھے۔  
 ثابت بن قرہ القادری کے دو بیٹے ہیں سال پہلے پیدا ہوا اور القادری کے دور شباب تک زندہ رہا اس نے اپنی نثر و اوقات کے لیے سرانی کا پیش اختیار کیا تا کہ لیکن رپاسی اور فیت سے اسے بہت دیکھی کی اور رحمت کے لمحات میں وہ ان مضامین کا مطالعہ کرتا رہتا تھا۔  
 ایک مرتبہ بغداد کے حکام کو یہ سختی میں سے ایک شخص محمد بن حراتی آ جاؤ اس کی ملاقات ثابت بن قرہ سے ہوئی وہ اس کی اپنی قصہ علمی سے بہت متاثر ہوئے وہ اسے اپنے ساتھ بغداد لے گیا۔  
 محمد بن قرہ علم قلنی میں سب سے بڑھ چکر تھا۔ وہ فیت اور ریاضی میں بہت مہار تھا۔ علاوہ انہیں وہ حکومت میں بھی خدمات کی انجام دیتا تھا۔ ریاضی سے گراشت رکھنے کے باعث وہ اپنی دولت کا ایک ٹیکر حصہ علمی کا سون میں صرف کیا تھا چنانچہ بعض مسائل سے اس نے تھوڑے یونانی کتابوں کو ترجمہ کر دیا تھا اور ماضیاتی جیب سے ادا کیا تھا۔  
 ثابت بن قرہ حراتی زبانوں پر مجبور رکھنے کے ساتھ ساتھ علمی علوم میں بھی کمال دست کا درمنا تھا۔ محمد بن موسیٰ نے اس کی زور افزائی کرتے ہوئے ترجمہ کیا کہ بڑا کا مصدر بنادیا۔ یہاں رہے ہوئے اس نے اعراف، اقلیدس، بطلمیوس اور جالیٹس کی متعدد کتابوں کے ترجمے کیے لیکن اس کی اصل شہرت ترجموں سے زیادہ اس کی سائنسی تحقیقات سے ہوئی۔  
 ریاضی میں اس نے جیومیٹری کی بعض اشکال سے متعلق ایسے مسائل دریافت کیے جو اس سے پہلے معلوم نہ تھے۔  
 حرات کی طرف جاتے ہوئے اسے ایک اور ماہر فیت محمد بن جابر تائی کا خیال آیا۔ یہی اس کا ہم عصری تھا۔ وہ 858ء میں حرات میں پیدا ہوا۔ ابتدائی تعلیم اپنے باپ سے حرات میں ہی کران ہونے پر وہ رتہ میں جو روئے تھے فرائد کے استاد سے ایک شہر آباد ہو گیا۔ اس کی زندگی کا ایک بڑا حصہ ہی شہر میں گزارا۔ پچاس سال کی عمر میں وہ بغداد کے قریب سارہ میں آئے اور آخری عمر تک یہیں رہا اور یہیں اس کی وفات ہوئی۔ اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے سال ہاسال کے مشہدوں کے

بعد ہیئت کے تشبہ نہایت محنت کے ساتھ مرتب کیے۔  
 ہیئت کے ان مشاہدات میں محمد بن جابر نے زوائد میں  
 کی جو بیہیت ہیں وہ ہر طرح کا لال اور بھی ہیں۔ اس سے  
 اندازہ ہو سکتا ہے کہ بیہیت میں اس کی بہتاد کی قدر  
 بڑھی تھی اور جو آلاءت اس کے استعمال میں آئے وہ  
 کھلی گئی اور بچے گئے۔  
 اس مری کے دوران اس نے بغدادی تاریخ پر بھی غور  
 کیا۔

بغدادی کی تقریباً ہی ظلیہ اور جعفر منصور کے مہر اور اس  
 کے حکم پر ہوئی۔ یہ منصور کے مہر کا ایک اہم واقعہ ہے۔  
 عباسیوں نے چونکہ اپنی ہیئت کی مدد سے اس پر اس کا تختہ الٹا تھا  
 اس لیے وہ سیاسی صحابی کی بنا پر اپنا دارالافتاء یہ مقام  
 میں رکھنا چاہتے تھے جو ہمیں اب موصوفی کے سرحد سے بھی  
 بہت دور نہ ہو۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے بغداد کا  
 انتخاب کیا۔ یہ مشرقی اور قدیم زمانے سے بہتر تھا چنانچہ  
 ایک رداوت کے مطابق اس کی بناء ایمان کے بادشاہ  
 فخرالدین نے رومی کی ادارہ سے اس کی دارالافتاء اور انصاف  
 کے بارے کا نام دیا تھا جو اب دیکھ کر اختلاف سے زبانون  
 پر بغداد مشہور ہو گیا لیکن یہ اس وقت ایک چھوٹا سا شہر تھا جس  
 میں ایک عظیم اسلامی سلطنت کے دارالافتاء کا بار اٹھانے کی  
 طاقت نہ تھی۔ اس وجہ سے ظلیہ منصور نے بغداد کے قدیم شہر  
 یعنی آغا شہر بنانے کا منصوبہ بنایا۔ آغا شہر کی اصل  
 بنیاد نے اس شہر کا نقشہ بنایا جس پر عظیم بغدادی تعمیرات  
 میں آئی چونکہ آریہ کی مدد پر تک بغداد کو مرسو البلاوی  
 حیثیت حاصل رہی اور مشرقی و مغربی سے سیاح یہاں آتے  
 رہے۔

منصور کے مہر کا ایک اور سائنس دان "ابن الشاہد" تھا  
 جس نے بغدادی تعمیرات میں حصہ لیا تھا۔ یہ شخص پہلے بیہودی  
 مذہب و مکتب تھا اور اس کا نام "شیخ" تھا۔ وہ جب مشرف بہ  
 اسلام ہوا تو اس کے نام کا نام "ابن الشاہد" سے رایت سے اس  
 اسلامی نام یا شاہد لکھا گیا۔ جب ظلیہ منصور نے بغداد کے  
 شہر کے لیے زمین کا مسوہ کرنے پر بوجہ کو مشرقی اور  
 قواشاہد لکھ دیا کہ اس کے معادوں کی حیثیت سے اس کے ساتھ  
 تعلیمات کا دارالافتاء۔  
 ان دونوں انجینئرز نے بغداد کے شہر کا جو نقشہ  
 بنایا وہ زائد تھا۔ اس کے سوا میں ظلیہ منصور کا بھی تھا۔ جو  
 قمرالند کے نام سے موسوم تھا۔ یہ نگل اپنی خوبصورتی اور

شان و شوکت کے لحاظ سے اس زمانے کی بہترین عمارتوں  
 میں شمار ہوتا تھا۔ قمرالند کے گرد حکومت سے دفتری  
 عمارتیں تھیں۔ ان عمارتوں سے کچھ کاٹے ہوئے اور زمین غلط  
 اور امراء کے غلط تھے اور ان کے گرد کاٹے ہوئے  
 مکانات، بازار اور باغات تھے۔ پورے شہر کے گرد و با  
 ایک سوٹ چوڑی فیصل کی چوڑی کی بنی ہوئی تھی۔ اس میں  
 آمد و رفت کے لیے چار بڑے بڑے پھاٹک تھے ہوتے  
 تھے۔ ایک پھاٹک کو اپادے اونچے برج سے منگاتے تھے۔  
 شہر کی آبادی میں ہر گھنٹے اور پچھلے دور پچھلے کے لوگ  
 محل اور مختلف چیزوں کے لیے لکھوہ و لکھوہ ہزار تھے۔ تمام  
 بازار میں اس دور میں اس لیے اسے ناموں سے مشہور کیا اور  
 دہلے سے بہت سی خبریں کاٹ کاٹ کر شہر میں لائی گئیں۔  
 جب آبادی بڑھتی گئی تو اسلئے شہر سے بغداد کی جانب  
 قریب کی گئے جن میں سے ایک کا نام "کرس" اور دور دور  
 کا نام "مرافق" تھا۔  
 شہر کے مغرب میں فوج کے لیے ہائل ایک آبادی  
 تھی۔

ایک مرتبہ ظلیہ منصور تخت بنارہا اور جب بغداد کے  
 اہل علم اس کا اطلاع کرنے میں ناکام رہے تو بچہ سے شاہد  
 سے جرجن نامی طبیب کو طلب کیا گیا۔  
 جیسے شاہد پر کمال اور فخر نہ ادا کران کے جنوب مغربی  
 سوے خورستان کے قریب تھا۔ اس شہر کو سالانہ بادشاہ شاہ  
 پر اور اہل نے بنایا تھا۔  
 جرجین کے علاقے سے ظلیہ نے شفا کی۔ ظلیہ منصور  
 نے اسے اپنا شاہی طبیب بنالیا۔ وہ سالہاں تک بارگاہ  
 خلافت میں رہا اور عباسی ظلیہ کی داد و تحسین سے فخر کیا  
 ہوتا رہا۔ اس کے بعد وہ رخصت کر کے جیسے شاہ پر چلا  
 گیا۔

منصور کی کے زمانے میں اسلامی علوم و فنون کی اس  
 تحریک کا آغاز ہوا جس نے اس کے نامور ہونے بہد  
 الرشید کے مہر میں وسعت پائی۔ منصور اپنی انتظامی خوبیوں  
 کے علاوہ سائنس کا بھی سرپرست تھا۔ اس زمانے میں  
 سائنس کی مشہور شاخیں ریاضی، ہیئت، کیمیا، فلک اور  
 جابجائیت تھیں جن میں سے ریاضی، ہیئت اور فلک کو خاص  
 اہمیت حاصل تھی اس لیے پورے اسلامی دور میں جن  
 سائنس دانوں نے علم کے دربار میں نام پایا ان کی اکثریت  
 ریاضی، ہیئت اور فلک ہی سے منسلک تھی۔

منصور کے مہر کا ایک علمی واقعہ اس کے دربار میں  
 ایک ہندو علم اور ہیئت دان یا پاک کی آمد ہے جس کا نام  
 عرب مورخین نے لکھا ہے۔ یہ شخص منصفہ کے راجا کا سفیر  
 رہا۔ بعد از خلافت منصور کے آیا تھا اور ایک سال تک یہاں رہا۔  
 دیگر بہت سے مخالف کے ساتھ وہ اپنے ملک سے ایک  
 مسکن کی کتاب بھی لایا تھا جس کا نام مدحیات تھا۔ یہ  
 ریاضی اور ہیئت کی ایک معیاری تصنیف تھی۔ ظلیہ منصور نے  
 اس کتاب کا عربی ترجمہ کر دیا جس کی خواہش ظاہر کی اور اس  
 کا ترجمہ ابن ابراہیم فرازی کو مامور کیا۔ اس نے نیک کی مد  
 سے پانچ سال کی محنت شائقہ کے بعد اس کا ترجمہ  
 "منصور الکیمی" کے نام سے مکمل کیا۔  
 منصور کے بعد جب اردن اور شام کی طرف پریشا تو اس  
 نے ابن ابراہیم فرازی کو اپنے دور بار پر بھیج دیا۔  
 یعقوب بن طارون کے آپاد اجداد ایران کے رہنے  
 والے تھے اور ایرانی ہیں اس میں اس کی ولادت ہوئی۔ اس نے  
 ریاضی اور ہیئت کی اعلیٰ تعلیم کی جس کی مدد سے اس کی پھر  
 وہ بغداد آیا اور منصور کے ہیئت دانوں کی صف میں شامل  
 کیا یہاں اس نے اپنے علم و فضل کے باعث بہت جلد اپنے  
 لیے ایک اعلیٰ مقام حاصل کیا۔

ایک حکمتی ترقی کا وہ دور جو ہمارے دیکھ کے زمانہ سلطنت  
 میں شروع ہوا اور اس کے نامور ترین اراکین سامون الرشید  
 کے مہر میں اپنے کمال کو دکھایا۔  
 سامون الرشید و صرف اپنی علمی کمربندی پر ہی تھا بلکہ  
 ریاضی اور فلک کے خود کی تمام علم اس کا سب سے عظیم  
 کام تھا۔ "تہذیب" کے نام سے تھا یہ ایک علمی کمربندی کی تعلیم  
 تھی جس کے تحت شے تھے۔ ایک تجربے کا شعبہ تھا دوسرا  
 شعبہ تصنیف و تالیف کا تھا اور تیسرا شعبہ شہید کی فاض  
 کے ماتحت غلیات کے عملی مشاہدے کیے جاتے تھے اور اس  
 مقصد کے لیے ایک شاہکار مامور تھا۔ قلم کی کمی تھی۔  
 دارالافتاء کے ساتھ ایک بڑا کتب خانہ تھا۔  
 بیت الفت میں جو فلسفہ فخر کی کتابوں کو عربی میں  
 ترجمہ کر رہے تھے۔ ابن سینا سے ہے مشہور مترجم  
 جنہیں ابن اسحاق تھا۔ وہ اگرچہ بیت الفت سے سب سے  
 آخر میں داخل ہوا مگر اسے علم و فضل کی بدولت مہر سے  
 مترجموں سے بہتتے گئے۔ اس نے یونانی عالموں کی  
 بہت سی معیاری کتب کو عربی کے قلاب میں ڈالا۔  
 اس نے قزے سے زیادہ کتابوں کے مترجم کیے جس

جانب مسجد کی قریب ایک قہر تھا جس میں کچھ شہر  
 بخود اردوی اور شامی دونوں کا ذکر ہے تھا۔ ایک شاعر  
 نے ایک شعر عیاں میں اس کی دونوں اساتذوں کے نام علم  
 ہوئے تھے۔ شعر میں عیادہ کی بھی موجود ہے۔ شعر میں  
 کیے گئے۔ "شعر میں عیادہ اور سامان کے الفاظ صرف  
 معلوم نہیں ہیں۔ یہ مکمل تو تھا کہ شہر میں دونوں کے نام  
 علم ہوئے اور اس کے بارے میں معلوم نہیں ہے۔  
 "یہ کیسے ممکن ہے؟" اس شاعر نے سمجھا کر کہا۔  
 اس طرح ممکن ہے کہ "اوراٹا" کے مہر عیادہ کی چندوں  
 کے تال کے بعد یہ شعر مولود کیا  
 زبانون سے گئے کہ دربار میں اس نام سے عیادہ  
 کوئی حکما کے غور سے کیا کر سکیں؟  
 (مرسلہ ریاضیہ برت۔ حسن ابدا)

سے ملانے اہل بغداد نے فاکوہہ حاصل کیے۔ ابو  
 نصر فارابی بھی اس سے فاکوہہ اٹھانے والوں میں شامل  
 ہے۔  
 عہد عباسیہ کا ایک نامور مسندال یعقوب کنوی تھا  
 جو مصر سے پیدا ہوا اس کا باپ اگرچہ بغدادی اموی تھا  
 اور حکومت میں اپنے راجہ پر کاغذ پر لکھیں یعقوب کنوی  
 نے کوئی سیاسی منصب پسند نہیں کیا بلکہ وہ صرف عالم کی  
 حیثیت سے دربار خلافت سے منسلک رہا۔  
 یعقوب کنوی ایک بہر کفایت کا تھا اس لیے  
 اس کی تحقیق کا دائرہ بہت وسیع تھا اور ریاضی، طبیعیات،  
 فلسفہ، ہیئت، طب اور غیر انہی جیسے علوم پر اس نے اپنی پائے  
 کی کتابیں لکھیں۔  
 ابو نصر فارابی نے اس کی کتابوں سے استفادہ کیا اور  
 اس کی بصیرت میں بہت کچھ سمجھا (البتہ اسے اس کی  
 شاگردی کا کامزاد حاصل نہ ہوا۔  
 ابو نصر فارابی اب کہاں سے کتب پر اپنی کتاب کا کاسے  
 محمد بن دکر بارزی کا خیال آیا کہ وہ اس کی شہر میں پیدا ہوا  
 تھا جس کو فارابی نے چھوڑ کر رہا تھا۔ اس نے زیادہ اہم  
 کی بات یہ تھی کہ جس وقت فارابی اس سے ملے نہ سکا۔  
 وہاں موجود تھا اور فارابی اس سے ملے نہ سکا۔  
 یہی سوجنا وہ عراق میں داخل ہو گیا۔ حراں اس  
 وقت کی علمی مکتبون کا مرکز بنا ہوا تھا۔ یہاں اس نے مختلف

اساتذہ سے فلسفہ و منطق کے بعض اسباق پڑھے۔  
 اس کے اساتذہ بہادر نے پڑھنے سے پوچھا کہ اے  
 اس کی مضبوط طبیعت نے اسے حرائے میں زیادہ وزن  
 نہیں دے دیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا جانے۔ وہ کسی ایسے  
 سرپرست کی تلاش میں تھا جس کی چمکاس میں چبھ کر اپنے  
 نظریات کو ظالموں کے دھوکے پر کر رکھ سکے۔ اب وہ بڑھا ہوا گیا  
 قاضی اور سونے کی قمار کدو کی طرح شہر در شہر کھوجتا رہا تو  
 اس کے خیالات وہاں تک نہیں ہوجائیں گے۔ اس سے پہلے  
 کہ اس کی آنکھیں بند ہوں وہ اپنا کمال کا آنے والی اسلوں  
 کے چہرہ پر کرے۔ اس نے اس سرپرست کا کمال کیا۔  
 اس وقت شمال مغربی عراق کا حکمران سیف الدولہ  
 تھا۔ اس کا پای تخت "حلب" تھا۔ سیف الدولہ علم و فنون  
 سے محبت کرتا تھا اور ایک ایک سو فی صد قاضی و جرائد کی۔ البصر  
 کے دور میں شفا کی ایک بڑی تعداد میں جودرائی کی۔ البصر  
 کو دولت کا لالچ نہیں تھا۔ ایک سو فی صد قاضی و جرائد کی۔ البصر  
 نے زندگی گزارنے کا سوچ لیا جانے۔ وہ دھرم کے اسفوت سے  
 پورے ہوں اور وہ دنیا کی طرف سے آنکھیں بند کر کے  
 تعقیف و تالیف میں مشغول ہو جائے۔ وہ اس آرزو کا  
 مسکول ہے شام تک کیا۔  
 ایک دن ایک بیٹا وضع کا شخص ترکی لباس پہنے  
 سیف الدولہ کے دربار میں داخل ہوا اور بادشاہ کے سامنے  
 جا کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے ہمہ گیر ترکی لباس تھا جس پر  
 عجیب سی روشنی تھی۔ سیف الدولہ اس شخص کو دیکھ کر مہربان  
 ہو گیا۔  
 "آپ کھڑے کیوں ہیں۔ بیٹہ جاگیں۔" سیف  
 الدولہ نے کہا۔  
 "میں کیا بیٹہ جاؤں۔" بیٹا نے پوچھا۔  
 "چیتے کے مطابق بادشاہی حیثیت کے مطابق بیٹوں۔"  
 "آپ اپنی حیثیت کا قیام کر کے بیٹہ جاگیں۔"  
 وہ شخص آگے بڑھا اور سیف الدولہ کے تخت تک جا  
 پہنچا اور سیف الدولہ کو اس کے کندھے سے بکڑ کر دایں سے  
 پٹا چاٹا چاٹا کر کے بتا کر خود بیٹھے۔ غائب سے یہ کسی حرکت  
 کا شے کوئی بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ سیف الدولہ کو بھی  
 ہوا کر لڑا۔ اس نے اس شخص کا ہاتھ جھک دیا اور اپنے  
 ایک ظالم سے کسی ثنائیوں میں کہا۔ "اس بیٹے سے  
 میری بے ادبی کی ہے۔"

"آپ رحم تو ہوگی اس کا سراسر اس کے حق سے جدا  
 کر دوں؟"  
 "نہیں ابھی اس کی ضرورت نہیں۔ میں اس سے چند  
 سوالات کروں گا اگر یہ درست جواب دے سکے گا تو پھر میں  
 اس کے تداریک میں اس سے سزا دوں گا۔"  
 وہ شخص اس ثنائیوں زبان کو ڈرا دیکھ گیا اور بادشاہ  
 سے مخاطب ہوا۔  
 "اے بادشاہ میرا کچھ سزا دینے میں جلدی نہ کر  
 جب کہ مجھے چاہتا تھا کہ نہیں۔"  
 "کیا تم اس زبان کو چاہتے ہو جس میں زبان میں، میں  
 نے بات کی ہے؟" سیف الدولہ نے حیرانی سے پوچھا۔  
 "میں سراسر زیادہ زبان میں چاہتا ہوں۔"  
 "اس کے باوجود میرے دو بار کے فضلہ نقد سے  
 سوالات ضرور کریں گے تاکہ میرے تمام کام میں ہو۔"  
 "میں حاضر ہوں۔"  
 سیف الدولہ نے اشارہ کیا اور دو بار ہوا ہوا فضلہ  
 سے اس سے بہت سے علمی سوالات کیے۔ ہر سوال ایک  
 ایک علم سے متعلق نکلتا تھا۔ اس نے ہر سوال کا مدلی جواب  
 دے کر بات کیا کہ وہ بہت سے علم پر مہادی ہے۔  
 "آپ بہت سے علم کے عالم ہو۔" سیف الدولہ  
 نے کہا۔ "آپ اپنا تعارف کرائیے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ  
 وہ ہیں ہیں جو نظر آ رہے ہیں۔"  
 "میرا نام ناصر الغداری ہے۔"  
 "آپ کا نام میرے لیے ایسی نہیں۔"  
 "میری صورت بہت سوچ کو دور کھینچتی ہے۔"  
 "اب فرمائیے کیسے آتا ہوں۔"  
 "میں نے سنا ہے آپ علم والوں کی قدر کرتے ہیں  
 اس لیے میں بغداد سے ہجرت کر کے آپ کے پاس آ گیا  
 ہوں۔ میں بے سوسمان ہوں۔ مجھے کسی قسم کی دولت  
 درکار نہیں۔ میں تو جس میں چاہتا ہوں کہ میں نے جو کچھ سکھا  
 ہے اس کو عام کر دوں۔"  
 "میں آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ بغداد کی رونق  
 میرے دربار میں آگئی ہے اس سے بڑی بات کیا ہو سکتی  
 ہے۔ آپ میرے مہمان ہیں۔ میں آپ کی کیا خدمت کر  
 سکھا ہوں۔ آپ خرے سے آ رہے ہیں۔ مجھ سے تبادلہ فرمائیں اس  
 کے بعد میں بھی اس کی۔"  
 "مجھے کچھ کھانے کی حاجت نہیں البتہ اگر آپ مجھے

ایک میز پیش فرمائیں تو میری شکایت دور ہو جائے۔"  
 سیف الدولہ نے اپنے دو بار کے بہترین سفینوں کا  
 ٹائلڈ طلب کیا۔ وہ تیار کرتے تھے۔ لیکن الغداری  
 کو اس کی سزا نہ دیا۔  
 الغداری نے اپنی جیب سے کڑی کا عجیب و غریب  
 ساز نکالا اور اسے شروع کیا۔ اس نے اس ساز پر اپنا فقیر  
 چمکڑا سیف الدولہ اور اس کے درباری کو سحرور کر دیا۔  
 جب وہ غریب ایک طرح اپنا ساز بجا چکا تو اس نے  
 اس ساز کی کڑیوں کو ادا دل گیا اور اس ساز سے کڑیوں  
 موسیقی بھری۔ اس کے لیے موسیقی کی بے نیکی کی کڑیوں کا  
 ہر فرد جھٹکے۔ ہر شخص اپنی اپنی پر کا پانے کی کوشش کرنے  
 لگا لیکن وہ کام نہ پایا۔ یہاں تک کہ سب کے سب جھٹکے جھٹکے  
 زمین پر گرنے لگے۔  
 الغداری کو ان پر رحم آ گیا کہ یہ کیا۔ اس نے اس ساز  
 کی کڑیوں کو کچھ ایک مرتبہ ایک اور ترتیب سے جوڑا اور بھانا  
 شروع کیا۔ اب اس ساز سے ایک ایسا المیہ نکلنے لگا کہ  
 جس کے تمام لوگ ذرا غلط طور پر لگے۔ اس کے بعد اس  
 کی ساز کو ایک ایسی ترتیب سے جوڑا اور بھانا شروع کیا  
 کہ جس کے تمام لوگوں پر غمزدگی طاری ہونے لگی۔ ذرا بہت  
 آئی کہ سیف الدولہ نے آگے بڑھ کر الغداری کو دھوکہ دیا۔  
 "اے عظیم غلطی ہم نے سنا تو تھا کہ تو موسیقی کی  
 دنیا میں بادشاہ برپا کر دیا ہے لیکن آج دیکھ کر یہ لایا۔"  
 "میرے قاتل، میں نے تو یہ سنا تھا کہ تو موسیقی کی تعلیمات  
 سے اپنا قہر موسیقی روح میں بالیدہ کی پیدا کر رہے ہیں اس لیے  
 روٹی کی قدر ہے۔ میں نے بھی موسیقی کی ایسی کو کھوس  
 کرتے ہوئے اسے اپنا لیکن اس میں جہد ہے پیدا کر دیا۔  
 اس کے بعد اور اتنا کر دیا کہ غلو پر ترتیب دیا۔ اب  
 میں یہ چاہتا ہوں کہ اگر آپ مجھے قربت دیں تو غلو موسیقی پر  
 ایک ایسی کتاب چھوڑ جاؤں جو اسے اپنا نیک نام کرے۔"  
 "میں اس کا پورا موعظہ دیا جائے گا کہ میں تمہارے  
 علم سے ایک اور ناکہ کر دیکھتا ہوں۔"  
 "دیکھو؟"  
 "میرے دربار میں فقیر تھا تمہارا انتظار کر رہا  
 ہے۔"  
 "مجھے انکار نہیں لیکن تعقیف و تالیف کے لیے  
 فرصت درکار ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ میری فقیر کا ڈر تیار دیا  
 مجھ سے میری فرصت نہ دیکھیں گے۔"



اس کے خیال میں مختلف معاشروں کے لوگ مختلف نظریات اور مختلف قسم کے لیے زندگی بسر کرتے ہیں۔

انسانی تاریخ کے افراد کے اجتماع کو مشرقی اور مغربی ریاست تسلیم کرتا ہے اور ان مشرقی ریاستوں کی جدوجہد میں اقسام بیان کرتا ہے۔

☆ جنوبی ریاست کے افراد غیر مہمیاں، طرز زندگی رکھتے ہیں، وہ اعلیٰ ریاستوں کو کواہلیں کی ریاست تسلیم کرتا ہے۔

☆ لکشی ریاستوں میں اطالوی معیار پرست ہوتا ہے۔

☆ چامپا ریاست کے تمام کی وجہ سے ابلیسی ہیں۔

☆ بیکو کیلے کے افراد کا ایسا اجتماع جو ایسی طور پر بہت زیادہ طاقت حاصل کر لیتا ہے، وہ معشرے کے کمزور افراد کی طاقت کی وجہ سے ہوا کے بغیر نکلن ان بن جاتا ہے۔

☆ سامانی اشتر کی قوم: لکشی ریاست کے افراد ایک ہی تھیلے، کھڑکے رکھتے ہیں، ان کے پاسی قوت

☆ تعقیب: ایسے لوگ (سکران) جہنہ کچھ بخود معلوم رکھتے ہیں جن میں ان کی زندگی کا اصل مقصد مل و دولت کا انحصار کرنا ہے۔ وہ اپنے مل و دولت کو بڑھانے اور اپنے غلغلہ کو کم کرنے کے لیے ایسے یا ستوں کے فراوس میں مل و دولت کا انحصار کرتے ہیں۔ ہوتا اور اس کا معنی میرا ہے۔ اسکی یا ستوں کے لوگ اور سکران صرف حصول و دولت کی ہیں۔

☆ جتنی ہوتے ہیں۔

اس نے ایک مثالی اور باست کو دینا یا تنالیہ کے نام سے دیا۔ اس کے جس کرور اور باست کو دینا یا تنالیہ کے نام سے دیا۔

☆ معادہ و ملازمت کے انگریزی میں مولی مٹریٹ کہتے ہیں۔ خالق الہامی نے یہ دیا۔

☆ مصلاح کو "العقد" کے نام سے بھی دیا۔ العقد کے معنی باست اور فراوس کے درمیں بین الاقوامی معاہدہ کا کرنا ہے۔

[illegible]

ہو رہی ہے، اس لیے اس وقت کے لیے یہ بات کہ ہم نے جو کچھ کیا ہے، وہ سب کچھ ہے۔ ہم نے جو کچھ کیا ہے، وہ سب کچھ ہے۔ ہم نے جو کچھ کیا ہے، وہ سب کچھ ہے۔



## شعلہ صفت

عبد اللہ احمد حسن

زندگی آگ کا دریا تھی اور اسے ذوب کیے جاتا تھا۔ یہ مسلسل سعی میں مصروف رہا۔ ہر دروازے پر دستک دینا رہا کہ شاید یہی قسمت کا دروازہ ثابت ہو جائے لوہے کی روڈ تو بے رحم قلم نگری ہے۔ اتنی آسمانی سے کب کسی سے رام ہوئی ہے۔ اسے ناامیدی کے گھپ اندھیوں میں دھکیلا جاتے لگا۔ تب اس کے ایک بعد رہے اسے ایک ایسا مشورہ دیا کہ کامیابی اس کے قدموں تلے کھینچ آئی۔ وہی لوگ جو اس کے سنہ سے بھی دور ہوا گئے تھے۔ اس کے آگے دامن پھیلانے لگے۔

**ایک عالمی شہرت یافتہ استاد اور اسکالر مولانا عبد اللہ احمد حسن**

خلاف برٹش امریکی گواہ تھا۔ اس نے (GI) جی پی او کی (دو لباس جو کرنا پڑے ہیں) گمر پر کالی پلٹ انڈیا کی۔ اس کے چہرے پر ایک پراہ ورم کا سائٹاں تھا جو بائیں آنکھ کے اوپر سے خرد ہو کر نیچے دسے گاں تک آ رہا

آپس پاس جس نعرے کا رہا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو گھبراہٹ سے۔ ایک طرف لیمن ٹیوٹیو جہان تھا۔ جس نے گفتگو کو لپس پینا ہوا تھا کالی راڈ اور سفید پراہ اور گفتگو ختم کر کے کوئی پلٹ یا شال میں بندھی تھی۔ سامنے

ماہنامہ مسرگشت

[39]

فروری 2018ء

میں بیٹھ کر جانے گا۔ دیکھ لول کی ذمہ داری ہے کہ وہ افرو کو انفرادی طور پر دو تمام سہولیت فراہم کرے جو ان کا بنیادی حق ہے۔ دیکھ لول پر یہ ذمہ داری بھی نہ ہوتی ہے کہ وہ ریاست کو اندرونی منتقل اور بیرونی حملوں سے محفوظ رکھے۔ ایسا اس وقت ہی ہو سکتا ہے جب دیکھ لول عوام میں کیساں طور پر مقبول ہو۔ یہ مقبولیت اسے اپنی صلاحیتوں (آگرماس میں چلے) کو سواک عامہ کے لیے استعمال کرنے اور انہیں خوش حال زندگی دے کر دہر کسی بھی بیرونی حملے کی صورت میں اس کے عوام اسے پھوڑا جائے گا۔ اسی لیے افغانی نے کہا تھا دیکھ لول کی ہوتا کہ اس کی حکومت سے عوام کو ہار دے اور معاشی فوائد حاصل ہو سکیں۔

افغانی نے قند شفق میں بے پناہ کارنامے انجام دیے۔ اس کا یہ تمام کام اوسط اور اعلیٰ طبقوں کے نظریات سے باخود ہے۔ اس نے ان فلاسفے کے نظریات کی تشریح کی اور انہیں عام کیا اور وہاں جہاں اختلاف کر سکتا تھا اختلاف کیا اسی لیے اسے ”معلم عالی“ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

اس کے سبب کارنامے اپنی جگہ لیکن اس کی اصل عظمت اس میں ہے کہ اس نے اوسط اور اعلیٰ طبقوں کے نظریات کو اسلامی فہم پر جمع کر کے پیش کیا۔ معلم لول اوسط اور اعلیٰ طبقوں کی اپنی غیر افغانی افغانی کے فلسفہ و منطق سے اس کے بعد آئے والے فلاسفہ پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ ان میں خاص طور پر پولی سٹا، ابن رشد، ابن خلدون، جلال الدین رومی اور امام غزالی جیسے مفکرین متاثر ہوئے۔ واصل افغانی اسلامی فلسفہ کو پختہ کر دیا تھا۔

اس کی ہر اسی سال سے تیار کردہ جلیبی دہر خود تھا تھا نہ اس کے گھر سے بار بار آتی تھی۔ ایک مرتبہ وہ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ دہر میں روانہ ہوا۔ سب کی سب کی دوستوں سے ملاقات کا یہاں تک کی تھی۔ شب درود چرائی کی یادوں اور موجودہ حالات کے موازنے میں گزارنے لگے۔ خوب تفکیریں کیں، بے یقینی اور کب شب میں کی دن گنت گئے۔ پھر اس نے رشتہ خیز باغچا گھوڑے تیار کر کے لئے۔ اس نے اور اس کے ساتھیوں نے اہل وطن کو خدا

**ماخذات:**  
ابو نصر افغانی۔ ملک اشفاق  
نامور مسلم سائنس دان، محمد عسکری

فروری 2018ء

[38]

ماہنامہ مسرگشت









”اور کیا تم نے عقل آراہم کیا تو تم کو یہ ہے کہانی کا ایک ٹیک  
ہو جاؤ اور چلے جھرنے لگو۔“  
”اور اپنی دوزخیں اور مشقیں کب سے شروع کر سکتا  
ہوں؟“  
”بہر حال میں تم سے کچھ چھپانا نہیں چاہتا۔ مجھے انوس

کھل ہو گیا۔ بیٹی کا نام انہوں نے فہین لیا رکھا۔

اڑا رہا۔ اس کا کہنا تھا کہ اس کا موضوع بنیادی طور پر مارشل

444





[illegible]

کے ردِ عمل سے واقع ہوئی تھی۔

**قرآن مجید کا پہلا سندھی ترجمہ**

بھی بروسی کی کے ساتھ ہی چھ گیا۔ جس رہتا ہے کہ میں چاہتا ہوں ہم نے جو ہم اندر جانے کے لیے تشکیل دی ہے تر بھی اس کا حصہ بنا جاؤ۔ یہ دوسری کوشش ہے اس سے پہلے ایک کوشش کا کام ہو چکی ہے۔ ہائی کٹی سے منع کر دیتا ہے۔ تو یوں ہائی کی بہن (جینی ٹک لہ) اور چھوٹے بھائی کو انوکھ کر لیتے ہے۔ ہائی مجبور ہو جاتا ہے اور اس چادر کٹی نیم کا حصہ بن جاتا ہے جن میں سے ایک بروسی کی ابتدائی لٹوں کا ساتھی محسوس تین اور دوسرا محسوس یوان تھا۔ یہ اس بگڑا کی طرف جاتے ہیں۔ اس کی شوٹنگ کے نئے جنونی کور یا میں موجود ایک گھڑی کے بگڑا کا انتخاب کیا گیا۔ بگڑا کے نیچے داخل دروازے کے سامنے دس کمرانے کے بلیک ٹیلٹ ماہر پہرہ دیتے ہیں۔ ان سے نصت کر اندر داخل ہوں تو ہر منزل پر ایک سے بڑھ کر ایک خطرناک پہرہ دار سے ٹکراؤ ہوگا۔ نیچے کے دروازے پر دہروں کو ذکر یہ پہلی منزل پر پہنچتے ہیں جہاں ان کا ٹکراؤ پاسکل (ڈان انوساٹو) سے ہوتا ہے جو وہ گھڑی اور نرس چوکا ماہر ہے۔ وہ ہائی کے ہاتھوں مارا جاتا ہے۔ اگلی منزل پر کورین ہیپ کیفو کے ماہر جی جانے سے مقابلہ ہوتا ہے اس لڑائی کے دوران جین یوان کو پر چلا جاتا ہے جہاں سے اس کی لاش نیچے آ کر گر جاتی ہے۔ پھر تین تین اوپر جاتا ہے وہاں اس کا مقابلہ حکیم (کریم عبداللہ) سے ہوتا ہے۔ جب تک ہائی جی یوان کو ختم کرتا ہے وہاں حکیم جس کو ختم کر دیتا ہے۔ اب ہائی کو پر جاتا ہے تو سات فٹ دو انچ کے دھن کو کچھ کر جمران رو جاتا ہے۔ ان کا مقابلہ شروع ہوتا ہے اور ایک سخت مقابلے کے بعد ہائی حکیم کو بھی قتل کر دیتا ہے۔ اس کے بعد ہائی گھڑی سے ہیر بات کرتا ہے اور نیچے اتر جاتا ہے۔

اس سے اوپر کی شوٹنگ نہیں ہوئی اور بروسی نیچے اپنے شاگرد اور نائب تکی بگڑا کو بھی ایک منزل کے پہرے دار کا کردار دیا تھا جس کی شوٹنگ نہیں ہو سکی تھی۔ اس کے بعد کہانی کیا تھی وہ منجے آج تک نہیں مل سکے۔ چند صفحات اور شوٹنگ میں جو کچھ ملا وہ اتنا ہی تھا۔ اس میں بروسی نے کوئی مخصوص لباس پہننے کے بجائے پیلاہ یون ہیر ٹریک سوٹ پہنا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسے مختلف ٹون کے ماہرین سے مقابلہ کرنا ہے تو اس نے اپنے قتلے کا عملی مظاہرہ کیا ہے کہ ہزار انسان وہ ہے جو کوئی انسان نہیں ہے۔ اس میں بڑے مقابلوں کے دوران بھی وہ یوں رہتا ہے اور اپنے اسٹائل جیت کو ٹوڑ کے اصول بتاتا رہتا ہے۔

اصل کہانی نہ سننے کی وجہ سے انہوں نے فلم کی کہانی

تہہ نہ کر دی اور ایک نئی کہانی اور کچھ نئے اداکاروں کے ساتھ اس فلم کو مکمل کیا۔ حالانکہ بروسی نے تقریباً سو منٹ کی فلم بنا چکا تھا مگر نئی کہانی کے مطابق اس میں سے بشکل پندرہ منٹ کی اصل فلم استعمال کی گئی۔ پوری شوٹنگ میں دو اداکاروں کم تالی چرنگ اور یوان بناؤ سے کام لیا گیا جو ٹھوڑا بہت بروسی سے ملتے تھے ان کے علاوہ کچھ نئے طر بروسی کی پرانی فلموں سے لیے گئے ہیں۔ ایک جگہ وہ انہوں نے بروسی کا چہرہ گتے پر کا کر کام چٹا یون نیم آؤف ڈیو۔ تھ حمل ہوئی مگر یہ فلم کچھ کی کچھ تین کر تیار ہوئی۔

نئی کہانی یہ بتائی گئی کہ بی لوائیک کا سبب اداکار اور مارشل آرٹسٹ ہوتا ہے اسے ایک مجرموں کو ٹوٹا اسے لیے استعمال کرنا چاہتا ہے اس کے انکار پر پاس اس کے قتل کا حکم دے دیتا ہے۔ شوٹنگ کے دوران ایک منظر میں اس پر کچھ ڈک کو بلین چلاتے ہیں ان میں مجرموں کا مقررہ قتل کشش ہو جاتا ہے اور بی کی جگہ اصل کو بی چن کر فرار ہو جاتا ہے۔ کو بی کے چہرے پر کٹی ہے وہ بچ جاتا ہے مگر پلاننگ سرجری کی ضرورت پڑتی ہے۔ دو اپنی موت کی جھولی خبر پھیلا دیتا ہے۔ (اس موقع پر بروسی کی اصل تاجرت اور بچک کا ٹیک کی سڑکوں اور لوگوں کا حال دکھایا گیا ہے)۔ پلاننگ سرجری کے بعد وہ انتقام لینے لگتا ہے۔ کی مختلف واقعات کے بعد یوں کے ٹکڑوں کی بھیر کو اٹھایا جاتا ہے۔ جیسے بھانے کی ڈاٹا ہے۔ اب یہاں وہ مناظر جو بروسی نے بگڑا میں فرمائے تھے استعمال کیے گئے ہیں۔ مگر بگڑا کے بجائے یوں کی ملکیت وٹھ پر یہ دستورال دکھایا گیا ہے جس کی منزلوں پر مختلف لوگوں سے لڑتے ہوئے وہ بالآخر پاس تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ فلم 1978 میں تیار ہو کر نمائش کے لیے چین کی گئی تھی۔

بروسی کی موت کے کچیس سال بعد اس کے کاغذات نکالے گئے جو ترحیمز اور طر پر اس فلم کی کہانی اور منظر نامے کے کچھ حصے برآمد ہو گئے۔ مگر اب اتنے سال تک توجہ نہ دینے سے ہائی فلم جو شمال نہیں ہوئی کسی خاص تھی۔ مگر وہ منجے والوں نے جیت نہ ہادی اور پھر وہ بھی مل گئی یوں کچیس سال بعد پتا چلا کہ بروسی کی کیا بنا رہا تھا کہ چرانتھم کام اب بھی کچھ پتا نہیں کر کیا تھا۔

بروسی نے فنون حرب اور قتلے پر قریب پینتھ کتابیں بھی لکھی ہیں۔ ان کے علاوہ وہ شاعر بھی تھا۔ مگر اس نے بھی اپنی شاعری کو جمع کر کے شائع نہیں کیا۔ اس کی موت کے بعد اس کی بیوی ہانڈلی نے اس کام کا کپڑا اٹھایا اور مختلف کاغذات پر لکھی اس کی شاعری اور اس کے توال کو جمع کر کے شائع

Pakistanipoint

Waqar  
Fazem

شہزادہ

ڈاکٹر وقیل قاسم شاہ

قلب کا دلی ایسا فن ہے جس کے بڑا رہا پشوی ہیں۔  
اچھے قلبیکن کی تعریف بھی یہ کہ وہ ہر ذمہ والی کو  
تصویر کے سعدی کا امیر کہیں۔ زیر قلم فسون ساز تھیں  
ہ۔ امضی قریب کے کراچی کی پشور پر تھیں امین افشار  
سے کہ اس پر انسان کا گمان پو پو لاری پڑھتا ہی چلا  
جانے۔

ان مقامات کا تذکرہ جاسی فی زمین دل کے

اس شام میں فریئر ایس میں پم کے روضوں میں  
کمری اپنی چند عروغ پہنچا تھا۔ فریئر ایس کا یہ تھا گوش  
تھے بیٹھ ہمارا ملک۔ بھی طالب ملی سے دور میں جب نیکوش  
آقا تھا تو پڑھائی کے بعد اس کی پڑا کرینے جایا کرتا اور فریئر  
ہاں میں آئے ہوئے کرکٹن جڑوں اور پارک پر روضوں کو  
دیکھتا رہتا۔ شمع دہلیا ہوا ہے یہاں سے بچے پھولوں  
کے آس پاس گلے ہوئے ہر شے ہی بکھرتے۔ میں سوچتا کہ  
دنیا بھر میں سارے بچے ایک سے ہوتے ہیں۔ لمبا دلی

- 1۔ اگر کل میں سر جاؤں تو بھی مجھے کوئی ہنس نہیں  
ہوگا، کیونکہ جو میں کرتا ہوتا تھا میں نے کر لیا ہے تم زندگی سے  
اس سے زیادہ کیا توقع کر سکتے ہو۔
- 2۔ نہیں پانی کی طرح ہونا چاہیے جس کا کوئی رنگ اور  
فصل نہیں ہوتی۔ اگر تم پانی کو پ میں ڈالو وہ کب بٹا جائے  
گا، اگر تم پانی کو پ میں ڈالو وہ پڑس بن جائے گا، اگر تم پانی  
کو کھٹی میں ڈالو گے تو وہ کھٹی بن جائے گا۔ پانی کی کچھ بھی سکا  
ہے اور دھماکے سے پھٹ بھی سکا ہے۔ پانی کی طرح ہونا چاہو  
میرے دوست۔
- 3۔ مجھے اس آدمی کا ذہنیں جوں پر لڑا تو میں کی ایک  
ایک بار مشق کرے۔ جبکہ اس کا ذہر ہے جو ایک لاکھ کی دس  
ہزار بار مشق کرے۔
- 4۔ صرف جانا کافی نہیں، ہمیں مل کر کرنا چاہیے۔  
صرف خواہش کرنا کافی نہیں، ہمیں کوشش کرنا چاہیے۔
- 5۔ ہر ایک آدمی کی کیفیت کا ہم سے مل کر نہیں ہوتا  
جب تک وہ ہر ایک کی حقیقت کے طور پر تسلیم نہ کرے۔
- 6۔ آسان زندگی کے لیے زمانہ نہ کرو، دوا کرو تو صحت  
اور طاقت کے لیے جس سے زندگی کی شکلیں پیدا ہو کر سکو۔
- 7۔ غلطیاں قابل معافی ہیں اگر کوئی انہیں تسلیم کرنے  
کی استعداد رکھتا ہو۔
- 8۔ نہ بھٹا زیادہ چیزوں کو ایستہ دیں گے اتنی بھائی  
ابھی تم کو کر رہے۔
- 9۔ اگر آپ زندگی سے پیار کرتے ہو تو وقت ضائع  
مست کرو تو زندگی وقت پہنچے۔
- 10۔ ایک کامیاب منجھو وہ عام آدمی ہوتا ہے جس کا  
ارادہ مضبوط ہو۔
- 11۔ سیکھنا اس حرکت ہے جس کا زندگی آقا ہے نہ  
انجام۔
- 12۔ ایک غمناک آدمی کی بے خوفی کے بچھے میں  
سولے سے اس سے زیادہ دیکھ سکتا ہے۔ بھلا ایک بے خوف ایک  
خوف کے جواب سے کتنی بیدار ہوگا۔
- 13۔ دوسروں پر تھکر کر کے انہیں غمناک آسان ہے  
پسند ہے کہ خود کو سامنے میں ہوئی زندگی کی رو پال ہے۔
- 14۔ زندگی آپ کا استاد ہے آپ اس کی سیکھ سکتے ہیں۔
- 15۔ میں نہیں جانتا کہ میں رہا ہوں نہ کہ میں رہا ہوں نہ کہ میں  
ہوں کہ تم خود کو رو پال پالت کر سکو۔









ماہنامہ سحر گزشتہ

میں مکمل ہوئی۔ پہلا سبق طالبات نے یکم اپریل 1925ء میں شروع کیا گیا یکم اپریل 2018ء میں ایک صدی پورا ہونے کا جشن منایا جائے گا۔ اس کے برابر میں والی ایم سی کے زیر انتظام خواتین کے ہوسٹل کے احاطے تاریکی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ YMCA کی بنیاد 1876ء میں امریکی مکتبی تھی پھر کیریگی میں بھی اس کی شاخ قائم ہوئی۔ قیام پاکستان سے قبل یہ تینش کا ہوسٹل اب والی ایم سی انڈیا، برما، سیلون کے ذریعے تھی۔ 1956ء میں یہ خود مختار بنا دی گئی۔ خواتین کے لیے بنائے گئے ہاسٹل ایکلی عورت کے ضمیر نے کے لیے بہترین قرار دیا جاتا ہے مگر اس وقت اس کے کپڑوں میں کئی درختوں کی شاخوں پر چاندنی سولی پڑی تھی۔ صرف یہی نہیں، دن بھر کا جاکتا ہوا بند روڈ بھی سکوت میں ڈوبا ہوا تھا۔ بھی کسی کوئی گاڑی سن سے گزر جاتی تو چند لمحوں کے لیے خاموشی میں ارتعاش پیدا ہوتا ہے۔

دور تک سنا ہے اور اسٹریٹ لائٹس کی روشنی میں بند روڈ بھی سکوت میں ڈوبا ہوا ہے۔

اسٹریٹ لائٹس کی روشنی میں بند روڈ کے پتوں پر ٹرام کی پٹریاں دور تک چمکنے لگی ہیں۔ بھی کوئی بھی وہاں سے گزرتی تو گھوڑے کی ٹاپوں سے چورا روڈ کو جینے لگتا تھا۔ بند روڈ کے اس طرف مارشمن روڈ پر لیکن اب تک چہل پہل نظر آ رہی ہے۔

کوئٹہ لال چن کباب ہاؤس کے بڑے سے توڑے پر سے ایک تال کے ساتھ کٹا کٹ کی آواز گونج کر اس بات کا اعلان کر رہی تھی کہ ابھی رات کے اس وقت بھی لوگوں کو بھوک لگ سکتی ہے اور وہ کٹا کٹ کھانے آ سکتے ہیں۔ دیپے بھی رویا والی کا یہ کباب ہاؤس شہر کے اولین کٹا کٹ میں شمار ہوتا تھا۔ کٹا کٹ والے کے برابر میں دودھ والے کی دکان پر بھی روٹی تھی۔ بڑے سے کڑا ہے میں دودھ گرم ہو رہا تھا۔ ایک طرف کی پینٹلی جارہی تھی۔ لوگ کسی پتی کروں بھر کی گری بھاگ رہے تھے پکڑو جوان کسی پتی کر جان بھاگ رہے تھے۔

ادھر جو ملی کوادرو اور ملاوہ کوادرو کی گلیاں خاموشی میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ ان کے فٹنس کے کین گہری نیلے کے جڑے سے لڑ رہے تھے۔ بس اسی کھوے میں روٹی نظر آ رہی تھی۔ رویا، سنیما، امروہ سنیما اور بھران کے ہانگل سامنے قیصر سنیما کے برقی قلعے روشن تھے۔ گوان میں سے آدھے بجھا دیے گئے تھے، پھر بھی اتنی روشنی ضرور تھی کہ ان سنیماؤں

میں بیٹنے والی فلموں کے رنگین پوسٹرز اور بڑی بڑی تصاویر صاف نظر آئیں۔ ان کو دیکھ کر قسم کے متعلق تو عداوت نہیں لگانا جاسکتا البتہ ہیر و نکوں کے چہرے دیکھ کر دل خوش کر جاسکتا تھا۔ یہ علاقہ اب تک یوں بھی جاگ رہا تھا کہ ابھی ان سنیما گھروں میں فلم کے آخری شو چل رہے ہیں جواب کچھ ہی دیر میں ختم ہونے والے ہیں۔

مارشمن روڈ کے اسٹریٹس پر گڈرین سنیما کے پاس بھی کچھ روشنی نظر آ رہی ہے۔ گڈرین سنیما کافی پرانا سنیما گھر ہے۔ تقسیم سے پہلے انگریزوں کے زمانے میں تعمیر ہوا ہے۔ اس میں انکسٹ فلیٹس اور دیسی فلیٹس دونوں ہی تھیں رہتی تھیں لیکن یہ ہالی وڈ کی فلموں کے لیے زیادہ مشہور تھا۔ اس کے عین سامنے محمد علی نرماوے کا دفتر اور ڈپو تھا۔ دن بھر شہر میں بیٹنے والی ٹرامیں رات کو اسی ڈپو میں پارک کر دی جاتی تھیں۔ گڈرین کے سامنے ہی ذرا ادھر کو جو چھوٹی سڑک پلازہ سنیما کی طرف جارہی تھی اس کے کونے پر ایرانی ہوٹل تقریباً بنایا ہوا تھا۔

قیصر سنیما کا شمار ناول سے سنیما گھروں میں ہوتا تھا۔ یہ اتنا بڑا اور مقبول نہیں تھا۔ امروہ آزادی کے فوراً بعد قیصر ہوا ہے۔ اس کا افتتاح محمد قاسم جناح کے وسیع مبارک سے ہوا تھا اور اس میں پہلی فلم انگریزی کی ”ہائل“ تھی انکس پڑ رہی تھی۔ ہائل میں ولیب کمار اور ترنس نے کام کیا تھا اور اس کے گانے بے حد مقبول ہوئے تھے۔ تقسیم کے بعد سب سے پہلا سنیما جو تعمیر ہوا تھا وہ جولی سنیما ہے جو ہائرس اسٹریٹ پر واقع ہے۔ شاید اسی سنیما کی وجہ سے سامنے والے فلیٹس جولی کوادرو کے نام سے مشہور ہو گئے تھے بلکہ یہ پورا علاقہ اسی نام سے مشہور تھا جولی سنیما کا بلند و بالا تاور کافی دور سے نظر آتا تھا۔

رویالی سنیما نہایت نیا تھا۔ اس کی مشینری بھی کافی جدید تھی۔ اس کی وجہ شہرت اس کا پردہ تھا۔ عموماً سنیما گھروں میں اسکرین کے اوپر کپڑوں کے جو پردے لٹکے ہوتے ہیں وہ دائیں بائیں کھلتے ہیں لیکن رویالی کا پردہ اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر کھلتا بند ہوتا تھا۔ یہ لوگوں کے لیے ایک نئی چیز تھی۔ ویسے بھی مشینری اور عمارت نئی تھی تو یہ بھی لوگوں کی توجہ کا باعث تھا مگر اس کے ساتھ ابھی فلموں کا یہاں ٹرانس کے لیے جیس ہونا بھی اس کی مقبولیت کا سبب تھا۔

فلم کا آخری شو ختم ہونے ہی والا تھا، اس لیے ان سنیما گھروں کے آس پاس بکیاں، سواروں کے انتظار میں

[illegible][illegible][illegible]

تروٹی پیچہ پر ایک چھوٹی سی جگہ جس نے ہمارے  
ہندوستان میں عزم کا دی گئی۔ اس نے ہمارے کش  
میں کام کیا۔ اس کے علاوہ اس نے اپنے جتن بھی  
ادارہ کے ساتھ "پاپا" میں کام کر کے اپنی صلاح اور  
خود بخود ہی بات کر گئی کہ اس کو پیچہ سے "سرساگر"  
کہا جائے گا۔ اس کا انتقال ایک ہوائی حادثے میں  
ہوا تھا۔ اس وقت وہ صرف 14 برس کی تھی۔ یہ حادثہ  
2012ء میں ہوا تھا۔ اسی سے اس کی پیدائش کے سال کا  
اتھارہ لکھیں۔

☆ ☆ ☆  
سید کاؤر ایک خوب صورت لڑکی جو امریکہ  
پلائی گئی۔ 5 مئی 1988ء کو امریکا میں پیدا ہوئے والی  
ایک لڑکی جس نے سات سال کی عمر میں چھڑاؤ اور دلہن  
رہنا کار بن لیا۔ اس کو کچھ دن ہی سے نکاح بننے کا شوق تھا۔  
وہ غصا میں اڑے ہوئے چھڑاؤ کو بہت شوق سے دیکھا  
کرتی۔ اس نے شوگر کے پتے بننے کی کوشش کی۔  
ایک چھڑاؤ اسے بونے جانے کا حکم دیا تو کہہ چلی۔  
1996ء میں اس نے چھڑاؤ 1988ء اور موت کا سال  
1996ء میں اس کی زندگی کا پہلا اور ساتھی کی سات  
سال کی عمر میں اس نے چھڑاؤ اور امریکا میں عمری کی  
جانے کا حکم دیا تو کہہ چلی۔ اس نے چھڑاؤ  
بھی زندگی کی ابتدا ہی کی۔ اس لیے اس کی زندگی کے  
واقعات بہت ہیں۔ جس میں چھڑاؤ کی موت ہوئی ہے  
وہ عمر کماتے ہوئے لے چلی گئی۔

☆ ☆ ☆  
جیا خان، ایک خوب قسمت، دلچسپی اور سرخ  
دودا کا رہ۔ اس کی پیدائش 20 فروری 1988ء کو  
خیبر ایجنسی ہونے لگی تھی۔ اس نے لندن میں پروفیشنل  
اس کے بعد اپنی دوزخی فلموں میں کام کیا۔ بھروسہ کی  
لڑائی کی بہت میں گرفتار ہو گئی تھی۔ بھروسہ اس نے  
بہت فلموں میں کام کیا۔ اس کے بارے میں کہا جاتا تھا  
کہ آج کے چل کر اپنی دوزخی میں تھک چکا ہے اس کے  
صوت نے اس کو سہلست بنی۔ دوسری فلم، موت کے  
وقت اس نے صرف بیس سال کی تھی۔ اس کی موت  
2013ء میں ہوئی۔



زویا اعجاز

وہ جدت کا پرستار تھا، روایت سے بغاوت کو اس نے جزو ایمان سمجھ لیا تھا، اس کی سوچ تھی کہ زندگی کے تقاضوں پر پورا اترنے کے لیے پرانی، فرسودہ روایتوں کا جہل کھرجنا ضروری ہے۔ انہوہ میں ایک یونہی بے وقوفی ہے، انفرادیت پر جگہ نمایاں ہو، ہر جگہ الگ سفر گنجے۔ اسی وجہ سے وہ باغی بن گیا تھا۔

### وہ معاشرے سے بنات و کھات کا حامی تھا

وہ تنہا سلاطین سے ہوئے انداز میں کرے کے بارگزا تھا۔ اس کی نیکیوں آنکھوں میں بہت سی الجھنیں اور سوائے نظر آکر ہے تھے۔ اور وہ ان سے بہت محبت کرتا تھا۔ ان کا اس طرح بحث و مباحثہ اس کے لیے کوئی ناخوش کن واقعہ نہ تھا۔ ہر بار وہ پہلے سے

وہ تنہا سلاطین سے ہوئے انداز میں کرے کے بارگزا تھا۔ اس کی نیکیوں آنکھوں میں بہت سی الجھنیں اور سوائے نظر آکر ہے تھے۔ اور وہ ان سے بہت محبت کرتا تھا۔ ان کا اس طرح بحث و مباحثہ اس کے لیے کوئی ناخوش کن واقعہ نہ تھا۔ ہر بار وہ پہلے سے



زیادہ سے جس تک میں اس شہر کے لوگوں کو ٹھلا دوسرے کے ہاتھ رہا۔ ہر روز مجھے اندھے لوگ میری محبت کے لئے تفریق کی چند گھڑیاں بتانے آیا کرتے تھے۔ شہر کے لوگوں کی کئی پینڈ اور کئی تفریق کیا کرتا میرا کام تھا اور اپنے ہم عصروں میں میرا اپنا ایک مقام تھا۔ میں اس شہر کے ان کے زمانے کا رہتی ہوں، میں اس شہر کی تاریخ کا نمبر ہوں۔ میں اس شہر کے ہر پرانے باغی کے ذہن پر نقش ہوں کیونکہ میں ان کے کی سہرے خوابوں کا کسک اس شہر کے باغی کا لفظ نہیں دیکھ ہوں۔ ہاں، میں شاد ہوں۔ شہر کے تکرار کو

اپنے اندر کی آگ بجائے جھانے کے یہاں تک لئے۔ وہ اس طرف کبھی ہے۔ ہم بہت ذرا سخت جان لگا کر اب تک موجود ہے اور مجھے لوگوں کا دل بھلانے اب بھی پتلی تاشا بننے کی جا رہا ہے۔ اپنے اسی دوستی ساڈن سسٹم کے ساتھ کہ جس نے شہر میں مہم چلا دی تھی، یاد ہے، جب انگریزی فلم ایس میڈ میڈ میڈ روٹ کے شروع کے سحر میں وہ بڑے میاں بھٹو کو گولہ گزٹانے کا بتانے کے بعد آخری پگنی لیتے ہیں۔ ان کے پاؤں کی شوگر کے قریب پڑا ہوا ٹیچن کا ڈاکٹر لکھنا ادا ہوا چٹائی پھروں سے نیچے کی طرف لڑھکتے تھا ہے۔ تب کبھی کا ساڈن پور سے والدیم سے کھول دیا جاتا تھا اور شیما ہائی ٹیبلوں سے کوئی اہل تھا۔ لوگ بڑے میاں کے مرجانے پر نہیں اپنے ڈر جانے پر کھائے ہو کر بٹھا کرتے تھے۔

مجھ وہ کبھی تھا کہ کہ جہاں آؤں دوسرے کے ہالی ووڈ فلموں کی فائنل پور کرتی تھی۔ کرکٹ کی ایک اور مشرقی کھیل مشہور دی سکاڈر کوئلہ یاد ہے۔ اس فلم کا فائنل سوئگ اولڈ ٹری پزڈ ٹری پزڈ ہوگا اور پھر اس فلم کے آخری مناظر، وہ لمبی خردلی چٹانوں کے سائوں کا سر کاٹا اور پھر ہڈی ڈر دوسرے کا فائنل ان کا جہاں خزانے کے انار کے ہوئے تھے اور پھر دو دروازوں پر سے کتا ہوا جانا۔ کئی زبردست فلم تھی۔ لیکن یہ اور چیز ہمارے فلموں کی ایک پوری فہرست ہے جنہیں دیکھ کر لوگ اپنی دینی کلاؤں کو چند فلموں کے لیے کسی بھول جاتا کرتے تھے اور پھر ایک فلم دی گڈ ویلے اینڈ دی اگلی، اس فلم کا ایک کراؤنڈ میڈک جو آج بھی فلموں اور ڈراموں کے سسٹم والے مناظر میں جابجا ہوتا ہے۔ کیا یہ

سب بھلا دیا گیا ہے۔ پرس کی بھی بھول گئے۔ کراچی اچھا ہوا بھول گئے۔



والے وقت نے یہ بات ثابت کر دیا کہ اس نے پوری کے ۱۵۱۵ء  
جات و پھرتی پر راز رکھے کے لیے ہی اپنا مہدی بن لیا تھا۔  
دو بہنیں شاعر انسان تھیں۔ علیے ہاتھوں نے پیسے انشتا  
اس کے ہاتھ کا ہاتھ کا مکمل حالے خللوں میں زندگی  
گذرانے کی وجہ سے ہاتھ بال مرض تھا۔ قرض خواہوں کے  
مطالبات جب جیسے جیسے بڑھ جاتے تو کھیتروں سے پیسے وصول  
کرنے کے لیے انہیں جان بیکار دے دو سال ہی عمر میں سرکاری  
پایا اور خدمت کرنی پڑی۔ شاہی سے کس کے ۱۵۱۵ء جات  
23,500 پاؤنڈ تھے لیکن شوہر کے قرضوں کی ادائیگی کے  
بہداشت میں ایک چٹائی کس پایا دے کر سٹ سے اسے  
صرف ڈیڑھ سو پاؤنڈ ملایا۔ نہ منافع ہی نہ دیکھا۔ کھیتروں کی  
انگھوں سے قیمت کی بٹاری تو یہ حقیقت نظر آئی کہ  
جان کا اس سے بھی کمی قیمت نہ تھی۔ وہ ایک جوگہ لائن تھا  
جس کی ساری دولت چھپ گیا تھا۔ ان کے اپنے اطوار میں نہ  
مددگار اور قرض لینے کا سلسلہ بھی شیطان کی آت کی طرح  
چلتا تھا۔

کھیتروں اس آگاہی سے ٹوٹ پھوٹ کر رہ گئے۔ اس کا  
خبردار ڈی ہو گیا اور ڈی کے طور پر دوسرے ہزار بے بس ہو  
گئے۔ قرض خواہوں کے مطالبات جب عد سے بڑھے تو وہ  
شوہر کے ساتھ 1786 میں فرانس جا کر دوڑیں ہوئی فرانسیسی  
سرزمین ان کے دشتے میں کوئی غامبی تبدیلی پیدا نہ کر سکی  
اس واسطے اس بات سے کہ چارن کی پیدائش کی خبر نے اس کی  
حیثیت میں ہلکی سی تبدیلی پیدا کر دی اور شوہر کے براہِ طور  
بھول کر آئے والے زمانہ میں ان کے خیالات میں کمی کر پڑے گی۔  
تھوڑا وقت اور ڈی ان کے بدلے میں پھر سے آئی پائی  
سرزمین کی بڑک پیدا ہو گئی۔ وہ اپنی اولاد کو انگلستان میں  
خیر دریا جاتی تھی۔ اس لیے اس نے شوہر کو بھڑک کر دے دیا  
آد کر دیا۔ چنانچہ بھی وہی مصافحت کے تحت اس کی بات  
لی اور 1787 میں دو دن دایرہ لگے۔

ان کے سال 24 Holles Street  
22 جنوری 1788 کو ان کے گھر ایک بہت مصروف نقاشی اور  
میں کوئی ہی صورت رالے بیچے نہ تھی۔ بہت خوبصورت  
تھا۔ کھیتروں کے دیکھ کر ہال ہو گئے۔ اسے بہت ہی سیر  
لیون جیٹل پڑا جس میں پتھر دے کر چارن گھولن ہاتھوں کا  
آد کر دیا۔

چارن کی پیدائش کے بعد بھی حالات میں کوئی مددگار  
نہ ملا۔ دو سال بعد وہ بیچے کے ساتھ Aberdeenshire

منتقل ہو گئی۔ زندگی بھر کبھی اس کا شکار نہ کیا۔  
کبھی ان کی سے نہ آیا۔ ایک بار چارن اپنی گھڑوں کا قاتل وہ  
گیا۔ اس کا دل وہ گھڑا اور شریعت میں درو سے بچے جان اپنے  
قرض خواہوں کے ہوتے پریشان تھا اور ایک بار بچے کے بعد  
اس نے دو بار ہاتھوں بھٹکے ہوئے کا فیصلہ کر لیا۔

فرانس میں ایک سال گزارنے کے بعد وہ حق میں  
چلا ہو گیا۔ پندرہویں صدی میں یہ ایک مبلغ مرض تھا۔  
معاشر اور میں میں کوئی زندگی سے اسے 1791 میں نہایت  
لی گئی۔ موت کے وقت اس کی عمر صرف پینتیس برس تھی۔  
میر جیوں میں بھی کھیتروں کو شوہر پر کیا اس سے  
لی اذیت اور اس کی سرت اپنی تو وہ ہسٹری کی کیفیت میں چلا  
ہوئی۔ یہ قرض کی لغت ہو جان تا م کرنے کے بعد بھی ہم  
بھلو گئے۔ غم نے میری زندگی پر باری ہو کر دی۔ تم کرنے کے  
بھی کیوں نہیں ہو گئے۔

بلند آواز سے جتنی ہوئی کھیتروں بھول گئی چارن بھی  
بے سبب نہ تھا۔ چارن کا اس وقت اپنی ماں سے شہر سے نفرت  
محسوس ہوئی۔ اس کی خدا کا عقائد تین اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے  
میں ان سے دور چلا گیا تھا اور اب بھی وہ اسے گالیوں دے  
رہی تھی۔ دوسرا ان سے تو ذریعہ تھی۔

چارن کو اپنی ماں سے سوچ لیا کہ اس کی ماں ایک  
انہی موت کا نکل نہیں تھی۔ وہاں سے حریفانہ کرنے لگا۔

چارن اور کھیتروں ایک ہی گھر میں رہتے تھے لیکن کوئی  
انہی اور ایک دوسرے سے بہت دور تھے۔ کھیتروں کو بیچے  
کے طور طریقوں اور خصوصیات میں چارن کی تنہا کھینک دینی  
دیتی۔ وہ اس کی ہٹ دھرم طبیعت سے بھی عاجز تھی۔ چارن  
ایک مشکل پیدا تھا۔ اسے کھیتروں آسان نہیں تھا۔ یہ جسمانی  
تھکن کی وجہ سے وہ چڑچڑ سے پن میں جھار جاتا۔ کھیتروں نے  
فیصلہ کیا کہ وہ اسے اس کے حال پر مجبور دے دیتے۔ کھیتروں نے  
کے ساتھ ساتھ اس کے حوالے میں مددگار بن گئے۔

دوسری جانب چارن کو اپنی ماں کے عجیب و غریب  
الطاف و دیکھ کر بہت غصہ آتا۔ وہ اپنے ہی حوالے کی عورت  
تھی۔ اس کی بہت خوشی ہوئی۔ کھیتروں نے اپنی اور میری  
اس پر عجیب و غریب تیزوری اور ہسٹریائی کیفیت چھڑی ہو  
جاتی۔ اس حالت میں وہ خود کو دیکھنے کی تھکن میں بھی ہوئی  
جانبے کیا ہو جاتی رہتی اور میری چارن کے تھکے۔ جب وہ  
خوشگوار دیکھنے سے ہوئی تو چارن اس کے پاس چلا جاتا اور کھیتروں

میں ہاتھوں سے اپنے باپ کے بارے میں جاننے کی کوششیں  
کرتے لگے۔  
"دوسری کبھی وہ نہیں پڑے۔" کھیتروں نے ایک  
روا سے حقیقت سے آگاہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔  
"کیوں؟" وہ اگر نہیں آتے تو کھیتروں کے پاس بھیج  
دیتے۔

"تم کسی اس کے پاس نہیں جانتے۔ دوسرا کبھی ہے۔"  
"کیوں وہ مجھ سے نہیں پڑا۔" ایسا کہنے لگے تھے۔  
"وہ تیار ہی تو تھا۔ اس نے اپنی بیوی کے بھی کھیل  
کر دی۔ اس نے خود ہی اپنا گانا گایا۔" کھیتروں نے اس  
کے پاس کی عبادت کا حوالہ دیتے ہوئے کہا۔  
چارن اس کے بات کو غور پر سمجھ کر نہ سکا اور اس کے  
ذہن میں ایک اور لٹری کے جگہ پائی کہ اس کے باپ نے اپنا  
گانا گایا تو اس کی ذمہ داری صرف اس کی ماں کی تھی  
جس کے وہ چھپ چھاپا جیسے حوالے تو بہت یہاں تک پہنچا  
دئی۔

کھیتروں سے لیے اب چارن کو کھیتروں اور اس کی  
پرورش کر بہت مشکل ہو گیا تھا۔ اس نے اپنی بیوی کے لیے ایک  
اس کا چڑھ کر کے کو ٹیپوڑا پار کر لیا۔ یہ فیصلہ بھی درست  
نہایت نہ ہوا۔ اس کے خلاف طریقہ پر انہی غارتوں کی وہ  
چارن کی طرف ہائی ہو گئی اور اسے بھی اپنی طرح اخلاقی  
پیشوں کا گناہ لگاتے تھے۔ چارن بھی اس سے اعزاز دیکھ  
نہیں تھا۔ اپنی زندگی میں آئے والے مسائل اور ایسے حالات  
کا گورنمنٹ کا کھسک کر اس نے جو کچھ اپنی کبھی نہ تھا وہ  
گمایا۔ کھیتروں کو کوئی دیکھ دینے کا کوئی بھی سولہ وہاں سے  
جانے ہی نہ دیتا چلتا تھا۔

چارن ہاتھوں کی زندگی کو گراہیوں کے حوالے کرے والا  
دوسرا میں اس کے اپنے ہی خاندان پر تھا۔ لارڈ کے ڈی  
روٹین، کھیتروں کا رشتہ دار تھا اور اس کی بھی وہ اخلاقی پستی کا  
شکار تھا۔ وہاں کی گھر میں اس نے چارن بچپن کا بچپن اور  
معموسہ میں اس کے بچپن کی اسے بے گناہ لڑائی انہیوں میں  
چلا کر دیا۔

چارن کو اپنے گھر میں کرے کی دولت بائبل پند نہ  
تھی لیکن کھیتروں اس کا استقبال خوشی سے کرتی۔ شوہر کے  
دینے کے غریب اور اس کی دولت سے وہ احساس دہائی کا شکار  
تھی اس لیے لارڈ کے سے قسرت کا شہرہ چھیننے کے ساتھ  
کس کی اسے اس بات کا علم تھا کہ اس کی بہن کو بیچے کو مزید

نفرت میں مبتلا کر رہی ہیں۔ وہ بھی کبھی کسی کا چارن اور لارڈ  
ایک دوسرے کو بہت پسند کرتے ہیں۔ اس کا بزم چارن ہی  
تھا۔ اس کے چارن کو بہت محبت سے لیتے ہیں  
ہوئے۔ "منہ امیر سے چارے بنائے گئے ہو؟" یا "کیا میں اور  
کھیتروں کو اپنے گھر پر دیکھ کر لگاؤ؟" وہ کبھی کے کرے میں  
اس کی ایک ایک بات دیکھتا تھا۔

"پتھر" اس شخص کو لڑانگ روم میں بٹھایا کر دیا  
چارن کی نیکسٹوں انگوٹھوں میں لڑکی کی ہاتھ کی  
"کیا نہیں میری بیویاں ان کو نہیں دیکھیں چاہتا؟" لارڈ نے  
ایک بار مجھ پر بتائی۔

چارن نے بیٹے سے فرشتے پر تھوکر اور محبت سے اسے  
گھورتا دیا۔ اس نے چلا لیا۔  
"اس کی بیوی کی میں تم سے معذرت چاہتی ہوں۔ وہ  
بہت بے ہودہ ہو چکا ہے۔ ہر وقت ناک میں دم کی دیکھتا  
ہے۔" کھیتروں نے بہت شہنائی۔

لارڈ کے کرے جانے کے بعد اس نے چارن کو کاؤ سے  
ہاتھ لیا۔ "کھیتروں ہاتھوں سے ہتھوڑے کیڑے نہیں رہی؟"  
"مجھے وہ شخص سخت چاہیے۔"  
"کیوں؟" وہ کبھی بہت چارن کر رہے۔  
"مجھے اس شخص سے گھن آتی ہے۔ اگر کسی موقع قاتلوں میں  
اسے قتل کر دوں گا۔" چارن کے چلانے پر کھیتروں کی ہنسنے میں  
آئی۔ "گھر میں اس کی شراب نوشی بھی اپنا گناہ جمانے لگی۔  
"تم کھیتروں سے بہت دور چلائے۔ اسے باپ کی طرح خوش  
وہ نہیں بھی کھیتروں کی تو نہیں۔"  
"میں گھر میں کھیتروں میں ہوں۔ میں ان کے شیطان ہوں۔  
تھانہ سے مجھ کی طرف دماغ پر بھی چلی ہے تو جگہ سے میرے  
ساتھ خاندان کا گناہ۔" وہ کبھی لڑائی لڑا۔

گھن سے ان میں سے کارڈ شہر کھیتروں اور ان کے فری  
محسوس ہو گئے۔ حقیقت میں کبھی کسی کو وہ دونوں ہی ایک غیر  
نفرتی زندگی کی رہتے تھے۔ اپنی اپنی ذات میں نفرت کے بندہ  
تھوڑے عرصے کے لیے انہی دونوں میں شدید ہو چکے تھے اور اب باہر آئے  
کارڈ شہر کے بھول گئے۔

چارن بچپن کا شہر کا بچہ تھا اور اب اس کا نفرت  
میں بے دونوں طرف اس کا تھکا دیا۔ بچے کے کسان کی انگلی انگلیز  
کر کا تھا۔ ایک ایک وقت میں وہ خوش حوالہ خوشی شہر کا  
کھن نظر آتا۔ وہ دوسرے ہی کو خوشی اور سرگرمی جھٹکتے



یہی حال تیسرا تھا کہ اچھا تھا۔ دو بیٹے سے بہت محبت کی۔ اپنے بیٹے کو وہ ملائے کہ ہاروڈ اسکول کے لئے اپنی تعلیم کے لئے۔ ہاروڈ (Harrow) وہاں کرنا بیٹے لکھی۔ جس کی دیکھ کر صاحب اسی کی سرپرستی کی تھی۔ اگلے سال انھوں نے کرائی تو وہ پھر بھی جانا۔ اسی وقت میں وہ اس پر چھینے لگے۔ تیسرا بیٹا کی طبیعت میں سے بہت دور کرائی گئی۔ پہلے وہ کالم لکھ کر اس کے لئے جو اس کی طبیعت کے مطابق تھے۔ دو اور بیٹے تو اس کی طرح پڑھان چکے تھے۔ وہ اس کی پرورش تو کی تھی۔ تیسری بیٹی میں کالم لکھی۔ ہاروڈ اسکول کا بیٹا کی طبیعت کے لئے چھوڑ کر وہ سکول ہو گئی مگر اس کے بیٹے کو اس کے کہنا ہوا کہ وہ اس کے لئے دو بیٹوں کے دستوں پر اچھا کر رہا تھا۔

تمام اپنے اور جاہلاداس کے حصہ میں آگئیں۔ تو مجھ  
شاز میں واقع آپا کی گھر Newstead Abbey بھی  
اسی کے قبضہ میں آگیا۔ کیرائن ہائزن اس روز بے حد خوش  
تھی۔ فرخوڑ طرقات سے دو دو کم ہائزن کی ٹینکی کی شان لیے  
جارج کے ہمراہ اور بارہا کمری میں کھیل کر نکلتی۔

محاشی و متعہ میں تبدیلی آتے ہی لارڈ ہائرن کی بچپن کی محرومیوں و بوائیاتوں اور استحصال نے اپنے بچپن پھیلا لیے۔ ماضی نے اسے اس قدر زہر ہلا دیا تھا کہ اب وہ اپنا زہر دوسروں میں بھی منتقل کرنا چاہتا تھا اور اس فیصلے کو اس نے زندگی کی آخری سانس تک بھایا۔

74 ماهنامه سرگزشت

ڈاکٹر وکرم گپتی کے اسکول میں داخل ہو گیا۔ اس ادارے میں  
ڈاکٹر بکلی نے اسے بہت توجہ شفقت اور محنت سے دے جایا۔ وہ  
اس کے حوازی کی انتہا پسندی اور روشنی کی بجائے کجی تھا اور اسے  
استعمال پسندی کی راہ پر چلا دیا۔ چاہا تھا۔ بکلی کی نفرت میں  
کچھن کے رنگ اس قدر گندہ ہو گئے تھے کہ وہ اساتذہ کی سر توڑ  
کوششوں کے باوجود اپنی اس شدت پسندی سے جھکا ماحاصل  
نہ کر سکا۔

اس ناکامی میں ایک اور خاصہ تیرا کہ اس کا تھا۔ وہ جوت فیصلہ اور جوت ارادے میں عزم اور کثرت تھی۔ اس نے ہمیشہ جگت میں فیصلے کیے اور بغیر سوچے سمجھے ان پر عمل کر دیا۔ اس کی جی جلد باطن کی باتوں کے لیے بہت نقصان دہ ثابت ہوئی۔ اسے حراج کے تحت دے اسے تختہ قلب کی آواروں میں داخل کر دیتی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ بھی کلم مضبوط اور ظہرا آدھیکہ نہ نکلا۔

[illegible]

یہی کا جوابی رد عمل بہت شدید تھا۔ اس نے واضح الفاظ میں بڑے کوشش کی۔ "تمہیں ایک خطرناک مرض لاحق ہو چکا ہے۔ بے لگام محبت ایک مرض ہی ہے جو بدترین قرض میں مبتلا کرتی ہے۔"

باؤن کی زندگی میں انتشار پھیل چکا تھا۔ سکول میں اس کی دوستی اور تعلقات صرف فیری تک ہی محدود نہ تھے۔ لاڈو گرے کے دے گئے زخم اس قدر زہر پلے ہو چکے تھے کہ وہ

٢٠١٨

اخلاق طرز پر بھی دیکھئے وہ کیا تھا۔ چنانچہ مگر نہج انہماک  
کلینچ چنانچہ ایضاً یہی ہے جو حواجن دوست معمولی گھراؤوں  
کے گھراؤوں کے لئے دہاڑا زور سے گھراؤوں کے لئے دہاڑا  
تھے۔ انیسویں صدی کا عرفیہ بہت سی گھراؤوں میں جلتا  
ہوئے۔ اور اس کے لئے اور دہاڑا زور سے گھراؤوں کے لئے دہاڑا  
کہ جس کی اس کے لئے دہاڑا زور سے گھراؤوں کے لئے دہاڑا  
تھی۔ اس صورت میں تربیت سے محروم بابر کے گھراؤوں  
ہیں گھراؤوں کے لئے دہاڑا زور سے گھراؤوں کے لئے دہاڑا

اسکول کا بڑا عالمی چارٹیڈ اسکول کے تین سال گذر چکے تھے۔ اس کی سرپرستی اور معاونت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ جن دنوں وہ پانچھٹھ سال کی تھیں اس وقت اپنے گھر میں وہ بڑا تھا کہ کتے ان کو ہر وقت بچ کے رکھتا تھا۔ ایک روز وہ اپنے اسی بچہ پر ہوشیار سے ملاحظہ میں خاص ملاحظہ کیا کہ بچہ سے کوئی آواز نہیں ملتی تھی۔ بچہ سے کہیں نہ ہو گا۔ وہ بچہ کو پوچھا: "تمیں کس گھر سے آ رہے ہو؟" بچہ نے جواب دیا کہ وہ اپنے گھر سے آ رہی ہے۔ اور شائد یہ بچہ اس وقت تک کہ وہ اس کی سیر اور گھر نوٹ کیا۔"

اس نے ہلکے ہلکے دھکے دیے۔ وہاں اس کا سنا ہوا کہ می۔ دواس  
کا صورت کے ساتھ اور جیسا کہ جاننا تھا کہ جان بازن کی پہلی بیوی  
کی وفات کے بعد اس کا گناہ بہت کمزور تھا۔ اس کی گواہی کی پہلی  
جگہ اس کی فیاضی کی بولڈر ہے۔ اس کی بیوی کی کھینچ دے  
بھی بچھا ہوا چراغ بھی اس کے آگے تک اس کا ساتھ دے  
پائی۔ اس کی وفات کے بعد مختلف مشین راولپور اور دوست  
احباب کے گھر میں شب روز گزار کر دوا کی زندگی کے دن  
پورے کر دی گئی اور اس کے گھر کو کتنی سیر کرنے کے لئے بھی جانی  
گئی۔

ہائرون کو اس کے الفاظ کن کر ڈرا شرمندگی ہوئی اور وہ  
 ماسوچی سے لوٹ گیا۔ اس روز کے بعد ان دونوں میں ایک بے  
 نام سائنس دانستور ہو گیا۔ وہ جب بھی گھر آتا آگسٹا سے ماں  
 کی مروتت میں سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کیا کرتی۔ وہ وہی اور  
 مروتت کے تعلق میں بندھ گئے۔

”تم بہت اچھے لڑکے ہو چارن ارچڈیل کے لواب  
ہو اس لیے اسکی بدتمیزی تم پر نہیں بچتی۔“  
”مہاراجا، تو مجھ کو اسانچھو، اگر تیرے بچے، بھائی،

”جیہاں کیوں اتھاری ماں تم سے بہت پیارا کرتی ہے اور“

۷۶

”مجھے تو کبھی اس کا پتا نہ نظر نہیں آیا۔“ دوہڑا۔  
”تم انہیں الزبتھ دینے کے لیے اپنا نقصان بھی کر رہے“

”یہ بات کہ تمہارے گھر پر ہوا“  
 ”تمہارے پاؤں کا عجیب ٹھیک ہو سکا تھیں انہی نے  
 بتایا کہ تم نے تمہارے والوں سے جو کچھ سنا ہے سب سنا ہے  
 کہا۔ کیا یہ تمہارا ذاتی نقصان نہیں؟“ اس نے سبھاؤ سے کہا  
 کیونکہ وہ جانتی تھی کہ بائرن اس کی پہلی اپنی لڑائی کی کسی بھی  
 کمزوری کا تذکرہ کرنا پسند ہی نہیں کرتا۔

”مجھے لوگوں کی نرم اور جلف آنکھوں پر اس سخت نفرت ہے۔ اس لیے میں ایسے جوتے پہن کر اپنے جسمانی نقص کا اشتہار نہیں کروانا چاہتا تھا۔“

”لیکن خصوصی جوتے تو تم اب بھی پہنتے ہو۔ کیا اس سے جھوٹی اذیت یا پریشانی نہیں ہوتی؟“

”اگر مٹائے اس کے لیے خاص طور پر بنائے گئے جوتوں کی طرف دیکھا جتھیں پہن کر اداں کا صبر زیادہ مٹا نہیں ہوتا تھا۔“

[illegible]

ہائرسن سترام کا یہ جو کہ تھا ہیڈسٹ نے اس کی سرکشی  
جسٹ جرجی اور اسٹالٹی کے راورڈی اس میں مزید اضافہ کیا تھا جس  
اس سال اس کی زبوں کی دیکھ لیا اور یہ کہ اس کے  
"لاؤڈ" کے ساتھ ہی کرکٹ کرکٹ پر کاؤ پر لے لے لے لے لے لے  
Harrow کرکٹ کچھ میں جرحی اس کی ٹکف و پیانی کے  
باعت اس کچھ میں مرکت آسان میں اس کی ٹکف و پیانی کے  
ارادی کی رولت کا یہ کہ تھا ہیڈسٹ نے اس کی سرکشی  
ہائرسن سترام کا یہ جو کہ تھا ہیڈسٹ نے اس کی سرکشی  
جسٹ جرجی اور اسٹالٹی کے راورڈی اس میں مزید اضافہ کیا تھا جس  
اس سال اس کی زبوں کی دیکھ لیا اور یہ کہ اس کے  
"لاؤڈ" کے ساتھ ہی کرکٹ کرکٹ پر کاؤ پر لے لے لے لے لے لے  
Harrow کرکٹ کچھ میں جرحی اس کی ٹکف و پیانی کے  
باعت اس کچھ میں مرکت آسان میں اس کی ٹکف و پیانی کے  
ارادی کی رولت کا یہ کہ تھا ہیڈسٹ نے اس کی سرکشی

۲۲۱۲



انگلستان میں چھ مہینے سے شدید غولای دھڑکی کی وجہ سے ہی اطلاعات تازہ ہوتی تھیں جن سے سخت غیر اخلاقی نکالت کے عہد کار کے کردار پر ابہت تک کر دیا گیا اس سلسلے کے ایک اشتیاقی سفر میں نہیں چلے۔ شک کی بنیاد پر بھی مصلوب کر دیا گیا کہ اس کے سر عام پھانسی دے دی جاتی۔ ایسی صورت حال میں ہارن کو غلظہ وہ وہ کوئی تیرا کی بات نہ تھی۔

11 جون 1809 کو وہ لندن سے روانہ ہو گئے۔ اس سفر میں کی تلاش میں بھی بہرا تھے۔ وہ کم کار کی فکشن طرز کا راز کا اور خالصاں اس قاتل دونوں فراس اور اس کے اتھاروں سے برطانیہ کی جنگ میں زبردستی نہیں لے کر کیا گیا تھا۔ ایک طرف رخ کرنے سے کر دیا گیا اور پھر وہ کم سفر شروع کر دیا۔

پھر وہ کم سفر کی مسابک کی جانب ہارن کو بخوان گیا۔ تیس قاتل تھے جن میں نامور ترک سر زمین کے متعلق چار سے جانے والے تھے۔ بہت بہت بہت تھے۔ وہ وہ عام کے بارے میں جاننے کے لیے بھی ان شخص کو موافق نہ تصوف اس کے لیے ایک بہت بڑی فوج تھی۔ انگلستان سے تیار نہ تھے۔ ان سے ہر رنگال انجین اور پھر وہ دم سے الیابیک جنگ میں برنگال میں گذرا جانے والے وقت راہگہ تھا۔ اس نے وہاں قیام کے دوران برنگلی زبان میں بھی کی عبارت حاصل کر لی۔ بہت سے لوگوں سے اس نے اور انسانی فوجت کی کھرا لی کہنے کے مواقع ملے۔ اس میں بہت خوش تھا جس کی پھر انگلستان کی جانب سے ملنے والے ایک خط سے علم ہوا کہ کیتھرائٹ اپنی مختلف چاروں انسانی فوجوں اور ایک غیر نظریاتی زندگی جیسے سیکرے جنگ باہر تھی۔ یہ پھر پھر اسے دئی طور پر دیکھ گیا کیونکہ زندگی میں بھی کسی کی سوز پڑی وہ اپنی اس کے قریب نہیں رہا تھا۔ البتہ آگما کی جانب سے ایک طویل عرصہ بعد ملنے والے اس خط سے اسے خوش ضرورت تھی۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اس خط میں اب کوئی بھی پیغام بھی نہ بھیجے۔

ہارن کی تلاش کوئی سے تین طاقتیں تھیں۔ اس کی اولی زندگی کے لیے بہت ناکام و ناکام تھے۔ ہارن انگلستان واپس کے بعد اسے Child Harold's Pilgrimage کے روایات دیکھے اور ان کی اشاعت کے بعد اقربا و رات شہرت کی بلند پائی ہو چکا تھا۔ اس میں بھی ایک ایسا جوان کے جذبات بیان کیے تھے جو ماری دیا اور اس کی چمک دمک سے گرا ہی تھا۔ ہوا تھا۔ یہ زندگی گرا ہی تھی۔ مگر ان کے بعد وہ اب بیا اور پھر اسے انہی دیکھ اور سرور میں اپنی جانب معاہدہ دیتے تھے۔ ۱۱۱۱ لیے جزائر کی تلاش کرنا چاہتا

انگلستان میں چھ مہینے سے شدید غولای دھڑکی کی وجہ سے ایک عالم بھی قرار دیا گیا۔ کسی میں ہی اس کی جنگ اور اخلاقی باتوں سے بیزاری خود کوئی کے انداز میں بیان کی گئی۔ اولی حلقوں میں اسے بہت پر کار کیا اور لاڈ ہارن کی پیشہ ورانہ زندگی نے ایک بے عروج کی طرف سفر شروع کر دیا۔

شہرت کا فخر ہارن کے حواس پر چھاپ چکا تھا۔ وہ ہر جگہ موزوں گفتگو غلطی اور سرکاری فکشن طرز کا راز کا اور خالصاں اس قاتل دونوں فراس اور اس کے اتھاروں سے برطانیہ کی جنگ میں زبردستی نہیں لے کر کیا گیا تھا۔ ایک طرف رخ کرنے سے کر دیا گیا اور پھر وہ کم سفر شروع کر دیا۔

پھر وہ کم سفر کی مسابک کی جانب ہارن کو بخوان گیا۔ تیس قاتل تھے جن میں نامور ترک سر زمین کے متعلق چار سے جانے والے تھے۔ بہت بہت بہت تھے۔ وہ وہ عام کے بارے میں جاننے کے لیے بھی ان شخص کو موافق نہ تصوف اس کے لیے ایک بہت بڑی فوج تھی۔ انگلستان سے تیار نہ تھے۔ ان سے ہر رنگال انجین اور پھر وہ دم سے الیابیک جنگ میں برنگال میں گذرا جانے والے وقت راہگہ تھا۔ اس نے وہاں قیام کے دوران برنگلی زبان میں بھی کی عبارت حاصل کر لی۔ بہت سے لوگوں سے اس نے اور انسانی فوجت کی کھرا لی کہنے کے مواقع ملے۔ اس میں بہت خوش تھا جس کی پھر انگلستان کی جانب سے ملنے والے ایک خط سے علم ہوا کہ کیتھرائٹ اپنی مختلف چاروں انسانی فوجوں اور ایک غیر نظریاتی زندگی جیسے سیکرے جنگ باہر تھی۔ یہ پھر پھر اسے دئی طور پر دیکھ گیا کیونکہ زندگی میں بھی کسی کی سوز پڑی وہ اپنی اس کے قریب نہیں رہا تھا۔ البتہ آگما کی جانب سے ایک طویل عرصہ بعد ملنے والے اس خط سے اسے خوش ضرورت تھی۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اس خط میں اب کوئی بھی پیغام بھی نہ بھیجے۔

شیں کوئی نہ لاکھ اور غلط و کثرت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ کیونکہ اس کے لیے بہت سمجھ و بوجھ تھی اور ہر جگہ اس کی طرح اسے بھی جیسا لگتا تھا کہ ہارن اسے بھی دھوکا نہیں دے گا اور اس کی واپسی کا کثرت سے منتظر ہوگا۔

انگلستان میں لاڈ ہارن کی زندگی ایک بے عروج میں چمک رہی تھی۔ لیڈی کیروسی کے چلنے کے بعد اس کا کثرت کی گستاہی سے قہم ہو گیا۔ دسی آگما جواس کی کوئی تھی جس اور پھر کرن لینڈنگ کرن جانے کی سے شادی کے بعد دو بچوں کی والدہ بن گئی۔

آگما سے اس کے تعلقات نے یہ نیا اور شرمناک موزوں کیا اس بارے میں موزوں نے داشت طور پر عاشقی اختیار کر دی۔ قیاسی جیسا کیا جاتا ہے کہ وہ دونوں اعلیٰ طور پر دیوالیہ تھے۔ لیکن جیسا کہ ان کے کردار اور فکریات کی غور دہی چاہی وہ اور اپنی ذات سے جڑے غیر نظریاتی مسائل سے جنگ میں مصروف تھے۔ تربیت ان دونوں کی ہی تھی اور نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ رشتوں کی نزاکت سمجھا اور ان کا احترام کرنا بھی کسی نہ کیے۔

1813 میں کیروسیں بھی لندن لوٹ آئی۔ اسے ان تمام قاتل کے ہارن کا توکل بہت پر چڑھی ہو گیا لیکن یہ جان کر اس کی ہائیو موزوں کی کوئی انتہا نہ تھی جب ہارن نے واضح اعزاز میں اسے دے کر کوئی سے کاٹا لٹا کر دیا۔

”تم میرے ساتھ آ جا کیسے کر سکتے ہو؟“ کیروسیں اپنی ذلت برداشت نہ کر سکی۔

اپنی اس کریم سے لیے بھی کسی مشکل نہیں رہا۔ بھجاب تھواری ذات میں کوئی اور دیکھی نہیں۔ اس نے اطمینان سے جواب دیا۔

کیروسیں کی حالت قابل رحم تھی۔ آگما نے اسے کثرت میں وہ بھلا چوں کی طرح اسے اپنی موت اور کثرت شوق کے واسطے دینی دینی میں ان کی زندگی میں بہت سوز پڑی تھی۔ ایک مکمل میں ان کا بھلا چوں قدر بڑھا کہ اس نے تمام کیروسیں کی مدد میں کر دی۔ کیروسیں اپنے خاص فوجی اور وہاں موجود ایک گاؤں ڈالنے کے بعد اپنی کالی کی کھس کاٹنے کی کوشش تک کر ڈالی۔ ہارن کو یہ سفر کی رسم نہ کر سکا۔ اس کے فیصلے ہمیشہ وہ آخر خیر ہوتے تھے۔

لیڈی کیروسیں کے لیے ہارن کی بے دردی اور بے وفائی بہت بڑا سانس تھی۔ محبت اس کے لیے ایک بگڑتی ہوئی تھی۔ اس کی محبت پر بہت بھی اثر پڑنے لگا۔ چھ مہینے میں اس کا وزن

ملہنامہ مسرگشت

لاڈ ہارن کے چند اور شہنشاہی احوال

- 1۔ مگر اب بھی ترک نہ کرو۔ یہ دنیا کی اور اس
- 2۔ جو دیکھ سے بات نہ کرے۔ بے متعصب
- 3۔ جو کر نہ سکے، وہ بوق ہے۔ اور جو جرات سے کام نہ لے وہ غلام ہے۔
- 4۔ آفت و مصیبت چالی کی طرف چھٹا سکاوتی ہے۔
- 5۔ اچھے فخر کا رشتوں پر بھی چلنا سکنا
- 6۔ جہاں بھڑے بھی شکار کے لیے قدم نہ رکھ سکیں۔
- 7۔ ایک زندہ چڑھ کر بیش بہت میں تبدیل ہو جاتی ہے لیکن کبھی بھی ایک زندہ ترک و دیتی میں تبدیل ہونا نہ سیکھے۔
- 8۔ میری شاعری کا موزوں انسانی ہے بوقیاں
- 9۔ زندگی جاہر والات کی تلاش کا نام ہے۔ دور
- 10۔ اس ماہ سے نئی ہے؟ تقدیر کیا ہے؟ زندگی گزارنے کی بہترین راہ کون سی ہے؟ بہترین موت کیا ہے؟ اور اس کا جواب اپنی اہلی ہے۔ محبت۔
- 11۔ وہ دلی کی شہر کو نام ہی آسویں۔
- 12۔ تم زندگی سے آگاہ ہیں اور نام ہے جو جتنا زیادہ ہوگا اتنا ہی ممکن ہوگا۔ تم حیات ہی شجر حیات۔
- 13۔ چالی انساؤں سے زیادہ عجیب ہوتی ہے۔
- 14۔ غلوں کا چار ہو سکا ہے سگن خام نکس۔
- 15۔ زندگی خواہشات کے سہارے نہ دیتی ہے۔
- 16۔ کتب بینی کسی دوست کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی دیتی۔
- 17۔ شہرت کیا ہے؟ ایسے لوگوں کا آپ کو چاہنا نہیں آتا جانتے ہیں اور دینی پر داکر نہ ہیں۔
- 18۔ یہ مقصد زندگی میں انساؤں کی کوئی گھنٹی ہوتی۔

چہاں خود را سوزی کی کیفیت ظاہری ہو جائے۔ اسے ایک عالم بھی قرار دیا گیا۔ کسی میں ہی اس کی جنگ اور اخلاقی باتوں سے بیزاری خود کوئی کے انداز میں بیان کی گئی۔ اولی حلقوں میں اسے بہت پر کار کیا اور لاڈ ہارن کی پیشہ ورانہ زندگی نے ایک بے عروج کی طرف سفر شروع کر دیا۔

شہرت کا فخر ہارن کے حواس پر چھاپ چکا تھا۔ وہ ہر جگہ موزوں گفتگو غلطی اور سرکاری فکشن طرز کا راز کا اور خالصاں اس قاتل دونوں فراس اور اس کے اتھاروں سے برطانیہ کی جنگ میں زبردستی نہیں لے کر کیا گیا تھا۔ ایک طرف رخ کرنے سے کر دیا گیا اور پھر وہ کم سفر شروع کر دیا۔

پھر وہ کم سفر کی مسابک کی جانب ہارن کو بخوان گیا۔ تیس قاتل تھے جن میں نامور ترک سر زمین کے متعلق چار سے جانے والے تھے۔ بہت بہت بہت تھے۔ وہ وہ عام کے بارے میں جاننے کے لیے بھی ان شخص کو موافق نہ تصوف اس کے لیے ایک بہت بڑی فوج تھی۔ انگلستان سے تیار نہ تھے۔ ان سے ہر رنگال انجین اور پھر وہ دم سے الیابیک جنگ میں برنگال میں گذرا جانے والے وقت راہگہ تھا۔ اس نے وہاں قیام کے دوران برنگلی زبان میں بھی کی عبارت حاصل کر لی۔ بہت سے لوگوں سے اس نے اور انسانی فوجت کی کھرا لی کہنے کے مواقع ملے۔ اس میں بہت خوش تھا جس کی پھر انگلستان کی جانب سے ملنے والے ایک خط سے علم ہوا کہ کیتھرائٹ اپنی مختلف چاروں انسانی فوجوں اور ایک غیر نظریاتی زندگی جیسے سیکرے جنگ باہر تھی۔ یہ پھر پھر اسے دئی طور پر دیکھ گیا کیونکہ زندگی میں بھی کسی کی سوز پڑی وہ اپنی اس کے قریب نہیں رہا تھا۔ البتہ آگما کی جانب سے ایک طویل عرصہ بعد ملنے والے اس خط سے اسے خوش ضرورت تھی۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اس خط میں اب کوئی بھی پیغام بھی نہ بھیجے۔

چہاں خود را سوزی کی کیفیت ظاہری ہو جائے۔ اسے ایک عالم بھی قرار دیا گیا۔ کسی میں ہی اس کی جنگ اور اخلاقی باتوں سے بیزاری خود کوئی کے انداز میں بیان کی گئی۔ اولی حلقوں میں اسے بہت پر کار کیا اور لاڈ ہارن کی پیشہ ورانہ زندگی نے ایک بے عروج کی طرف سفر شروع کر دیا۔

شہرت کا فخر ہارن کے حواس پر چھاپ چکا تھا۔ وہ ہر جگہ موزوں گفتگو غلطی اور سرکاری فکشن طرز کا راز کا اور خالصاں اس قاتل دونوں فراس اور اس کے اتھاروں سے برطانیہ کی جنگ میں زبردستی نہیں لے کر کیا گیا تھا۔ ایک طرف رخ کرنے سے کر دیا گیا اور پھر وہ کم سفر شروع کر دیا۔

پھر وہ کم سفر کی مسابک کی جانب ہارن کو بخوان گیا۔ تیس قاتل تھے جن میں نامور ترک سر زمین کے متعلق چار سے جانے والے تھے۔ بہت بہت بہت تھے۔ وہ وہ عام کے بارے میں جاننے کے لیے بھی ان شخص کو موافق نہ تصوف اس کے لیے ایک بہت بڑی فوج تھی۔ انگلستان سے تیار نہ تھے۔ ان سے ہر رنگال انجین اور پھر وہ دم سے الیابیک جنگ میں برنگال میں گذرا جانے والے وقت راہگہ تھا۔ اس نے وہاں قیام کے دوران برنگلی زبان میں بھی کی عبارت حاصل کر لی۔ بہت سے لوگوں سے اس نے اور انسانی فوجت کی کھرا لی کہنے کے مواقع ملے۔ اس میں بہت خوش تھا جس کی پھر انگلستان کی جانب سے ملنے والے ایک خط سے علم ہوا کہ کیتھرائٹ اپنی مختلف چاروں انسانی فوجوں اور ایک غیر نظریاتی زندگی جیسے سیکرے جنگ باہر تھی۔ یہ پھر پھر اسے دئی طور پر دیکھ گیا کیونکہ زندگی میں بھی کسی کی سوز پڑی وہ اپنی اس کے قریب نہیں رہا تھا۔ البتہ آگما کی جانب سے ایک طویل عرصہ بعد ملنے والے اس خط سے اسے خوش ضرورت تھی۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اس خط میں اب کوئی بھی پیغام بھی نہ بھیجے۔

ملہنامہ مسرگشت

اسے اسٹائی کی پیشکش کی لیکن اس نے اسے انکار کر دیا۔  
اس انکار کے بعد خود بائرن کے سر سے خون نکل گیا اس  
کی شخصیت میں گندے سرخ جوش کے گہروں سے باہم ہونے کے  
باوجود وہ سر کی ہیزنگائی کی پیشکش نہ کر سکا اور ایک مختلف  
صورت میں پہنچ کر ہر صورت کی طرح میں صحت کی کماں کی  
محبت توجہ اور اس ہیزنگائی کی زندگی بدل دے گا کہ اور کچھ  
وہ جہاں کی جہاں ہر ایک شخص کی زندگی میں جینے کا حق ہے بلکہ  
انسانی فطرت کے لیے سب سے زیادہ نفع دینے والا ہے۔

ہم جن کا مزاج دن بدن کمزور چلا گیا۔ یہاں تک کہ ہم یقین ہونے لگے کہ اس کا قاتی خونروں میں نہیں رہا۔ وہ اس سے بڑی جگہ سلوک کرنا شکلات کھا کر خوش رہ رہتا تھا۔ یہ تعجب تھا۔ ہم نے اس کی شرم محسوس نہ کرنا یہاں تک کہ وہ کمر کر کے اس کی پیڑائش کے بعد ہلانے کا طریقہ خود پر لٹھ کے کاغذ پر لکھ کر۔ ہم جن اس کو کھول دیا جانا چاہا۔ ایک ایک دستہ پر عرض کیا یا یاد رکھ لو کہ یہ اس کے سونے کی جڑ کا ہوتا ہے جانا۔ یہ جان کر دشمن کی نیکی کی۔ اس نے ہماری کھجور کے بعد اسے کرنے چکا تھا لیکن ہم حیرت میں رہ کر اس کا جاتی

[illegible]

ہائرنے پہلے ہمیں تو جی سکوئی خاطر ایک بجرے  
 ہی وقت گذرا و شہر کیا لیکن جب معاملہ مزید بگڑا تو اس نے  
 درگزر کرنا کہ وہاں پہلے جانے کا حکم دے دیا۔ شہر اور مکہ کو  
 مکرانے والی مارگرٹا کے پاس خود کسی کے سوا کوئی چارہ نہیں  
 تھا۔ اس نے خود کو نہ کہ اپنے ۱۷ سالہ لڑکے کو اپنے ساتھ لے کر



فریاد کی حالت خفہ دیکھ کر ہارن کا دل ہلکا بارہکی کے لیے کھینچ گیا۔ اس نے جہاز کے پکڑن سے خصوصی درخواست کے بعد چھوٹا کر کے لیے ماہی بندرگاہ کی طرف مڑنے کے لیے کہا۔ وہ ڈیڑھ سو فٹس پر ہاتھ جاکر بندرگاہ کے پلے پر ہو کر وہاں جا چکا ہے۔ اب وہاں ٹھہرنے کا کوئی جہاز نہیں تھا اس لیے خاموشی سے ایک بارہکی سڑک کا آڈیو بولیا۔

چنانچہ کچھ کر ایک ہنگامہ شروع ہو گیا۔ ہارن نے ہوائی جہاز کی بیرونی کمرے کی مرمت کے لیے چار ہزار پاؤنڈ خرچہ خرچ کر کے مٹی کو لگوں اور ڈھنگ کا دل بیت لیا۔ 28 دسمبر 1823 کی رات یونیورسٹی میں کیمپس سے کے دوران ان کے جہاز کو کچھ مصلحت کے لیے جہاز کے گھیر لیا گیا۔ کچھ کوئی خطرناک صورت حال پیدا نہ آئی۔ ہارن نے مزید چمکے راستہ پہلی کر لیا اور پانچ جہازیں 1824 کو سفر کی بنیاد پر تھیں۔ سیریلو کی کھینچ۔

ہارن ہرگز نہ پڑتے۔ ان کی مدد کے کا فیصلہ پہلے ہی کر چکا تھا اس لیے پڑھنے میں اپنی جائیداد اور فروخت کر دلی اور 11,250 پاؤنڈ کی رقم فراہم کر دی۔ اس کا مقصد اس کے پاس میں ہزار پاؤنڈ تھے۔ اسے رقم کو اکر چھوڑ دینے میں دیکھا جائے وہ کر دے گا۔ تاہم اپنی آمد آمد میں ہارن نے اسے مناسب وقت آنے پر اسے مقصد کے لیے خرچ کرنے کی مشورہ بندی کر لی تھی۔

اس سینیٹور کی خبر جنگ میں آگ کی طرح پھیلی۔ چنانچہ بہت قریب اور جنگ زدہ ملک میں ایک برطانوی نوآباد کی حیثیت توہی آمد اور ملٹی معاہدہ کی ضرورت تھی۔ ہارن نے ان لوگوں کے تجربہ کار ہونے کی طرف اشارہ کیا۔ اسے میرے میں لے لیا اور اسے چھوڑے چھوڑے مسائل کے حل کے لیے کسی بھی سے رقم طلب کرنے لگے۔

کچھ عرصہ بعد گورنر ہارن پر ایک ہی تحقیق میں سے ہارن کی حکومت کے خلاف زبان کھینے کے ساتھ ساتھ اسے اندرونی معاملات میں ایسے ہوئے تھے۔ ملک میں خاندان کی ایک ہی کیفیت تھی۔ مذہبی دراندازی کا کہیں بھی نام نہان نہیں تھا۔ وہ اپنا ہی بنے۔

اسی دنوں اس کی ملاقات ایک نو سالہ کرکٹ لڑکی 'ہنریٹ' سے ہوئی۔ اس کے والدین کو ہنریٹ کے ہاتھوں بارے چاہیے تھے۔ مذہبی سائنس اس قدر بوجھ بن گئی کہ ہنریٹ

جیسا کہ کسی بھی کرکٹ مسلمان کا وجود برداشت کرنے کے رد اور ہی نہ تھے۔ بچے کوڑھے ہونے اور گھرنے کا سبب اور بے حرکات کر دیتے تھے۔ بچوں کے لیے صرف ان کا مسلمان ہونا ہی بہت تھا۔ ہارن نے بچی کو کو لینے کی فیلڈ کر لیا اور حقائق کو نظر سے گت اسے ایک دوسرے علاقہ میں منتقل کر دیا۔

کسی جگہ میں حصہ لینے کا دل بظاہر بہت پرکشش اور توانا محسوس ہوتا ہے۔ دل میں انگلیں جھانکنے کی ہیں۔ اپنے مشین کو دھتھور کے کمرے میں گھرنا۔ وہ خیر ہزار پاؤنڈ فراہم سہانے خواب میں دل لپاتے ہیں لیکن جب کبھی طور پر اس میں گھڑا جائے تو اصحاب کا اصل امتحان شروع ہوتا ہے۔ جنگ میں سب سے پہلے اخلاقیات اور اخلاق کا جائزہ ہوتا ہے۔ انسان حقیقت کے دوسرے کچھ جانتا ہے۔ ہنریٹ چاہتا ہے اسے ہی جیسے انسانوں کی بے رحمی کرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ جنگ کی جانچاں جھیلنا مگر آسان نہیں ہوتا۔ ہارن کے لیے بھی ایسی ہی صورت حال تھی۔ اس دوران اس کے کمرے میں بہت کم کچھ نہیں کم کچھ جراثیم کے بعد پھندہ کی بھی پائی ہوئی۔

ہارن کی اخلاقی بے راہ روی کسی جہاز کی توں عموماً تھی۔ چنانچہ کر تو اس میں مزید اضافہ ہوا تھا۔ اصحابی سکون اور دل کا خوشامیسی حاصل کرنے کے لیے اس نے پانچ لاکھ کا اخراج شروع کر دیا۔ ستر ملین تو بھی کتنی لاکھ خوری اس کی جانب مجھے پہلے آئے تھے۔ ایسے ہی ایک ستای لاکھ پر وہ اس پر بھی خرچ فرماتے ہوئے لوگوں کی خوراک کلباس سمیت ہر قسم کی ضروریات اپنے ذمہ لے لیں۔ مختصر عرصہ میں اس پر چھ سو پاؤنڈ خرچ ہوئے جو موجودہ وقت میں 24,600 پاؤنڈ رقم کے مساوی ہیں۔

کچھ چور ڈیڑھ چارہ سالہ لڑکے کے لیے وہ ایک قدر سنجیدہ اور کاکل سے انوکھی زبان کھینے کے ساتھ ساتھ اسے تعلیم و تربیت کے لیے بیانی خاندان داخل کر دیا اور اپنی وصیت میں اس کے لیے سات ہزار پاؤنڈ کی رقم مقرر کر دی۔

روانوی معاملات کے ساتھ اس نے اپنی کے باوجود ہنریٹ کو ایک مقصد فراہم نہیں کیا تھا۔ ایک مقامی حریت پسند کے ساتھ مل کر کرکٹ کھینے میں موجود ایک قلعہ پر حملہ کرنے کا

منصوبہ بن گیا۔ ہارن نے اپنی سولہویں پر ایک فیلڈ کو توپ خانہ کے معاملات چلانے کے لیے ملازم رکھا۔ اسے فوجی مہمات کوئی کرکٹ کھانے میں ہوائی جہاز کی فوج کی مکمل سنبھال کر کسی جگہ میں بھی حصہ لینا شروع کر دیا۔

فروری اپنا مختلف سفر طے کر کے گا۔ قلعہ پر قبضہ کی مہم کی تیاریوں آخری مراحل میں کچھ کچھ لیکن ہارن کی طبیعت ایک بہت خراب ہوئی۔ ان دنوں علاج کے لیے ایک خصوصی طریقہ بہت مقبول تھا۔ سر میں سے جسم سے مخصوص لوہاروں کی مدد سے ہارن کا جاتا۔ تاہم مدعوں کے افواج کے بعد جسمانی نظام ہلکا ہوا جاتا تھا۔ ہارن کے ساتھ کچھ کے طریقہ کار کا کیا گیا۔ لیکن بے کسے طریقہ علاج دیکر افراد کے لیے بہت فائدہ مند ثابت ہوا لیکن ہارن کی پیش وطر پر مشکل زندگی کے بعد جسمانی ہارن کے لیے بہت مشکل ہو گیا۔ دیکھا تھا۔ اس کے اجماع کے بعد وہ بہت زیادہ طاقت میں جھٹکا کر کچھ وقت گزرا تو وہ بڑی طور پر صحت یاب ہو گیا لیکن اپیل کا آغاز ہونے ہی اسے روکنے کے لیے وہ بوجھ لیا اور شدید بیمار کے باعث وہ ایک بار پھر ہسپتال میں کمر بستہ سے لگ گیا۔ اس کا صانع 'نیرٹس' میں ایکسپلن اس صورت حال پر بہت پریشان تھا۔ جو کس نے ایک بار پھر ساتھ طریقہ علاج پر کوشاں کیا۔ اب یہ ہارن نے دیکھا کہ اس کا پیٹر دارانہ کوئی اس کے علاج میں اشتعال نہ دلائے لیکن اوپر جراثیم سے پاک نہ تھے۔ ہارن کے ذہم کوڑھے میں اس شخص اور ہسپتال کی تو اس کی حالت میں بہت ناگوار ہوئی۔

لوگوں میں کوئی شامی سے کر دیا۔ اور ہر ایک کو اپنی طبیعت کے سحر سے روکا کر دینے والا مدیون کا چھان نوب کا بہت گورن ہارن نے ان کے ایک جنگ زدہ علاقے میں بہت بد اور اور بد ہوا لوگوں کی نوبت میں ہر قسم کی سبب جو جراثیم اس میں وقت میں اس کی شہرت یافتہ سے دے دی تھی۔ نہ ہی ایک کی جانے والی خبروں میں۔ وہ اپنی موت کی حالت سے کچھ قہر کا سامان پر اس کی کھانڈ کر چکا تھا۔ اپنی اپریل 1824 کو شہریت شہر شاعر کی پیش وطر دلا دیں۔ ہر صدمہ سے اور صرف پچیس سال کی عمر میں فرسٹا اعلیٰ خاموشی سے اس کی دونوں قبل کر کے اسے اعلیٰ متہنگ بنے گیا۔

☆☆☆

موجودین کھتے ہیں کہ اگر ہارن کی زندگی میں چاروں

آزادی لیا جاتی تو اس کی خدمات مد نظر رکھتے ہوئے اسے بادشاہت عطا کر دی جاتی تاہم اگر غیر بادشاہی اور مستقل بنیادوں تک ہارن کی چھان آدھ کے بعد حالات کا جائزہ لیا جائے تو ایک نتیجہ کا سامنا ایذا کا جاسکتا ہے کہ اس کی ذات سے جنگ میں کوئی عسکری فائدہ نہیں ہوا تھا۔

ہارن نے اپنی زندگی میں بھی خواہشات کی کھینچ کی۔ چنانچہ اس کی موجودگی کا مقصد صرف چھوٹوں کو فائدہ پہنچانا تھا اور وہ اس مقصد میں بڑی طور پر کامیاب ضرور ہوا۔ کچھ طور پر وہ کسی یونیورسٹی کے کورس کو مکمل نہ کر سکا۔ تاہم جنگی قسم کے کمرے کا اتحاد چھوڑ کر اسے صرف اخلاقی اور انسانی بنیادوں پر ہی کامیاب کر دیا جاسکتا ہے۔ اس لیے دولت میں لوگوں کی مدد اور افواج کے لیے جہاز کی ایک حالت میں اس کی موت نے عالمی برادری کی توجہ کی اپنی جانب کھینچی۔ یہ پڑھنے کے عذاب اور اگر بھی زبان کے صف آئیل کا آغاز ہونے ہی اس کی حالت میں زندگی کی پانی ہلا تو کی دیگر اقوام کی ہور دیں بھی چاروں کے ساتھ ہو گئیں۔

ہنریٹ اس کی جراثیم اور نامی کی بزرگ سے ہوئے خون کے دھنکے۔ اس کی لاش خوف کر دی گئی۔ اخلاقی تقاضا بھی کمرے اس کی آج کی سرزمین انگلستان بھی جی جائے۔ وہی انگلستان جہاں سے وہ سامنے جلا وطنی اختیار کر کے وہ گھر گھر بولہ بولہ ہوائی اس سے بعد صحت کرنے لگے تھے۔ اور اسے اس سیر کی کوئی زندگی نشانی نہیں ہے۔ اسے اپنے اپنے رکنا چاہتے تھے۔ لاش خوف کر دینے کا دل الگ خوف کر دینا گیا۔ یہ یونیورسٹی کا خیال تھا کہ وہ بہت خوبصورت اور انداز دل لایا گیا۔ اب اس کے اور اس کے ہاتھوں جو کرکٹ پرانی جنگ لڑنے چلا آیا۔ ہنریٹ کے توہی شاعر نے اس کی خدمات کے اعتراف میں ایک نظم 'To The Death of Lord Byron' کے عنوان پر لکھی۔

ہارن کی حوالہ شدہ لاش اس کے ایک خصوصی Titus کے ساتھ اس انگلستان پہنچی تو ایک کمرہ برلا ہو گیا۔ بہت میں اس کے آخری یادگار کے لیے ایک فلیٹ الٹ آئی۔ یہ ملاوٹی حلقوں میں اسے بڑا دیکھ لیا گیا۔ اس وقت ہوائی یادگار کے بعد آخری رسومات ادا کر دی گئیں اور سینٹ میری کنگڈاؤن پرنس کو پچھتر میں دیکھا گیا۔ پچھتر برس مری سلیب پر اپنی بادشاہ نے بلور غائب کھینچی۔ پچھتر ہی شاعری اور ڈراما نویس کا ایک عہد خاک نشین ہو گیا۔

پیر رائٹر

انور فرہاد

جب یہی پاکستان کی فلمی صنعت کا ذکر چھڑے گا تو ایک نام تو تازے سامنے آئے گا جس نے فلمی شاعری کا اس سہرا باب، جداگانہ انداز کے گیتوں سے رقم کیا، اسسوس کا مقام تو یہ ہے کہ ہماری نوجوان نسل ان ناموں سے واقف ہی نہیں جنہوں نے کچھ رسوائی کے باوجود پاکستانی فلمی صنعت کو آج پر پہنچایا۔ ایسا ہی ایک نام زخمی کاکینوری کا ہے۔ اس نام و گت کار کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے ایک مختصر سی تحریک۔

قلم کے جادو سے کانوں میں رس گھولنے والے کیت کار کا تذکرہ

اللہ شوق دے تو کتا ہیں پڑھا کر دو

ایک دور تھا جب لوگ ایسے مشغور سے رہتے تھے اور

ان کو اپنی ہمت پر بھی کرتے تھے۔ پڑھنے والوں کی مختلف

شکلیں ہوتی تھیں۔ کچھ کو طبیعت کی کشائیں پڑھنے تھیں،

کچھ ادبی کتابیں، کچھ مذہبی کتاب کا مطالعہ کرتے تھے اور

ایک بڑا طبقہ تھا جو تقریباً ادب یا پاپر لرنج پڑھا کرتا تھا۔

پڑھنے والوں میں مرد و خواتین کی ہوتے تھے اور کس کو دوسرے

طالب علم بھی۔ میں نے اسے نہیں دیکھا میں ابی ایک کچھ جی

ذکرِ فکرِ حلی



ہے۔ اس کے لیے کوئی یادگار تعمیر نہیں کی گئی۔ مجسمہ زمینشیں کالج کی لائبریری میں نصب کر دیا گیا ہے۔ ”ہوب ہاؤس ایک عظیم شاعر کی ایسی بے قدری بہت افسردہ تھا۔“

انگلستان میں یہ نظر اندازی ایک طرف لیکن یونان میں  
پینٹیکل گارڈز کے باہر ایک مجسمہ نصب کر دیا گیا جس میں  
ایک عورت بائزن کو بیچ رہا ہے۔ دیکھائی گئی فراسی مجسمہ  
سازوں کی محنت اور مہارت نے اسے لازوال حیثیت عطا  
کر دی۔ مقامی طور پر اسے megalos kai kalos (مکالمہ اور محاسن) کا خطاب دیا گیا۔

سیورس مہدی کا آواز ہوا تو انگلستان کے ادنیٰ مقننوں نے بائزن کے لیے صدارت کا احتجاج بند کر دیا۔ شام کے رہنما اور اخبارات میں شام کے شائع کرنے کے جسے جس میں ایک نہایت مختصر حقیقت کی جانب توجہ مبذول کر کے کہ بائزن کے لیے جوتے جوتے کے لیے ایک ایسی ہیرو جو یہ کہ بائزن کے لیے شہرہ آفاق شاعر کے لیے ایک ایسا گارڈ ریک جو سوڈان میں ایک شہر کو اس اثر شرمناک حقیقت کا احساس ہوا تو Westminster Abbey میں اس کے لیے ایک ایسا قبر گھر کر کے منظور کی دے دی اس سکول کے بچوں نے اس بہت خداداد کارواں کو اپنے شام کے لیے چن دیا۔

[illegible]

جارج گورڈن بارنہم شایب میں جنٹلمن ہائی اسکول میں پڑھ کر ان کے بعد مداح سہا ہو گیا لیکن گورڈن کے دلوں میں اپنے  
 صحت نفوس چھوڑ گیا۔ ایک غیر فطری اور باغی زندگی جینے  
 والا تھا۔ بارنہم نے مزید زہر چتا کر اب اور شاعری میں حریف  
 ہونے کی خواہش کی تھی۔ اس کا اضافہ کرتا باغی و سوانحیات میں بھی  
 اس کا اضافہ کرتا؟ گورڈن جانے؟

☆.....☆

تھامس مور کو روایتی ذمہ داری اب بھی یاد تھی۔ لاڈل ہائرن کی خودکوشی منظر عام پر لانے کا بہترین وقت آگیا تھا۔ اس نے کچھ اہم پہلوئیں پر بات چیت کے لیے ہائرن کے قریبی دوست ہووب اڈس سے رابطہ کیا۔

”پارٹن کی آخری خواہش کی تکمیل کے لیے یہی بہترین موقع ہے۔“ اس نے اپنا منہ بیان کیا۔  
 ”اس کا آخری خیال کس کا ہے؟“

”وہ اپنی خود نوشت Adventures of Life and Death“ میں نے کتاب کے کچھ اوراق تیار کر لیے ہیں اور یہ کچھ کی کتابی میں تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔“ مجھے اس جلد سے جلد زامہ ملاقات کرو۔ مسوات

[illegible]

”افسوس میں نہیں کرتا ہوں۔“ ہوب ہاؤس نے غصے سے کہا۔ ”تم حق میں میری طرح بائزنز کے دوست رہے ہو۔ میں یہ ہرگز برداشت نہیں کر سکتا کہ اس کی زندگی کے احسان اور شہزادہ کی ہولناکیوں کا راز میں عام کر دینے جاؤں۔“ دو روز بعد تمہیں بھی خطاب کیا گیا۔ وہاں میں تیس روز میری دوستی کے کارندہاں کے خواص اس کے غجری معاملات کو چنچل کرے کہ یہ بیان کرے۔ جس تک اس نے غور نہیں کیا۔ یہاں تک کہ اس نے ہوتے دوں گا۔ کارہارہ کی معاونت دیکھو ایک دوست کی حیثیت سے ہو۔“

”ٹھیک کہہ رہے ہو۔ لیکن ایسا کب تک ہوگا؟“ سبھی نے سمجھی تو اس پر لکھا جائے گا اور اس وقت ہم کیسے روک پائیں گے؟“

”تب تک بہت وقت گزرت چکا ہوگا۔ تازعات کی شدت اور واقعات پر گردش بیٹھ گئی ہوگی۔ اس وقت ہمارے کی ذات پر منفی اثر نہیں پڑے گا۔ اب تم خود دیکھ لو اتنا عمر گزرت چکا ہے آتم بھی دوستوں نے ہزاروں ماؤں کا زائچہ لکھنے کے کے مجسمہ

مطلایے کا شیعہ دیکھا۔ وہ مگر کے کام کا جے ساتھ  
ناوشکی پر حق راقی تھیں۔ اکثر پارہائی خانے میں چلے  
بازاری پر حاکم پر دستا شروع کرتے تھے کھانہ پکائی میں  
ہو کر سنان میں جانا اور انہیں اس وقت ہوش آجاتا جب  
بٹنے کی جگہ سے اور چٹائی خانے کی نفسا سم ہوتا تھا۔ جب  
طی سادق سرھوئی ایلم الکوفرش پر رخ کر باڈی کی  
طرف ہوتی تھی۔ میرا مطلب ہے ان کے ناول کو دیکھو۔

ان دنوں ہر گھنٹے میں ایک دو آند لائبریری ہوا کرتی  
تھیں۔ ذرا ٹھہریے میں پہلے آند لائبریری کی وضاحت  
کردوں۔ آج کے قارئین کے لیے بہت ضروری ہے  
جس طرح آج کل کی کتابوں کا ایک رو دیا ہوتا ہے، اسی  
طرح ان دنوں مولدے کے ایک رو دیا ہوتا تھا۔ ایک آندے  
میں پڑھنے والے ان لائبریریوں سے کتاب ایڈو کر کے  
گھر لے جاتے تھے۔ اس دور میں اردو کا کبھی یہ حال تھا  
کہ انہیں دانت کو تھیں ایک آندے میں ایک دو کچھ دیکھ  
مطلایے کے ناول دیکھیں ان کے تین کتابوں کے بیشتر نے

اور جب ان کی مٹی کے ڈول "جاسوی دیا" اور  
"عمران سیریز" کا شروع ہوا تو سارے پڑھنے والے  
ان کو پڑھنے لگے۔ میں بھی ان دنوں اسکول میں  
پڑھتا تھا اور کبھی ہر سینیٹل ان دنوں کا مشرت ہے  
ہوتا تھا۔ میری دوست آپس میں چندہ کر کے دونوں ناول  
خرید کر لے جاتے تھے اور مگر کے لوگوں سے چھپ کر انہیں پڑھا  
کرتے تھے۔

اب... پڑھنے والوں کی تعداد نہ ہونے  
کے برابر ہو گئی ہے۔ اب تقریباً علی کے لیے حدود دو خراج  
ہیں۔ ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ نے سارے لوگوں کو اپنے  
چاندنی صدار میں بکڑ لیا ہے۔ اس صورت حال پر میرا ہی  
ایکہ شاعر ہے۔

ایک بی وی ڈی دتا ہے ہوا  
سب کتابیں حلیف پر خاموش ہیں  
اب گونگ آگ بات تک لڑی دیکھتے ہیں۔  
بکھوٹ کر گھبراہٹ میں چاہتے ہیں تو صیب پر چڑھ  
پڑتے ہیں۔ بے چاری کتابیں ہر دھڑکن پر ڈال رہی ہیں۔  
کتابوں کی انکی سے تقریری سے کتابوں کی اشتاعتیں بھی  
متاثر ہوئی ہیں۔ اب بیشتر دی کتابیں شائع کرتے ہیں  
جن سے انہیں قارئین کے امید ہوتی ہے۔ اس کتابوں میں  
تقریباً ان کی زیادہ تر ہیں۔ افسانوں کے مجموعے

نایاں یا خود کی شخصیات اور واقعات پر مبنی کتابیں۔  
دوسری نوعیت کی کتابیں اب بھی چھپی ہیں، جو خاص  
ادبی نوعیت کی ہوتی ہیں یا شاعری کے مجموعے۔ مگر اب  
منازع خور بیشتر کتب شائع نہیں کرتے۔ صاحب کتاب اپنی  
کتابیں خود شائع کر دیتے ہیں جن کی تعداد بہت محدود ہوتی  
ہے۔

شوبز کی شخصیات، حالات و واقعات پر مبنی کتابیں،  
کتابوں کا کاروبار کرنے والے ادارے کے بچے شائع  
کرتے ہیں۔ ان کتابیں زیادہ تر کاروبار میں شائع ہوتی ہیں  
جو صرف کم جوتھوں کی ہوتی ہیں۔ یا ان کو بچہ، تحصیل  
اخر اور قبل راکھی ایسے ہی چندہ جیسے دھڑوں کی کتابیں  
تیار کر دیتے ہیں۔ اب کتابی میں کچھ برسوں کے دوران  
کئی کئی کتابیں شائع کی گئی ہیں جن میں سب سے اہم نام  
ڈی کا پندری کا ہے۔ انڈیا ٹی وی پر بحث کرے۔ ان کی  
آند کتابیں ان کی زندگی میں شائع ہوئیں جب کہ ان کی  
وفات کے بعد بھی ان کی تین کتابیں ان کے بیشتر نے  
چھاپیں اور ان سے اپنی جوری کا بیعت لہرا۔

جس ادارے نے ان کی ساری کتابیں چھاپی ہیں  
اس نے ان کتابوں سے پہلے میری کبھی ایک ایک کتاب  
شائع کی تھی جو ان کا کاروبار، بیعت کا، قلم ساز، بکھوٹ اور دوسرے  
کام میں لگ رہا تھا۔

اس کتاب کے کھنڈے اور چھیننے کی بھی ایک کتاب ہے۔  
ایک بک سکر بیشتر اور ایڈیٹر نے قلمی صاحب ہوا کرتے ہیں  
جنہوں نے ایک دو ادبی اور انجمن کی ناکے اور ایک کچھ دوسرے  
ذائقہ، طویل عرصے سے نکال رہے ہیں۔  
انجمن، میں، میں نے بھی طویل مدت تک ہر سینیٹل ایک  
کتابی لکھی۔

ایک دن خالد علی صاحب کہنے لگے۔ "دیکھنا میرا  
لیوسٹ خاندان ہے۔ میں اس ایک کتاب شائع کرنا چاہتا  
ہوں۔ اس مقصد سے میں نے کئی قلمی مسانوں سے کہا کہ  
دیکھنا چاہیے ایک کتاب لکھ دو۔ سب نے ایک ہی جواب دیا۔"  
"کتاب لکھ دیا؟" یہ میرا سوال تھا۔  
"دیکھنا تو ایک آدھ ٹھنوں ہی لکھا جاسکتا ہے۔  
کتاب نہیں۔"  
"چھاپو؟" مگر کس خاموش ہو گیا۔  
"آپ بھی تو تم جیڑت ہیں۔" خالد بھائی بولے۔  
"کیا آپ کا بھی ایسا خیال ہے کہ دیکھنا پر زیادہ سے زیادہ

ایک ٹھنوں لکھا جاسکتا ہے؟"  
"نہیں۔ خالد بھائی میرا یہ خیال نہیں۔"  
تاکہ ایک دم خوش ہو گئے۔ پھر بولے۔ "تو کیا  
آپ دیکھنا چاہیے ایک کتاب لکھ دوں گے؟"  
"لکھ دوں گا۔ مگر۔۔۔"  
"مگر کیا؟"

"آپ جانتے ہیں۔ میں قلم کا حارور ہوں۔ لکھنا  
پڑھنا میری روزی روٹی کا سہارا ہے۔ میں بلا مواضہ یہ  
کام نہیں کر سکتا۔"  
"میں سطر "ڈی" کی کہتوں کا اعزاز ہے آپ کو  
اور دوسروں کو دیتا ہوں اس طرح اس شخص کتاب کا بھی  
آپ کو منتقل سادھوں گا۔"

"تو پھر لکھ ہے۔" میں نے کہا۔ "میں آج ہی سے  
اس کتاب پر کا شروع کر دوں گا اور ہر روز نوٹ لکھ گا۔"  
"ہاں ہاں مجھے معلوم ہے کہ اس کی کتاب کے لیے  
ٹیکسٹ اور گزٹ کی طرح اس طرح ہوتا ہے اس کے لیے  
آپ کو وقت تو درکار ہوگا۔"

یہ وقت تھا جب گولا سورج غروب ہو چکا تھا۔  
ایسے عروج اور چرخہ والی کا زمانہ کچھ دور اس عالم قانی سے  
عالم چندا کی طرف گزرتے تھے۔ جیسے میں ان کے بارے میں  
مجھے معلوم تھا کہ میں نے اسے خاص اعزاز اور اسلوب میں  
ان میں لکھنا شروع کر دیا اور پھر ایک دن کتاب مکمل ہو گئی اور  
میں اسے سودھ خالد بھائی کو کھادیا۔ وہ بہت خوش ہو گئے۔  
چاہے تو وہ حالات میں بدلے ہی تھے اسے اپنے محبوب  
فکار پر کتاب کا سودھ وصول کر کے بارے خوشی کے وہاں  
سودھ تمام لوگوں کا مدد کی شفا کرایا۔

بچہ دنوں کے بعد میں نے پوچھا۔ "دیکھنا" کی  
اشتاعت میں ملے ہیں؟  
"جی ہاں آپ کو قلمی فن میں بتا رہی ہیں۔"  
"کیوں؟ وہ کیوں بتا رہی ہیں؟"  
مسکراتے ہوئے بولے۔ "میں آپ کو بتانا بھول  
گیا تھا ان دنوں میرے پاس کتابوں کی جماعت کا بہت  
کام تھا۔ ہوا کیا ہے۔" دیکھنا کے لیے ان کی اشتاعت  
کے پر کر دیا ہے۔ وہ اب اس کتاب کو پرنٹ کر رہی ہیں۔  
"آصف حسن، خالد بھائی کے بچھے بھائی ہیں۔ ان  
کا وحدانی کام کتابوں کی جماعت و اشتاعت ہے اور ان کی  
کتابوں کی دکان میں ہے اور بازار میں۔ جو خالد بھائی کے

ایک چھپ میں خالد بھائی کے دفتر یا تو آصف حسن  
سے بھی دو پرنٹری کتب شپ کا لینا۔ بہر حال "دیکھنا"  
چھپ کر منظر عام پر آگئی۔ اس کی اشاعت 2010ء  
ہے۔ جو اس کتاب میں کچھ ایسی طرح خیر ہے۔  
ایڈیشن 2010ء۔ یعنی اس کے بعد بھی ان کی اشتاعتیں چھاپی  
جائیں گی۔ اس کتاب کی اشتاعت سے اس کے بیشتر کو  
خاطر خواہ ناکہ ہوا۔  
"دیکھنا" کی اشتاعت کے کچھ عرصے بعد ایک دن  
آصف حسن نے مجھے بتایا۔ "ڈی کا پندری میرے پاس آئی

ملہنا مسرگشت

زندگی نامہ

نام: جمیل احمد  
قلمی نام: ڈی کا پندری  
پیدائشی نام: ڈی کا پندری (بھارت)  
سن پیدائش: 18 اگست 1938ء  
والد: انجلیو رام احمد مرحوم  
تقدیم: ڈی کا پندری ایڈیٹر ایڈیٹر  
ملازمت: جوبلی ملازمت ایڈیٹر ملک بھر میں  
کی جہ 1962ء میں شروع ہوئی اور 18 برس تک  
جاری رہی اور دکان شروع کرنے کے بعد ختم ہوئی۔  
شاہی: 1956ء میں ہوئی۔  
الہی: باؤ ٹیک  
ادارہ: ان میں ساگر ادبیات، اشاعتی شادی شدہ ہیں۔  
کتابیں: گیارہ۔ کچھ ان کی زندگی میں شائع  
ہوئیں۔ جن میں انتقال کے بعد۔  
رہنے دار: دو بھائی اور دو بہنیں۔ جن میں ایک بھائی  
اور ایک بہن کا انتقال ہو چکا ہے۔  
انتقال پر حال: 2011ء کو کراچی میں ہوا۔

دفتر کے قریب ہی ہے۔ آصف حسن صرف ادبی کتابیں  
چھاپتے تھے۔  
میں ان سے ملاوڑ "دیکھنا" کے بارے میں پوچھا تو  
بولے۔

"اور بھائی اس قلمی کتابیں نہیں چھاپتا مگر بھائی  
جان (خالد بھائی) کے حکم پر اسے چھاپ رہا ہوں جو میری  
ای دکان سے ڈسٹری بیوٹ ہوئی ہے۔ یہ کتاب اس وقت پرنٹ  
میں ہے۔

اب جب میں خالد بھائی کے دفتر یا تو آصف حسن  
سے بھی دو پرنٹری کتب شپ کا لینا۔ بہر حال "دیکھنا"  
چھپ کر منظر عام پر آگئی۔ اس کی اشاعت 2010ء  
ہے۔ جو اس کتاب میں کچھ ایسی طرح خیر ہے۔  
ایڈیشن 2010ء۔ یعنی اس کے بعد بھی ان کی اشتاعتیں چھاپی  
جائیں گی۔ اس کتاب کی اشتاعت سے اس کے بیشتر کو  
خاطر خواہ ناکہ ہوا۔

"دیکھنا" کی اشتاعت کے کچھ عرصے بعد ایک دن  
آصف حسن نے مجھے بتایا۔ "ڈی کا پندری میرے پاس آئی

فروری 2018ء



چاہتوں کے سوسے لے کر آئے تھے اور کہا تھا۔ "بھری یہ کتابیں ہیں آپ چاہیے۔"  
 میں نے کہا۔ "میں صرف ادبی کتابیں چھانچا ہوں۔ فنی کتابیں نہیں چاہتا۔"  
 "مگر آپ نے انور پرانی کتاب تو چھپائی ہے، وہ تو کوئی ادبی کتاب نہیں غافل کی کتاب ہے۔"  
 "آپ نے اس کتاب اور فریاد کا دیا ہے نہیں چاہا۔ یہ کتاب دراصل میرے بارے میں بھائی خاندان میں ان سے کھائی گئی، وہی اس کتاب کا شائع کرنے والے تھے مگر بوجہ خوشی چھاپ گئے اس لیے اس کی ذمہ داری مجھے منوب دی اور بطور بخیر میں نے چھاپی۔"  
 اس کے بعد آصف صحن نے مجھے جو کچھ بتایا وہ بڑی

چاہتوں کے سوسے لے کر آئے تھے اور کہا تھا۔ "بھری یہ کتابیں ہیں آپ چاہیے۔"  
 میں نے کہا۔ "میں صرف ادبی کتابیں چھانچا ہوں۔ فنی کتابیں نہیں چاہتا۔"  
 "مگر آپ نے انور پرانی کتاب تو چھپائی ہے، وہ تو کوئی ادبی کتاب نہیں غافل کی کتاب ہے۔"  
 "آپ نے اس کتاب اور فریاد کا دیا ہے نہیں چاہا۔ یہ کتاب دراصل میرے بارے میں بھائی خاندان میں ان سے کھائی گئی، وہی اس کتاب کا شائع کرنے والے تھے مگر بوجہ خوشی چھاپ گئے اس لیے اس کی ذمہ داری مجھے منوب دی اور بطور بخیر میں نے چھاپی۔"  
 اس کے بعد آصف صحن نے مجھے جو کچھ بتایا وہ بڑی

اہم بات ہے۔  
 "انور بھائی! میرے انکار پر یوں کہ مجھے وہ اندر سے طرے زدگی ہو گئی ہے۔ ان کے سچے بے پران کی اندر دلی کیفیت تو میری سچے بے پران کی جڑ تک ایا کہ مجھے وہ داسے صدمے کے بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے۔ میں نے غمیرا کر ان سے کہہ دیا۔ "اچھا کیا ہے۔ آپ اپنے مسودے پھوڑ جائیں۔ میں آپس میں پڑھ کر آپ کو کھانا لگاؤں گا۔"  
 اس کے بعد ان کی طبیعت ٹھہر گئی۔ متوجہ دل کا دورہ لگ گیا۔  
 "آصف صاحب!" میں نے ان سے کہا۔ "دشمنی کا پندری سب سے بڑھتے جڑت ہیں۔ ان کے پڑھنے والوں اور انہیں پند کرنے والوں کی بہت ہی تعداد ہے۔ آپ باخواروں کی کتابیں شائع کریں۔ انشاء اللہ ان کی کتابیں باخوار ہاتھ تک جائیں گی۔ آپ کو کاروباری طور پر نقصان نہیں ہوگا۔ ٹھیک ٹھاک فائدہ ہوگا۔"  
 "میرے دوست مراد لاٹھی نے بھی اس بات کی یقین دہانی کی ہے کہ دشمنی کا پندری صرف فلم رائٹرز ہیں۔ ان کتابوں کی اشاعت ہوئی جاوے۔"  
 "جی ہاں۔" میں نے کہا۔ "انہوں نے یہ خاصا شکوہ ہے اور بہت اچھے مصلوبی اور دلچسپ مضامین لکھے ہیں جو سبکی صورت میں سامنے آ جاتا ہے۔"  
 "در اصل بات یہ ہے کہ مجھے گھمن اور غم والوں کے بارے میں معلوم نہیں۔"  
 "جن لوگوں کو معلوم ہے۔ ان کا قتل عام حاصل کریں۔"

لکھیں ہو سکتا۔ میرا موقف یہ ہے کہ جب آپ میری تحریریں چھ کرکنا نہیں گے تو اس میں میرا ایک منقول حصہ ہونا لازمی ہے تو یہ بات نہ سمجھیں کہ میں پبلشرز اس حق سے معصیتیں کو خود نہیں کرتے۔  
 پورپ امریکا اور بہت سے ممالک کے پبلشرز معصیتیں کو ان کا باختریں ادا کرتے ہیں۔ یہ تو ہمارے ملک کا ہی اور یہ ہے کہ جہاں دیگر شہروں میں لوٹ مار کا بازار گرم ہے وہاں کتابیں شائع کرنے والے پبلشرز کے امداد سے انہیں تحفے والوں کو اپنے اہتمام کا نشانہ بناتے ہیں۔  
 سنا کہ وہ دہائی کی بات ہے۔ اس کے بعد انہیں گنت میں میری کتابوں کی ایک کمان میں جہاں اکثر شائع کے وقت شہر کے ادیب و شاعر آ جاتے تھے۔ ایک دن خرم محمد کی شادی شریف لائے تو ایک کتاب پر نظر پڑے تھے۔  
 "یہاں تو ذرا یہ کتاب تو کھانا۔"

میں نے ریکی سے اتار کر وہ کتاب چھادی۔  
 "یہ کچھ چھاپی کی کتابیں ہیں۔ ان کا صاحب نے اپنی چھاپی کے دفتر میں پرچہ چھاپی کے فرنی نام سے کچھ کتابیں بھی منی جڑت قبول ہوئی مگر جب پرچہ پڑا نہ کھفت ہو گیا کہ یہ پرچہ چھاپی دن سے تو شادی کا صاحب نے ان کتابوں کا سلسلہ بند کر دیا۔ بعد میں لاہور کے ایک پبلشر نے انہیں کتابی صورت میں چھاپا۔ شادی کا صاحب کتاب و افٹ پبلشر کو بھیجے کہ بعد کر لے لگے۔  
 "دیکھو۔" انہوں نے کتاب کو دکھاتے ہوئے کہا۔  
 35 سال سے یہ لوگ اس کا پہلا ایڈیشن ہی چھاپ رہے ہیں۔"

واقعی میں پہلا ایڈیشن ہی کھانا تھا۔  
 "35 سال پہلے چھپنے والی کتاب کی اتنی ہی تروتازہ ہوتی ہے۔"  
 "جی ہاں۔" میں نے کہا۔ "میرے ہاں لکھنے والوں کی جن کتابوں کا سلسلہ چھاپنا تھا کہ پورپ امریکا میں پبلشرز کا شوق دیکھ ہی بہت پرانا ہے۔  
 دشمنی کا پندری ایسے رائٹر نہیں، بہت وسیع القاب انسان ہیں۔ میں نے اپنے ایک فائدہ مند دوست ڈال کر اپنے پبلشر کو اپنی زرعی میں بھی اور اپنی موت کے بعد بھی فائدہ پہنچانے دے۔ یہ کتاب پرچہ جو اس طور پر کھانا ہوا ہے۔  
 "ملا حقوق پبلشرز کو۔" جس کا مطلب یہ ہے کہ کتاب کے پبلشر کا جائزہ ہے۔ وہ زندگی بھر اسے چھاپ کر اپنی

دشمنی کا پندری میں عالم شام میں شیلی ہی عشق کی کاہلی میں اس قدر بے قرار ہوئے کہ انہیں سکون دل کے لیے عاشق مولیٰ بہزاد لکھنوی کے ہاتھ پر جانا پڑا۔ بہزاد صاحب کے قندوس پر جا کر ہے تو بہزاد صاحب نے بڑی شفقت سے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اٹھا کر دیا۔ وہ لپک ڈھکی کے بے قراروں کو فریاد اور ان کی دلچسپی میں اپنی دلچسپی۔ اب ان کا بچہ بہزاد صاحب کی ذات اور ان کا آستانہ تھا۔ انکی وہ کہیں ملازم نہیں تھے اس لیے ان کا زیادہ وقت بہزاد صاحب کی خدمت میں گزرتا۔ وہ ہر طرح بہزاد صاحب کی خدمت کرتے۔ ان کا دل ان کا ایک ذاتی خدمت کا تھا کہ جب دشمنی کا پندری ہوتے تو صرف وہی ان کی خدمت کرتے۔ بہزاد صاحب بھی ان کی بہت مہربان تھے۔ بہزاد صاحب نے دشمنی کو شامی کے دوستوں کے شاعر کہتے۔ کہتے تھے۔ وہ اپنے پیروں کو ان کا ہاتھ رکھاتے۔ وہ ان کی اصلاح کرتے۔ دشمنی کا پندری کو شعرا شاعری سے رغبت انتہا ہی سے تھی۔ بہزاد صاحب کے آستانے پر ان کی طبیعت شاعری کی طرف اور بھی راجع ہو کر آتے اور ان کی خدمت کے ساتھ دشمنی بھی کرتے رہے۔ وہوں کا ساتھ اس وقت چھوڑ دیا۔ بہزاد صاحب اپنا کتان باندھنے کو ان کو تسلیم سوائی لکھنے ہو گئے۔ اور دشمنی کا پندری بھی کاؤن دن سے قائم آ رہا ہے۔

تجدوی بھرتے رہیں گے۔ ان کے بعد ان کے بچوں کو اس حق سے ان کے حقوق پیش ہو جائیں گے مگر معصیت یا کوئی نریر نہیں ہوگی۔  
 دشمنی کا پندری سے میری بہت پرانی شامی کی۔ پہلے پہل اس کی تحریروں سے شے کا اتفاق ہوا۔ جب میں جناب میر حسین نے ملی جڑ سے ماہتا۔ "قلم انشیا" اور بہت تھوڑے عرصے میں پرانے سماجی تھے۔ دوستدار نے انہوں نے کھائے۔ اردو کے بھی اور انگریزی کے بھی مگر زیادہ متحول انہیں "قلم انشیا" سے اور بہت زیادہ مقبولیت "اخلاقیان" سے حاصل ہوئی۔ "اخلاقیان" خاص کرک کا کچھ نہیں تھا۔ خیر میں کی شاعت اردو دشمنی کی

حیثیت سے بھی ہوئی ہے۔

ایک دن انہوں نے مجھے ایک مضمون دیا اور کہا۔  
"اسے پڑھ کر بتا کیسا ہے؟"

میں نے پڑھا اور زبان و بیان کے اعتبار سے بھی۔ میں نے مزید  
بھائی سے کہا۔ "بہت اچھا ہے۔"

"تلم انیشا کے آگے واسے شادہ میں شائع  
کر دیجئے۔"

یہ دینی کا پھیری کی پہلی تحریر تھی جس سے میری پہلی  
ملاقات ہوئی تھی۔ اس مضمون کی اشاعت کے بعد ہر ماہ  
ایک نئی تحریر بھی مجھے بھائی کے توسط سے ملتی جو دینی کا پھیری  
صاحب کی ہوتی تھی۔ وہ وہ ہیں؟ کب آپ تحریر کریں؟  
بھائی کو دے جاتے ہیں؟ مجھے اس کے بارے میں کچھ معلوم  
نہیں تھا۔ میں نے کبھی پوچھا بھی نہیں۔ بہت بعد میں مجھے  
معلوم ہوا کہ دینی صاحب کی زندگی اور دانا خانہ تحریریں انہی  
آپ کے مابین کے توسط سے آتی تھیں۔ پھر وہ خود آکر  
دے جاتے تھے۔

آج کے کارکنین کے لیے ایم اے مفتی صاحب کا  
تعارف کرنا بھی ضروری ہے، ان کی بیوہ محترمہ تم بٹلی کے  
ماہر کی حیثیت سے بھی۔ وہ بھی کی تعلیم انگریزی سے وابستہ رہ  
چکے تھے۔ وہاں کی پیشہوروں کے علاوہ ڈاکٹر قائم "کپا"  
کی بھی انہوں نے زیر دست تشہیر کی تھی۔ اس زمانے میں  
آج کی طرح تیل کی قلت تھی، نہ پرنٹ میں نہ کتابت میں  
تھاپا اس کی ضرورت تھی۔ بٹلی کا کام بہت مشکل تھا جو ان کے  
مفتی صاحب پر بھی خوش اسطری سے انجام دے چکے تھے۔  
پرمیٹر کے بنوارے کے بعد وہ پاکستان آئے اور انہوں نے  
کچھ پاکستانی قلمروں کی بھی پہچانی کی پھر سرائے زیدی  
کمرانے لگے۔ وہ تلم انیشا میں اکثر اپنی زندگی بسر کرتے  
کرتے تھے۔ سیمینسٹن کی طرح کچھ ماحول سے ان کے  
ایکھ اور دستانہ مرصع تھے۔ مفتی صاحب ہم آذر کارچی  
میں رہتے تھے۔ اب یہ شخص انتہائی اچھا کہ دینی کا پھیری ان  
کے ہندوئی تھے۔ دینی کا پھیری آکٹوبر 1947ء میں پاکستان  
آئے تھے اور مختلف محلوں اور وقتوں سے ہر وقت آخر  
کار ہم آباد میں رہائش اختیار کر چکی تھی۔ ہندی جب ایک  
بارے میں معلومات حاصل ہوئی ہیں۔  
دینی صاحب سے مفتی صاحب نے وہاں سے پوچھا۔

"آپ کا کیا مشغلہ ہے؟"

دینی صاحب نے کہا۔ "تعلیم سے فارغ ہو کر  
وکالت کر رہا ہوں اور کچھ لکھنے لکھانے کا شوق بھی ہے۔"

"پڑھائی آگئی بات ہے کہ کیا لکھتے ہیں؟ آپ  
پہلے تو وہ ڈراما لکھتے، پھر لکھتے ہوئے لے۔  
"تلمی مسلمان لکھتا تھا۔"

"وہاں میں شائع کیوں کی بات ہے؟ کہیں جی  
بھی ہیں تمہارا پڑھائی؟"

"نہیں۔" دینی بولے۔ "میں یہاں کسی کو نہیں  
جاتا۔ نہ ہی مجھے کوئی جانتا ہے پھر پیسے چھپانے کی بات  
کیسے ہوگی۔"

"مجھے ہے کہ کسی تعارف کی ضرورت نہیں۔" مفتی  
صاحب بولے۔ "تحریر کا اچھا ہونا ضروری ہے۔ اچھی تحریر  
خود اپنا تعارف ہوتی ہے۔"

پھر مال اس مفتی حضور کے بعد مفتی صاحب  
بولے۔ "اپنی کوئی تحریر مجھے دیں۔ میں اسے اشاعت کے  
لیے کسی کو دے دوں گا۔ میں کوئی تو چھپ جائے گی انہی  
نہیں ہوگی تو دینی کی کوئی کی ضرورت کچھ نہیں جانتے گی۔"

اس طرح دینی کا پھیری کا پہلا مضمون 1987ء میں  
انہما۔ "تلم انیشا" میں شائع ہوا جو آذربائیجان اور ہند کرش پر  
لکھا گیا تھا۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس وقت دینی کا پھیری اپنی  
عمر کی گولڈن جوبلی منان رہے تھے۔ حاکم کو لکھنے والے  
اس عمر میں بھلا کتنا کڑے کر دے ہیں مگر دینی کا پھیری نے اس  
وقت لکھنے کی سطر سے انعام دے دیا۔  
روزہ اخبار جہاں کارچی میں بھی دینی کا پھیری کے مضامین  
مفتی صاحب کے توسط سے پہلے۔ ان خبروں میں اپنی  
جان کی گارنٹی دینی صاحب کے ذریعے نہ بھی تھا۔ جیتا  
بھی شائع ہو سکتا۔

ان مضامین کی اشاعت کے بعد دینی صاحب کے  
مضامین کی اشاعت کا بنیادیں سلسلہ شروع ہو گیا۔ وہ مختلف  
اخبارات و رسائل میں پابندی کے ساتھ چلتے رہے۔ جن  
میں روزنامہ جنگ، اخبار جہاں اور تلم انیشا کے علاوہ  
روزہ نگار کارچی، ہندو روزہ و قاسم، بامیانہ کی دی گائے،  
بامیانہ رودان کارچی، بامیانہ صبح تو کارچی، بامیانہ روپ  
کارچی، بامیانہ نوے سو کوئٹہ، انار ڈسٹ کارچی، آواز  
دکن، کوہلی جریدہ دیانے ادب کارچی کے ہر دو تہائی دو تہائی

ہم کہ سبیا کھنڈی کے جریدہ انکار کے جوشی نمبر میں بھی  
دینی کا پھیری کا جوش کی کئی نمونہ گائے مضمون شامل ہے۔

ایک وقت آپ دینی کا پھیری کے دربار ملاقات میں  
ہے تھیں۔ یہ وہ وقت تھا جب بھائی لاس بھمبوری کو  
انکار پڑا کہ بعد مجھے ہر ہفتہ ایک دن ہنگامہ کے دفتر کا  
کاروبار سنبھال دیتا تھا۔ ادارہ کے علاوہ میرا ایک مضمون یا  
کالم بھی پڑھتے تھے، ہونا تھا جو میں کبھی کبھی کر لے جاتا  
تھا۔ اس دوران بھائی دینی کا پھیری سے کچھ پورا پورا  
مضامین لے کر آتے جاتے تھے، ہر روزی ملاقات ہو جاتی تھی۔

عام لوگوں کے مقابلے میں قلم قبیلے سے متعلق کچھ  
والے لوگ مجھے اپنی طرف راغب کرنے میں زیادہ کامیاب  
ہوتے ہیں۔ بشرطیکہ ان کا مزاج میری طبیعت سے زیادہ  
عقلمند ہے۔ وہ بھی میں طرح دینی کا پھیری کی تحریروں سے  
سنہ قاضی طرح بکدا اس سے بھی کچھ زیادہ ان سے کہہ کر  
مجھے اچھا کہ پڑھتا ہوں۔ یہ میری اچھائی ہے۔ یہ بالی کہ کس اصل  
فطرتی ہے، نہیں، ان کی تحریروں میں مجھے جیسے اور اس موضوع  
دینی کا پھیری کی تحریروں میں مجھے جیسے اور اس موضوع  
سے پھر پورا انصاف کا احساس ہوا۔ ان کے نوید و ہر مضامین  
چمکے فطرتی فطرتی سے متعلق ہوتے تھے جن کے بارے میں  
کچھ فطرتی فطرتی سے متعلق ہوتے تھے جن کے بارے میں  
تحت کرتے تھے اس لیے ان کی تحریروں میں اتنی حد تک بہت  
سے لوگوں کو بہت چارلانا کر دیا۔ ہالیا۔ میں بھلا اس بات کا  
اعتراف کروں گا کہ ان کو محرومان پر میں نے حوالے کے لیے  
ان کی تحریروں سے اس کتاب کیا ہے اور اس لیے کیا ہے کہ ان  
کی تحریروں کو بہت محترم ہوتا ہے۔

اردو کی قلم جہازوں کے حوالے سے جب بات ہوئی  
تو یہ زبان بامی ہوئی ہے۔ ہمارے یہاں اس مجھے کو اہمیت  
میں نہیں دی گئی۔ جیسا وہ ہے کہ بہت کم اچھے لکھنے والے  
کچھ آتے۔ یہ جیسے وقت کرتے کہ شوبہ کی اشاعت کا  
معیار ہے۔ بہت تر ہوتا گیا۔ اچھے اخبارات و جرائد  
کے ساتھ ساتھ میری قلمی نیاں نیاں بڑھ گئے۔ اب تو  
یہ عالم ہے کہ قلم جہازوں سے وابستہ صحافیان کی اکثریت صحیح  
تعلیمی نہیں کھیتی کھیتی کہ جو موضوع کچھ لکھتے ہیں ان کے  
کے پاس مواد بھی سوجھ بوجھ ہونا ہوتا ہے کہ توش کے لیے  
کوشش بھی نہیں کرتے۔ لکھنے کے لیے پورا ضروری ہوتا  
ہے جو آج کے معاشرہ ضروری نہیں سمجھتے۔ دینی کا پھیری کے  
پاس نہ صرف کتابوں اور جرائد کا ذخیرہ تھا بلکہ وہ کتب

دینی کا پھیری کا مضمون جاری ہے

دینی کا پھیری کی کوئی اولاد نہیں ہے جس کی اس لیے  
وہ اپنے چھوٹے بھائی کے ساتھ اجزاء سے نہیں کا پھیری کو  
اپنے بیٹے کی طرح چاہتے تھے۔ اسی لیے اس کی تعلیم و  
تربیت میں ان کا بڑا حصہ ہے۔ ان کی ذہنی و جسمانی تعلیم  
کا پھیری نے کبھی نہیں تک تعلیم حاصل کی۔ ان کا بچپن  
بھی ان سے بہت کچھ تھا۔ یہ اور ان کے مضمون شروع  
ہوتے ہوئے اس نے بھی جن 2011ء میں لکھا شروع  
کیا۔ اب تک اس کے 50 مضامین اخبارات و میگزین  
کی زینت بن چکے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے دینی  
کا پھیری کے مضمون جاری رکھنے کی نیت سے قلم کا داری  
شروع کیا ہے۔ وہ بھی کچھ کے علاوہ وقت خواتین کے  
مضمون ہیں اور کچھ تیرا بہت نادر اور وقت خواتین کے  
متعلق میرا بھی سڑا جاری رہے گا۔ فیصل کا پھیری شادی  
شروع اور مضمون چھپوں کے لیے ہیں۔

حضرت بہار اقصیٰ کی قلمی زندگی

عام لوگ حضرت بہار اقصیٰ کو ایک صوفی مشائخ  
اور عاشق رسول کی حیثیت سے جانتے ہیں مگر دینی  
کا پھیری جانتے ہیں کہ حضرت بہار اقصیٰ نے بھائی کی  
45 قلموں کے قلم کیسے بھی لکھے۔ ان کی ایک غزل

جلال آباد آیا ہوں گروہی نہیں

آج آنکھ سے حق سے کہ جانی ہے۔ یہاں پھیری  
پہلی قلم اور ہمدانیت کا "آہ" میں شامل ہے۔ دینی کا پھیری  
کو خود بہار اقصیٰ نے اپنی اچھا ایک دن رات کچھ لکھنے  
اسوچوچے ہوا کہ لکھنے لگا۔ میں ایک قلم ہمارا بھائی جس کا  
نام میں نے "آہ" رکھا ہے۔ آپ اس کے تھے۔ لیکن  
الہاں مجھے ایک ایک غزل چاہیے تھے میں کبھی کی کہانی میں  
رکھا کہ ان کا کس کس کو مفتی کا مفتی کا مفتی کا مفتی دہی کے۔  
وہ مجھے اپنے ساتھ لے گئے اور میری ساری جوش بھائی میں  
دے دیں جیسے مجھے یہ غزل تھی۔ دانی بہت کچھ دینی  
ہوئے ہیں تو قلم "آہ" کے تمام کیت بہت ہند کے مگر  
یہ غزل سے متعلق ہوئی۔ یہاں غزل کا دینی کا کس کس کس  
تھوڑا کچھ دینی میں غزلوں میں شائع ہوئے۔ ہمارا وہ اب  
مفتی خیر کا ایک کہنا ہے کہ ایک کاتل غزل ہے۔ ان کا یہ  
کہنا ایک سنو کی حیثیت سے لکھا ہے۔

خانوں اور لائبریریوں سے بھی اپنے لیے تحقیقی مواد حاصل کرتے تھے۔ جب کہ موجودہ محفیتوں سے بلاشبہ ملتا تھا کہ اگر کسی ان کے بارے میں معلوم بات نہیں کرتے تھے۔ یہ بات غلطی دے کر انہوں نے جن محفیتوں کے بارے میں تحقیقی مضامین لکھنے ان میں سے کچھ ایسی تھیں جو کوشش کی تھیں۔ انہیں ڈھونڈنا اور ان کے بارے میں ان کی تنقید کرنی تھی۔ لکھا تھا کہ حقیقتاً بڑے جان جو کہوں کا کام تھا جوڑی کا پتہ دینا۔

ذکی کا پتہ دینے پر سیر پندرہ پاک کے نقد نگاروں سے تحقیق کی مضامین نظم بند نہیں کیے۔ موسیقاروں، گلوکاروں، گلوکاروں، اداکاروں، فلم سازوں اور جاہلیت کا رازوں کے بارے میں بھی متعدد محفیتوں پر لکھنے کے ساتھ ساتھ نیکروں متعلق موضوعات پر مضامین لکھے ہیں۔ ایک دن میں نے ان سے کہا۔ ”آپ اپنے مضامین کتابی صورت میں شائع بھی نہیں کرتے؟“

”اس سے کیا ہوگا؟“ انہوں نے پوچھا۔

”اس سے یہ ہوگا کہ دستاویزی صورت میں محفوظ ہو جائیں گے۔ شائع ہونے سے بچ جائیں گے۔“

1987ء سے تادم مرگ وہ لکھتے رہے، لکھتے رہے، بقول شاعر

لکھتے رہے جنوں کی خاک بستا خوں پکایا  
دو لکھتے رہے اور اذخارات و چراغ کشان کی گزیری

شائع ہوتی رہی۔ اس کے ساتھ ہی وہ ان مضامین کو کتابی صورت میں شائع کرنے کی نیت سے انہیں ترتیب دیتے رہے۔ انہی دنوں کی کتاب ہے۔ انہوں نے ایک دن مجھ سے کہا۔

”میری تحریروں کے بارے میں اپنے تاثرات لکھ دیں۔“

اور ان سے جب آپ کی ملاقات ہوئی تو میں نے ان کی تحریروں کے علاوہ ان کی شخصیت کے بارے میں بھی اپنے محسوسات ایک مضمون کی صورت میں لکھ کر انہیں پیش کر دیے۔

”اگر لائفے جا ہوا میری کتابیں بھی شائع ہو سکتی تو ان میں سے کسی ایک کتاب میں، میں آپ کی تحریروں شامل کروں گا۔“

اور جب وعدہ جب ان کی کتابوں کی اشاعت شروع ہوئی تو میری یہ بات اثراتی رہی انہوں نے اپنی ایک کتاب میں

شال کی۔ ان کی اس کتاب کا نام ہے ”ذکر جب چمکا“ اس کتاب کی سب اشاعت 2008ء ہے۔ یہ ذکی کا پتہ دینا کی تیسری کتاب ہے۔ اس سے پہلے شائع ہونے والی کتابیں ہیں۔

- 1۔ مجھے یاد ہے ذرا ذرا
- 2۔ پری پیرے
- 3۔ اور ان کے بعد شائع ہونے والی کتابیں ہیں۔
- 4۔ ذکر نکار کے
- 5۔ درد کوئی گئے
- 6۔ یہ باتیں تری نے فرسائے تھے

ان کے وقت قحط ان کی کتابوں کی اشاعت کا دمک کوئی لینے کو تیار نہیں تھا پھر وہ وقت آیا جب ان کی کتابیں، چھاپنا شروع ہوئیں تو ایک کے بعد ایک چھپتی چلی گئیں۔

مجھے ان بات کی خوشی ہے کہ میں نے انہیں ان کے مضامین کو کتابی شکل میں شائع کرنے کا جو مشورہ کیا وہ تھا اس پر عمل پیرا ہوئے اور ان کے وہ مضامین جو بیڑی عرق ریزی کے بعد لکھے گئے تھے وہ تک ہونے سے بچ گئے۔ فلم کے حوالے سے اردو زبان میں ایسی کتابوں کی بے حد ضرورت ہے، جو فلمی صنعت کے غلاب فلموں کی درست رہنمائی کر سکیں۔

ذکی کا پتہ دینا کی شخصیت کا تعقیب کئی جائزہ لینے سے پہلے میں جہاں باتوں کو ان کی ابتدائی زندگی اور جدوجہد کے زمانے کی ایک خوبصورت روپ کو دکھاؤں۔

پاکستان 14 اگست 1947ء کو عالم وجود میں آیا تھا جس کے دو بچے بعد ہی ذکی کا پتہ دینا کی بھارت سے ہجرت کے اس سال ان کے داخلے ہوئے۔ 1959ء میں ان کی روز سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ میٹرک کے بعد تعلیمی سلسلہ جاری نہ ہو سکے کیونکہ اس وقت ان کے حالات بدتر نہیں تھے۔ انہیں ملازمت کر کے اپنے آپ کو سہارا دینا پڑا۔

1962ء کا تھا۔ اس دور کی کہ بعد ان کی مشکلات آہستہ آہستہ کم ہو گئیں۔ ان کے دل میں آگے بڑھنے اور کچھ کرنے کا جوش و جذبہ تھا اس لیے دس سال بعد یعنی 1969ء میں جب ان کے حالات کی تدریجاً بہتر ہوئے تو

انہوں نے اس سلسلہ میں انٹرنیٹ پر داخلے کر کے دوبارہ تعلیمی سلسلہ شروع کر دیا۔ 1973ء میں اس کا کتبہ طالب کی حیثیت سے کریمپنٹن میں پھر 1976ء کریمپنٹن کے ایس ایم اے کالج سے ایل ایل بی کا امتحان پاس کیا اور 1978ء میں جامعہ کراچی سے بطور پرائیویٹ طالب علم اردو میں ایم اے کیا اور جب وہ ایم اے ایل ایل بی ہو گئے تو انہوں نے 1980ء میں ایک بحریہ کی 18 سالہ ملازمت سے استعفیٰ دیا اور کائنات شروع کر دی۔

وہ جو مرتضیٰ سہیل نے بھی کیا تھا۔

”بے مشغلی تھی جاری چھپنے کی شغف بھی اک طرف تھا ہی حالت ذکی صاحب کی طبیعت بھی تو کچھ ایسی ہی حالت ذکی صاحب کی بھی تھی۔ ملازمت بھی، تعلیمی مصروفیات بھی اور ساتھ ساتھ لکھنے اور چھپنے چھپانے کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ کئی بچے ہیں اگر محنت کی جائے تو کبھی رازیاں نہیں جانی۔ ذکی کا پتہ دینا کی تمام تر سائنسی حالات کے باوجود ذکی اور اردو ادبی داری کے ساتھ جو جدوجہد اس کے نتیجے میں انہیں کا سامنا کرنا پڑا۔ انہیں تعلیم حاصل کی۔ وہ کائنات کا پیشہ اختیار کر کے عزت زندگی بھر کی اور متعدد کتابوں کے مصنف بن کر اہم دور تک اور پھر تک شہرت اور تجلیات حاصل کی۔

بقول سرور انور

جو زمانے میں مدت نہ ہارے  
اپنی تقدیر جو خود سنوارے  
اس جہاں میں امی کے بیٹے  
کامیابی قدم پونچتی

انہوں نے اپنے آپ کو قصتان اور اپنے ہمشیر کو اس لیے قائم و یکتا کر کے قصتان کا پیشہ نہیں تھا جو مجھ جیسے قلم کے مزدور کے لیے ممکن نہیں۔

مجھے بے تعلیم ہو کر اس کا عمل ناممکن امر ہے تو میں سوچنے لگا۔ وہ ذکی کیسے ہو گئے۔ میں نے ان سے اس بارے میں نہیں کہا کچھ عمر کوئی ہونے کے ناطے اس کو کون میں لگ گیا اور ان کا فرمایا ہے سوال کا جواب نہیں لیا۔

جب آتش خورشید تازہ تو اس کے ساتھ کسی کی ہوا جو عام طور پر جوتی کے ایام میں جانوں کا ہوتا ہے۔ کسی پرانی چہرہ پر ان کی نظر ہی اور ان کے دل نے کہا۔

سافر عمر سے ہاتھ سے لیکر کچھ چائیں  
میں تو کل کے سافر عمر میں ہر ایک کا وہ ترین شہر

## عظیم موسیقار۔ عظیم تر انسان

نوشاد صاحب کو عظیم موسیقار کہا جاتا ہے۔ وہ بڑے میڈک ڈائریکٹر ہیں تھے بہت بڑے انسان بھی تھے۔ ذکی کا پتہ دینا نے ان کی محنت کی بکھر تھیں بھی ہیں۔ گلوکار محمد رفیع نے جب اپنی بیٹی کی شادی کر تو اس کے لیے ایک بڑا شادی کی ایک کرایا نوشاد صاحب کو معلوم ہوا تو انہوں نے رفیع سے کہا۔ بیٹی کو اپنے گھر سے رخصت کرو جہاں اس نے اپنی زندگی کے دن گزارے ہیں۔ محمد رفیع نے اس مشورے پر عمل کیا۔ بال کی جنگ مسرگوشٹ اور سارا انتظام گھر کر آیا اور یہیں سے بیٹی کو رخصت کیا۔ بات جس نے بھی ذکی نوشاد صاحب کی تعریف کی۔ ذکی صاحب بتاتے ہیں محمد رفیع کی شادی بھی نوشاد صاحب کے انتخاب پر ہوئی تھی۔ محمد رفیع کا سارا کھانا لاہور میں رہتا تھا اس لیے تہائی نہیں کو لکھا جاتی تھی اس لیے نوشاد صاحب نے ہی محمد رفیع کی شادی کر دلی تھی۔ اسی طرح نوشاد صاحب نے نذر گلہ رکھیل بدایونی کا بھی ساتھ دیا تھا۔ نوشاد بدایونی اپنے آخری ایام میں بیمار ہوئے تو نوشاد صاحب نے انہیں اسپتال میں داخل کرایا اور ان کی طبیعت اچھی طرح تندرستی کی کردہ جائزہ نہ ہو سکے۔ نذر گلہ بدایونی اور محمد رفیع کی موت کے بعد دونوں گھروں کی دلچسپی بھال دینا نوشاد صاحب نے ہی کی۔

## قلم آگ کی نفل

زندہ ہوں اس طرح کہ تم زندگی نہیں جانا ہوا ہوں مگر زندگی نہیں ہے چاند یہ فضا ہیں ہمارے نامہ جب تو نہیں تو ان میں کئی دھنسی نہیں کو دھنسی ہوئی ہیں کسی سے جدا ہوئے لیکن یہ دل کی آگ ایک بھی نہیں ہوتی ہے پاس آئے کسی کی چال ہے دل کا یہ معاملہ ہے کوئی دل کی نہیں آئے کو آچکا تھا کھارہ بھی سکتے رہ اس کے پاس ہی میری نیا کئی نہیں

ان پہ پڑتے ہی نظر زور سے دھڑکا میرا دل  
کیا ہوا پوچھا تو کہیے کجا جاکس جاکس  
کچھ کہی ہی نہ گیت جواں سال جھل ابرہ کی تھی۔  
میں اس قدر سے زور دھڑکتا ہوا جانے کی کوشش کی  
میں صدائوں کی کما ماب نہ ہو سکے۔ نئے دور کی نئی  
کی بوئیاں ہوتی تھیں۔ بے جھجکوں کو لٹ نہیں کرتا۔  
میں بوئیاں کو سن کر تھم رہی تھی۔ کون اس کے ناز گردان  
کھال کے گے۔ کس کی جیب تھی بھاری ہے۔ کس کے  
کاؤنٹ میں کتاباں ہے؟

ہمارے جنوں نے جب یہ کہہ کر ہوا کہ ”نوسمانہ چاندی  
تجھ کو میں دے سکوں گا۔“ تو ظاہر ہے اس امتحان  
میں ہل ہو گئے ہوں گے۔ لیکن انہیں ریجیکٹ کر دیا ہو  
گا۔ میں یہی ہوا جو اس طرح کے حالات میں  
ہوتا ہے۔ احساسات زخمی ہو گئے۔ جذبات زخمی ہو  
گئے۔ نا کا دل زخمی ہو گیا اور وہ خود بھی زخمی ہو گئے۔ یہ ہے  
کہ زخمی کا پھور میں بیٹے کی اسٹوری۔

مبارک ہے! ہاں انیسویں صدی کی ناکامی پر راقیو کا کام عاشق  
ان کا جاک (جنگل) کے مچھلی میں گھل جاتا ہے یہ  
شور مچا کر دیتا ہے۔ (میرزا حسن نے راقیو کی آسان راستہ  
اور ان کی ناکامی محبت کی خوشنالی شورش کر کے  
اور اپنی شاعری کی اصلاح کے لیے بہادری گھنٹی  
بجیتے کا خواب کیا۔ بہزاد صاحب بھی جانتے تھے۔  
کچھ دے جاتے۔ عاشق کی سہارا کیا۔ کچھ  
استاد کیا۔ بار بار کہنے سے ان کی اصلاح کرتے  
اپنے ٹوٹے ہوئے دل، دشمنی کی پکار۔ اپنے  
اصلاح بھی جانتے تھے۔ پھر اس جیسے پر پھینچے  
ہے۔ دل کی چیز کی اور بھی کم نہ مل!  
میرزا حسن کی پیش زدست کے مشکل مشکل  
کی کوبوری کی پھیلنے کے عمل طور پر کھنکھائی تھا۔

دلوں کے بعد وہ اپنے پر پونے ہمایا کر کاروبار  
 وادوبارہ کر مگر عمل ہو گئے۔ ان میں ہی خوبی ابتداء  
 کہ وہ مشکلات سے گھبرائے نہیں تھے نہ جدوجہد  
 چراتے تھے۔ ان کی زندگی کا بہت بڑا حصہ حالات  
 اور تغافل، ہواؤں سے مقابلہ کرنے میں گزارا  
 لکھنا شروع کیا تو دیانت داری سے تحقیق و  
 کے ساتھ صحافتی اصولوں کی پاسداری کی۔ دنیا

داری اور اپنے ذاتی اغراض و مقاصد کو نظر میں نہیں رکھا۔  
اپنی ذات میں حسرت اور اہمائی گن میں مستغرق رہے۔ انہیں  
تخصیر کی خواہش بھی نہ تھی نہ حذر اور اپنے کی ضرورت تھی۔ نہ وہ  
داد کے طالب تھے نہ کسی طرف کے مجھو کے وہ تو زاہد تر  
ان لوگوں پر کام کرتے تھے جنہیں دینا والوں نے بھلا دیا تھا  
جن کے اپنے انہیں فراموش کر بیٹھے تھے اور جن کا ذکر کرنے  
کے پہلے لوگ سوچتے تھے کہ اب اس سے انہیں کیا فائدہ  
ہوگا؟

ان کی طبیعت کی طرح ان کا بھی عجز تھا۔ سانواطلا  
روم پر ہنگاموں چہرہ، ملحق اقصیوں۔ بچے میں انکار، کوئی  
عقوبت نہیں کوئی دل نہیں، ان کے سامنے اپنے کامے  
نکوتے تھے، ان کی کون ترک نہ کرے بچے غنی عمارت کی  
کوشش کرتے تھے۔ بڑے کامے ان کے آپ میں صحت  
بچے والے صحتی مثل غصیت کے ایک تھے۔ بچے خانقا  
اور دستور کاڑوں کے مصنف ہونے کا ہر دور کی  
تعلیم کی تشکی کی نہان پر غرور و فخر کیا۔ ہر دور چیز سے  
دست بچھے تھے اس کا کتاب کرتے اور جیسا دیکھتے، جیسا  
کے کے بارے میں محسوس کرتے ان کو قصہ دیتے تھے۔ نہ  
کسی کو دیا نہ کسی سے ڈرے۔ بڑی خوبیوں کے مالک  
تھے۔

[illegible]

یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ زنی صاحبہ جیسے صاحبہ علم کا نظم کا موضوع انتخاب کر کے اس کو عزت و احترام کی منزل پر پہنچایا ورنہ اس سے پہلے یہ موضوع عام طور پر سوچنے نہ کرتے سمجھا جاتا تھا۔ ایک بڑا اثر ان موضوعات پر رکھتا ہے۔

اس موضوع پر لکھنے کے لیے دو باتوں کا ہونا بہت ضروری ہے۔ پہلا واقعات کو صحیح کرنا، دوسرا تحریر کی روانی۔ یہی دونوں باتیں تحریر میں دلکشی پیدا کرتی ہیں۔ خدا کے فضل سے یہ دونوں باتیں دلکشی کا پتھری کی تحریروں میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔

آپ کو گناہیں اور مومنوں پر ہاتھ پیرے ہیں مگر ہم  
 کے مومنوں پر گناہیں گناہیں حال ہے بلکہ مانگنے سے کہو کہ  
 گناہ اور ان پر رسائی ہیں چھینے والے اور گناہ میں باطن  
 ہائے کے نہیں ہوتے کہ چھین کر ہی فعل میں شائع کرنا  
 جائے اس لیے وہ مضمات پر بد چالوں کو کے جنوں سے  
 نکال ہو جاتے ہیں۔ دیکھ کا پیوری کے مضمات کے یہ فوٹی  
 ہے یہ معانی اور خوب مضمون تحریر کے ساتھ وسیع  
 معلومات پر مبنی ہے یہ کام انہوں نے بڑی ہمت اور  
 محنت کے ساتھ ساتھ حق اور دھپ سے کیا ہے۔  
 دیکھ کا پیوری اس لئے دالے تھے کہ اخبار و  
 رسائی میں شائع ہونے والے مضمات کو ان کو ایک مستقبل  
 کر دیتے تھے اس وقت ضرورت اور مضمون کا کام آسکتا۔

دُکھی صاحب یہ بات خود بتاتے تھے کہ اکثر لوگ مجھ سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں۔ ”دُکھی صاحب! آپ کے بہت سے مضامین ہم نے بطور خاص جمع کر رکھے ہیں۔“

”کیوں؟ آخر کسی باوجود کرتے ہیں آپ؟“  
 ”ہاں لیے کہ ہمارے لیے معلومات کا زور ہے  
 ہوتے ہیں۔ ہم نہیں سمجھتے ہیں مگر اسے عجیب مذاکروں  
 کے بارے میں ہمیں بہت سی باتوں کا علم تھا۔ اسے آپ  
 کی بہن کی پروردگار بھی تھی۔ یہاں اس لیے ہمارے لیے  
 ایک تجربہ نامہ اور تاریخ بنی ہوئی تھی۔“

یہ سب خبریں آج کے ہیں۔

امید: ذرا ایک دکھا کر دے یہ بات مجھے پائی۔ "جس دن ایک کاپڑی صاحب کو کسی مشین کو گانے کی شے سے متعلق کسی اگلی بار ملے گا چھپتا ہے۔ اس دن ہماری دکان پر ای، گولڈنار یا موسیقار یا نغمہ نگار کے گیت بھروانے والوں کو شہرت ملگ جاتا ہے اور اس کے کیسٹ کی خریداری بھی زیادہ ہوتی ہے۔"

مقبول گیت کا استقبال گیت نگار  
 بڑے ارمانوں سے دکھا ہے پہل تیری خم  
 چادر کی ران میں سے، کلمہ قدم  
 ہر اڑی کی آج میرے گیتوں کے شائقین بڑے  
 خوشی سے سنتے ہیں اس سہارا گیت کے بارے میں کہیں  
 خوشی کس گیت کا گیتے دار کا کہ ہے، دلی کا پھر دیتا ہے ہیں  
 کہ ظلم "لہندرا" کے اس گیت کے شاعر کا نام گیت عربی تھا۔  
 "لہندرا" کا گیت کہش کی شاعری ہے، دلی کی ہے اس کے سوا ہر گیت  
 ہے۔ "لہندرا" اگرچہ کاردار کی لکھا ہے نرم کی گھر اس کے تمام  
 گیت ضرورت مٹا ہوا ہے جو کہ کسے نہ لکھ کر مٹا ہی  
 کے گئے ہوئے تھے۔ اس عاشق بخت میں ڈوبا ہوا خوش ہے  
 خیر کا یاد، گیت فیر میں شاعر کا چہرہ کی طرح نرمی کا گیت  
 تھا اس کے گیتوں پر ہر وقت کی دلچسپی رہا تھا۔ دلی میں  
 اس کی بچی تھی۔ اس شاعر نے "لہندرا" میں ایسے ضرورت  
 کے خمر گیت کہیں نے حکومت کے گیتوں کا پکارا ڈانڈ ہے کہ  
 میں سب بات ہے کہ اس کے گئے ہوئے گیتوں سے جو ایک  
 فہم وادافہ ہے کہ گئے والے کے بارے میں کوئی نہ کوئی  
 بات۔

[illegible]

میں نے ارادہ خاں کیا۔ ”پھر پورا؟“ تھیں اور  
تجربہ داری اور دل کے لوگوں کو چاہیے کہ زندگی کا پتہ دیا صاحب  
کو تھیں نہ کارکردگی۔“

اس نے بھی ہنس کر جواب دیا۔ ”تو حسن کارکردگی  
تو اپنی ضرورت ملنا چاہیے مگر ہمارا طرف سے نہیں، حکومت کی  
طرف سے ملنا چاہیے۔“

”ہاں!“ کہہ کر میں خاموش ہو گیا۔ اس کا دھماکہ  
میں کیا تھا، حکومت تھیں اور ارادہ خاں تو دینی سے مگر میری  
کو دینی سے جن کی کیا کہ بہت مضبوط ہوئی تھی۔ جن کی کتنی  
دور تک ہوئی ہے۔ جن کے سامنے چاہے کی رسائی متاثر  
لوگوں تک ہوئی ہے۔ اپنا اگلی تک ہوئی ہے۔ ہے۔  
چارہ روزی کا پتہ دیا کے آگے پیچھے کون ہے جو ان کو کوئی  
سرکاری اعزاز دلوانے کا۔

ایک دن روزی صاحب سے گفتگو کے دوران میں نے  
بہی در پتھر کیا۔ خاموشی سے سنتے رہے۔ جب میں  
خاموشی ہو کر انہوں نے کہا۔

”نہیں! اور بھائی! ایسا نہیں۔ سرکاری اعزازات  
حاصل کرنے والوں میں مجھے بھی لوگ بھی ہوتے ہیں جو جتنی  
مستحق ہیں ان کے حق دار ہوتے ہیں۔ جنہیں مجھے کسی  
مستحق سے تھیں اور ایسا دیتے ہیں۔“

دیکھا آپ نے وہ دیکھے ہیں جو آپ دیکھ کر انسان تھے۔  
سکرتے ہوئے انہوں نے اپنی بات آگے بڑھا لی۔ ”روسی  
میری بات تو دیکھ لوں میرے ہوتے ہیں میں ان کی  
پینڈی کی ہی میرا عقہہ میرا ایوارڈ اور اعزاز ہے۔ یہی  
جبر سے لیے بہت ہے۔ سب اعزاز کی طرف سے دی ہوئی  
ہے عزت ہی میرے لیے میری عزت کا ملے۔ میں کسی سے  
کوئی شکوہ نہیں کرتا؟“

بندہ جب پر ہلکا اور باغی ہو رہا ہے تو اس کے  
گستاخ اور دامن میں بڑی خاموشی ہوئی ہے جو کہ روزی کا پتہ دیا  
سے ملتا ملتا ہے جس میں وہ ہوئی جانتے ہیں کہ وہ کہیے  
اپنی طرف سے ان کے انشان سے جہاں ان کو چاہئے وہ ملے متاثر  
لوگ تھے وہاں کچھ بندے میرے ہی تھے جو ان کو پتہ نہیں  
کرتے تھے۔ جب بھی موقع ملتا ان پر تنقید کے تیر  
برساتے۔

”اگرے یا روزی کی خبریں میری ہی ان کی طرح روزی  
ہوتی ہیں۔ مستحق ہیں ہوتیں۔ ٹیٹ اور دیگر کے معاملے میں  
اکثر کو کہہ رہا ہوں۔“

لفظ ساز و ہدایت کا روزی کا شائد نام کی عظمت

جنت جہاں رول نمبر ایک جہانہ دیا ساروہاں کی  
نہیں ہے بلکہ انہیں بھائی فلم انڈسٹری کے اہل و عیال اور  
بیرونی حالات کا بھی بخوبی علم تھا۔ یہ بات روزی کا پتہ دیا  
میں نے اپنی ایک تحریر میں بتائی۔ ان کا کہنا ہے کہ ایک بار  
دوسرے دن ایک کامیابی کی دلدرا پتہ دیا، مگر سے دلی  
میں ملتا اور بتایا کہ ہم ایک ملالانی دور سے پر آئے ہیں  
اور انہیں فلم انڈسٹری کے بارے میں معلومات حاصل  
کرنا چاہتے ہیں۔ پتہ دیا کہ کیا آپ جتنی جتنی صرف  
روشنی ملتا ہے اس سے ہمیں وہ آپ کو دوسری باتیں بتا دیں  
کے جو چند روزی کو لوگوں سے معلوم ہو سکیں گی۔ یہ روزی  
میں وہی شائد نام سے ملتا اور وہی انہوں نے بتائی کی  
نہیں پوری انہیں فلم انڈسٹری کی تفصیلی معلومات سے  
آگاہ کیا اور اسے اس وقت میں ان کی سب سے دیکھا۔ یہ  
وہ روزی جو معلوم کرنا چاہتا تھا اس سے نہیں زیادہ وہی شائد  
نام سے وہ روزی کا دیا تھا۔ وہ دن میں جا کر اپنے  
کامیاب دورے کا اظہار کرتے ہوئے یہ بھی بتایا کہ  
بہت سے دن جنت جہاں رول نمبر دیا وہی دیکھا۔ یہ  
جرا ہے ملک کی سیاست پر کسی خطرہ نہیں رہتا  
اپنی فلم انڈسٹری پر کسی ان کی کبریٰ ٹھہرے۔

اپنی باتیں کرنے والے کچھ فلمی شخصیات ہی دے  
تھے۔ روزی صاحب کی ان کی باتیں جتنی تھیں مگر انہوں  
نے یہی کیا کہ جواب نہیں دیا۔ یہ کہ کسی سے شکایت کی۔  
ان کا موقف یہی ہوتا تھا، جو ان کا کام ہے کہ رستے دہیں،  
جو بہر حال ہے کہ میں نہیں کہوں گا۔“

جب میرے مشورے پر انہوں نے اپنی باتوں کی  
اشاعت پر توجہ مبذول کی تو اپنی شائع شدہ بیرونی توجہ  
دینا شروع کیا اور کچھ نکلے نکلے۔ جو کچھ اس طرح کی  
تھیں۔

- 1- نوٹہ کار۔ اس میں 80 نوٹہ کاروں کے مضامین  
شائع تھے۔
- 2- گولہ کار، گولہ کار۔ اس فاکس میں 40 مضامین  
تھے۔
- 3- سویتا کار۔ سویتا کاروں کی فاکس میں 50 مامور  
سویتا کاروں پر مضامین تھے۔

4- ادا کار۔ اس فاکس میں بھی 50 مشہور بیرونی  
کے مضامین شائع کیے۔

5- بیروہ، جماعت کار۔ اس میں 55 بیروہ اور  
جماعت کاروں کے مضامین تھے۔

مجھ سے ملاقات ہوئی تو مجھے اطلاع دی۔ ”انور  
صاحب! میں نے اپنے مضامین کی ترتیب دو تین کام کام  
شروع کر دیا ہے۔“ اور اپنے دو تین کام کام کا ذکر کیا  
ہوئے۔ ”مگر قائل روگ میں ہے۔ میں نے انہیں ہر کام  
ان میں سے منتخب مضامین سلیکٹ کیے ہیں۔“

”سو کیا؟“ میں نے کہا۔ ”یہ منتخب مضامین عمل  
کتاب کے روپ میں آگئے ہیں۔“

”میں ہاں ہیں کچھ ضروری خبروں کے بعد۔ جیسے  
ریا پتہ دیا فیروز کے بعد، وہ ہر جگہ کے لیے مسودہ لگا۔“

”کڑوا ہے تو بہت اچھا کام کیا آپ نے۔“  
”آپ کا مشورہ بہت کامیاب تھا۔ میں سوچا ہے  
کام آسان نہیں، قدرے مشکل ہے۔ آج سب سے پہلی مکمل کیا  
ہو سکتا ہے۔ سو کرنے کے مکمل مسودے میں پہنچا ہوں۔“  
”فریاد کیا؟“ میں نے کہا۔ ”میں نے مسودے تیار ہو گئے؟ کچھ  
تیم رہا بھی رکھا ہے ان کا؟“

پانچ تھیں۔ فی الحال میں کتابوں کے مسودے تیار  
ہوئے ہیں اور ہر سوسے میں مختلف النوع موضوعات کے  
مضامین رکھے ہیں کیونکہ اگر ایک ہی طرح کے سارے  
مضامین ہوں تو پھر میرا خیال ہے کہ پڑھنے والے اچھا جانتے  
اس لیے میں نے دوائی کا خیال رکھ کر یہ مسودے ترتیب  
دے دیے ہیں۔

”تو ان کے کچھ نام بھی رکھے ہوں گے؟“  
”میں ہاں کرتے ہیں۔ جو کچھ یوں کیا۔“

- 1- مجھے سب سے پہلے ڈارو لگا
- 2- دانت کے نیچے
- 3- ذکر جب چھریا

”کیوں، کیسے ہیں یہ نام؟“ انہوں نے سوال  
کر دیا۔

”بہت پیچھے ہیں مگر۔۔۔“

میرا جملہ عمل کرنے سے پہلے ہی سے بتائی سے  
ہوئے۔ ”کیوں؟“

”مگر یہ بھی مضامین کے مجموعہ کی بجائے افسانوں  
یا شعری کے مجموعوں کے نام تھے ہیں۔“

گولہ کار خان مستان کا احاطہ

ڈرا دیکھنے روزی کا پتہ دیا کی سچو اور کوثر کا  
اعزاز۔ انہوں نے ایک گولہ کار خان مستان کا ذکر بھی کیا  
ہے۔ جنہوں نے یہی مشہور کیا کہ گولہ کار خان مستان کی حاصل کی  
مگر ہمیشہ دوست رہے۔ ان کا بوجھ پست میں  
گولہ کار خان مستان میں رہے۔ ان کی کیفیت یہ ہوئی  
تھی کہ نیا بوجھ ہوتے ہوئے پہلے ہوتے ہوئے ہر کام  
کاغذ کے ٹکڑے سے پتے پتے تھے۔ اسی کیفیت میں ان کا  
انتقال ہوا۔ خان مستان کی آباد ہوا۔ انہیں بھی۔ ان کا  
سب سے مشہور گولہ کار خان مستان میں کا پتہ دیا  
جس کی دھن سویتا کار خان سے بنائی گئی جو منتخب کا لکھا  
ہوا تھا۔

زعمی سے یا کوئی طوفان سے  
ہو کر تو اس پتے کے باہر سے  
لوگ یہ گیت گھر رنج کا سمجھتے ہیں اور سارا  
کریٹ گھر رنج کے کھاتے میں ہوتا ہے۔ ”میں شہر میں  
فریاد کیا۔“ کی کوئی انہوں نے گھر میں اور مایوسوں  
ساتھ گالی کی۔

آگہوں میں تھما ہے جلے ہیں ہونوں پر تھما ہے افسانے  
بے جا بل سے جھڑک کر پیچھے ہیں یہاں تک رہا ہے  
اس کوئی کے دو بندہ خان مستان کی آواز میں ہیں۔  
فلم رنج جماعت کار اور ادارہ روزی کا مشہور نام  
”دلیلی جنوں“ (1944ء) جس میں کئی کاروں اور سونوں  
تارے ان کے ادا تھا اور اس فلم کے بعد دونوں نے شادی  
کر لی تھی۔ اس فلم کے لیے میں خان مستان سے گیت  
کاغذ سے لکھے ہوئے تھیں۔

اسے لکھنے کو کہہ دینے کے باوجود خوش حالی کی  
دنہی سر کر کے اور جلد ہی فلم انڈسٹری سے ٹیڈا کوٹ  
ہو گئے اور بڑی المناک موت مرے۔

میری بات پر مگر نے گئے۔ گئے اطمینان ہوا کہ  
میرے میرے پر مائیں جنہاں انہوں نے ان کی دیکھی دیکھی  
سکرابٹ بڑی ہو گئی۔

”بات دراصل یہ ہے اور بھائی! اسی سکرابٹ  
کے دوران انہوں نے کہا۔

”میں خود بھی کچھ سونا شاعر ہوں اس لیے۔۔۔“









”کیا تم اپنے عزیز دوست کو اپنی پریشانی اور مصیبت کا حال نہیں بتاؤ گے؟“ میں نے دھکی دلوں پر ”چھو! مجھے بتاؤ! تمہارا دل کون ہے اور وہ تم سے کیا چاہتا ہے؟“

”تمہارا دھوکہ دہا ہے۔ میں تم سے ہم کو کسی نہیں چاہوں گا لیکن تمہارا یہ اعتراف غلط ہے کہ میں مشکل میں گرفتار ہوں۔“ اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

”ہاں بالکل معمولی سی ہے، ایک نیک نیک اس مصیبت کی جڑ ہے۔“

”اگر کیا؟ صرف ایک ٹیک کا معاملہ ہے؟“ میں حیرت سے ٹھہرا گیا۔ ”یہ کیا بات ہوئی؟ کہیں بھری کی ٹیک کا کوئی مسئلہ نہیں؟“

”نہیں بھئی، بالکل نہیں۔ بھری کی ٹیک کا اس معاملے کے کوئی تعلق نہیں۔“ وہ چند لمحوں کو دکھا کر پھر میرے منہ پر سے اعزاز میں ہلا۔ ”در اصل یہ سارا درد گارلٹ کی ٹیک کے پھیلا ہوا ہے۔“

”وہ ابھی گھر واپس کیسے ہوا چاہتا کہ میں نے اس کی بات کاٹ دی۔“ یہ گارلٹ کوں ہے؟ کیا وہ دور ٹیک نہیں خرید سکتا؟“

میری نیکی سے دیکھ کر چارلس نے اصرار میں ہلا۔ ”اسے جذباتی نہ غور اور توجہ سے میری بات سنو۔ میں اصل طور شروع نہ بنا ہوں۔“ اس کی کسی نیک نیک دست کی اور وہ ہے جسے ہفت روزہ کے مدیر نے کہا تھا۔

اس کے اس عجیب و غریب انداز سے غار کروا کر معاملہ ایسا سیدھا سا نکلیں جسے جیسا کہ میں سمجھ رہا ہوں۔ ”تھنا کوئی بہت ہی وسیع اور پراسرار واقعہ ہے۔ میں نے اسے اپنے دل کو ہر قسم کے حالات سے متاثر کرنے کو تیار کر لیا۔“ اباب، اباب، اباب کیا کہنا چاہتے ہو؟“

”تم بھینا فرانس کی تاریخ سے لاعلم ہو۔“ چارلس نے بڑے بڑے انداز میں بات دہلیں سے پھیر کر میں کاں کے قصور کو پیش کیا تھا۔ ”میں وہ نیک جوائف گارلٹ کے حالات زندگی نہیں سناتا ہوں۔ گارلٹ 1749ء میں میرے گاؤں استراخ میں پیدا ہوا۔ وہ دہلیوں ہی سے ہے عد ذہین اور ہوشیار تھا۔ ابتدائی تعلیم اس نے استراخ میں ہی حاصل کی اور پھر یورپ چلا گیا۔ جلد ہی اس نے وہاں کی سیاست میں اور پھر اپنی تمام پیدا کر کے 1789ء میں فرانس میں انقلاب آگیا حکومت کا تختہ الٹا دیا گیا اور یورپ کی گلیاں خون سے سرخ ہو گئیں۔ جیسے وہ بایکوں ہمارے سرخون

تھا؟“ اس نے بھری آنکھوں میں دیکھیں ڈال کر سوال کیا اور میرے جواب دینے سے ٹکی بولی اٹھا۔ ”وہ گارلٹ تھا اور پھر بعد میں شاہ لوئیس شخص دوم کی موت کا قصہ اور کسی دسی بناتا۔“

”کیسے؟“ بھینی ڈالوئیس کو پیش روئے دم کرنے میں گارلٹ نے کیا کردار انجام دیا؟“ خود کو سوال کرنے سے منع و نہ سکا۔ ”گارلٹ نے کوہار کے ایک ہی وار سے بے بس بادشاہ کا سر کر گیا ہوا؟“

”نہیں۔ بات اس طرح نہیں ہے جیسا تم سمجھ رہے ہو۔“ چارلس نے میری بات کی تردید کرتے ہوئے کہا۔ ”بادشاہ کو گرفتار کر کے اس پر باقاعدہ مقدمہ چلایا گیا اور عدالت سے اسے سزائے موت سنائی۔ وہ عدالت سے گارلٹ کو دیکھا کہ وہ دفتر بند بادشاہ کے پاس جاتے ہوئے عدالت کا حکم نامہ اس کے پاس پر کر مٹائے۔ گارلٹ نے حکم اپنا ہی ہلا۔ لیکن اس کا دل دور ہوا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ بیوروہرے کسی بادشاہ کو یہ حکم سنا کر یہ ذلیل کرے۔ گارلٹ کی بیانی ذرا کر دی۔ بادشاہ کے سامنے چارلس نے ٹیک اپنے چہرے پر لگا کر اور اپنی تمام حسرت کا پردہ ان پر بکھرا دیا۔ بادشاہ کی حالت اچانک غیر ہوئی اور وہ قہقہے کھا کر گر پڑا۔ اور اس حالت میں اس کی درجہ نفس بھری سے پر ہلا کر گئی۔“

”لیکن بات میری سمجھ میں نہیں آئی؟ جو ہم کو ہفت روزہ کی ہفت روزہ کے مدیر نے کہا تھا۔“

”جوت آج پوئے دو دو سال گزرو جانے کے باوجود میری عمر نہ اور اتنا متغیر ہو کر ہے؟“ میں نے تسلیے کی طرح پچھا۔

”تم کب سمجھو گے۔“ اس نے بڑوں کی طرح مجھے اڑا۔ ”ذرا توجہ سے دیکھو۔ سنو۔ گارلٹ اپنے آپ کو بادشاہ کی موت کا راز سمجھ رہا تھا۔ اس کے ذہن میں یہ خیال جڑ گیا تھا کہ اگر وہ کہہ دے کہ سنو۔ گارلٹ کی موت کا قبط بند ہو جائے گا۔ پھر میری عدالت کے حکم سے ملحق ہوں۔ اس کا تختہ کی دراصل گارلٹ بادشاہ کو سزائے موت دینے سے قنق میں نہ تھا۔ اس کا کہا تھا کہ بادشاہ کو قوت سے اندازہ نہ پائی گئی ہے لیکن اس کے ساتھیوں کو اس سے اتفاق ہوا۔ چند دنوں بعد اس نے ٹیک کو بھی قہقہے کر دیا۔“

اس کا کہنا تھا کہ اس ٹیک کے اندر کوئی غلط فہمی نہیں تھی جو کسی انسان کو دیکھ لینے کے بعد اس کی جان لینے پھر نہیں چھوڑتا ہے۔ اس کا یہ طریقہ تھا لہذا اس پر ہی افلا مارے

ذلی کا کوئی موقع نہیں ہے۔ ہر حال اس نے ساری وہ مدداری ٹیک پر لائی کہ اس کو ایک دن رات میں بند کر دیا اور قید کر لیا کہ آجیدہ کو اس کی ٹیک انتہائی سہل کرے گا۔“

”لیکن گارلٹ نے ٹیک کو ضائع کیسے نہیں کر دیا؟ وہ اسے استعمال کیسے نہیں کرنا چاہتا تھا اور پھر خود کو قید کر لیا؟“

”کیوں؟“ میں نے غریب شیش کا اٹھ کر دیکھا۔ ”ہاں اسے میں رائی کاظم ہوں۔“ میرے استاد چارلس نے جواب دیا۔ ”کیا کہاں کو آگے بڑھاتے ہیں۔ گارلٹ کی عمر کا تو بچگی کی بلکہ بچا کھانے کے دور خربہ اور تھا۔ وہ جاکے سب کا پورے گھانا گھانا کر دیا تھا۔ اس کے مکان میں گوشہ نشینی ہو گیا تھا اور اپنا تمام وقت عبادت اور دعاؤں میں گزارتا۔ اس زمانے میں ایک بڑے مزیدار کی بھی یہاں پر ایک قاضی کا حق میں بھول رہا ہوں۔ وہ دروازہ کی ٹوک اس پادری کی خدمت میں حاضر کی دینے کے لیے آیا کرتے اور اپنے لیے دعائیں گارلٹ سے گارلٹ نے بھی اس پادری کی پناہ وصول کی۔ سب پادری آؤ اور انہیں گارلٹ کے عیاشان مکان میں آئے جانے لگا تھا۔ ایک دن پادری ایسے وقت میں دباں آ گیا کہ گارلٹ کی ضروری کام سے باہر گیا ہوا تھا۔ پادری اس کے انتظار میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور وقت گزری کے لیے ایک کتاب اٹھا لی۔ اتفاقاً وہ اپنی ٹیک کھیں بھول آیا تھا اور اپنے اپنے ڈھن سے وقت ہو گئی۔ اس نے گارلٹ کی تلاش دیا ہے کہ اگر کمرش میں ایک ٹیک ہو تو اسے خود ہی دے دے۔“

”عام طور پر کسی کی ٹیک دوسرے کے لیے موزوں نہیں ہوتی ہے۔ اب اس اتفاق ہیبت میں ہم کو ہے کہ ایک کی ٹیک دوسرے کے لیے بھی صحیح ہو۔“ میں نے ایک باہر دھل انداز کی کی۔

”تم درست کہہ رہے ہو۔“ چارلس نے میری بات کا برا مٹا بھیر کیا۔ ”پادری کی باتیں یا کوئی اور کیا گارلٹ کی ٹیک ایک بہت پرانا چھپا ہوا ہے۔ اس نے وہ ٹیک ٹیک کر پادری سے چھل کر دی۔“

”لیکن تم نے پہلے ذکر کیا تھا وہ کاشانی تھی سے تاکید کردی تھی کہ اس کی ٹیک کو بآپس بھی اچھڑ نہ گئے۔“ میں نے پھر اعتراض کیا۔

”ابا! ابا! میں نے کیا کہا تھا لیکن ایا کیا کرتی ہے اور کیا نہیں کرتی ہے۔ میں اس کا وہاں دیکھتا ہوں۔“ چارلس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھرے۔ ”میں تو صرف اصل

## میرا تھن ریس

میرا تھن ریس کا تاریخی بکس منظر کیا ہے؟ یہ یقیناً یہ بھی جانتا چاہیں گے ہوتے ہیں تو میرا تھن ریس کا نام کے ایک شہر کے 40 کلومیٹر دور ایک میدان کا نام ہے جہاں 490 کلومیٹر جنگ بکس کی اور اس جنگ میں شری کی خوش خبری کے لیے گروہ کا ایک اکیٹ میرا تھن سے ابھرنے پہنچا تو اس کی یاد میں 1896ء میں ایک کیمبرو کے ساتھ میرا تھن میں شروع ہوئی جبکہ 1977ء میں امریکا کے جہاز پر اس کے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت میرا تھن کو دنیا کے تمام ممالک میں فروغ دینے کی کوشش شروع کی اس کا غلط فہم کوٹھو میرا تھن سے معاشرہ کی آزادی آئے کی اور گروہوں میں مردوں کی ایک ایک میرا تھن وہ بکس میں آئیں جو تھو سب ایک دیکھیں گے۔ لیکن اس سب میں شری اور خریک آئے کی اور معاشرہ میں آہستہ آہستہ کھل پین آتا جانے لگا۔ اس اور کے خواص طور پر مسلم معاشرہ میں شری اور خریک کو ختم کرنے کے لیے بغیر ہتھیار استعمال کیا گیا اور آج ہم اپنے معاشرہ میں شری کھلا پین دیکھنے کے لیے بڑے بڑے ختم کے ساتھ اس ریس میں حصہ لے رہے ہیں۔

مرسلہ: محمد عبدالغفار شیخ کراچی واقعہ بیان کر رہا ہوں۔ ہر حال مایہ نیک ٹیک ٹیک کر پادری کو دے دی۔ شری اور کے پادری سے ٹیک آنکھوں پر لگی اور مطالعے میں مشغول ہو گیا۔ کچھ دیر کے بعد پادری نے گارلٹ کے قدموں میں گارلٹ کے ہاتھ اور گارلٹ کا استعمال کرتے ہوئے اپنے دونوں بازو دلوں کو دیکھ کر بے حد گارلٹ کا بے حد لگے گا جانتا ہوا گارلٹ کی آگے ہو جائیں اچانک اس کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ وہ اپنی جگہ پر کھڑے گا کہ اور کیا آؤ اور ایک ٹیک انتہائی سہل کر دیا کہ میں اس ٹیک کو کھڑے لگا کر اس وقت پادری کی آنکھوں پر بھی ہوئی تھی۔ ”ابا! کہہ کر چارلس اچانک خاموش ہو گیا اور زمین کی طرف دیکھنے لگا۔“

”کیا کہاں کیسے پر غم ہو گیا؟ یا شاید اسے آگے سے واقف تھا کہ میرا یادداشت میں محفوظ نہیں ہیں؟“ میں نے اسے پھینچا۔

”نہیں نہیں۔ مجھے سب یاد ہے۔“ وہ یوں گھبرا گیا جیسے اچانک ڈر گیا ہو۔ اس کا لہجہ بے حد اسفرو کی اور ہمدردی کی لیے ہوئے تھا۔ ”بیک دیکھ کر گارات کا پورا جسم ہلکا ہوا۔ شاید اسے وہ وقت یاد آ گیا تھا جب اس نے بیکی بیک پہن کر شاہ لوئیس شیش دہم کو سرائے موت کا پروانہ بڑھ کر ستایا تھا اور یہ حکم سن کر بادشاہ کا جسم بھی اسی طرح ہلکا ہوا اور گارات کا اچانک گارات کو کھڑا اور فرش پر کسی کے ہونے پہل کی طرح گر پڑا۔ پادری اور بابائے اسے جلدی جلدی اٹھایا اور بستر پر لٹا دیا۔ گارات نے ٹھٹھکی کا عالم طاری تھا پادری نے اعزازہ لگایا کہ اب گارات کی زندگی کا چراغ گل ہونے کو ہے۔ اس نے بستر مرگ پر چڑھی جانے والی دعاؤں کا در شرع کر دیا۔ بیک بدستور اس کے چہرے پر موجودگی اور ہمدردی کی دیر میں گارات موت کی آغوش میں بچ گیا۔“ چارلس کا چہرہ بے حد متاثر ہوا تھا جیسے ابھی ابھی اس کا کوئی جان سے پیارا وارث مفارقت دے گیا ہو۔

میں خود بھی ایک عظیم شخصیت کی الٹاگ موت پر رنجیدہ تھا۔ چند لمبے کف آنسوؤں نے کچھ بعد میں چارلس کو گولی دیتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ ”گارات واقعی بے حد مظلوم تھا۔ مجھے اس سے ہمدردی ہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ خدا اس کے گناہوں کو معاف کرے اور اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ لیکن چارلس! اس دردناک حادثے کو گزرتے ایک زمانہ بیت گیا۔ اب ان واقعات کو فراموش کر دو۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تاریخ کو دہرا کر تم خواہ خود اپنی جان کو روگ لگا رہے ہو۔ ذرا اپنی حالت ذرا برہم کھاؤ۔ تمہارے چاہنے والے نئے کبیدہ خاطر ہیں۔ شاید تمہیں اس کی خبر نہیں۔“ میری آنکھوں سے دو آنسو ٹپک پڑے۔ چارلس ماگی انداز میں آنکھیں بند کیے کوئی دعا پڑھ رہا تھا۔ اچانک میرا دھیان پھر بیک کی جانب چلا گیا۔ ”گارات کی موت کے بعد اس بیک کا کیا حال ہوا؟“ ”یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ بعد میں وہ بیک کس کس کے ہاتھ لگی۔ اس! اتنا ضرور بتا سکتا ہوں کہ وہ منحوس بیک اس وقت میری خواب گاہ میں موجود ہے۔“ چارلس نے یوں سادگی سے اتنی بڑی بات کہہ دی جیسے کچھ ہوائی نہیں۔ میں نے ہنسنے پر توجہ کیا۔ سردی اور شدید خوف کی ایک لہر میرے پورے جسم میں پھیل گئی۔ اسے حق اس کو کاہ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے میں چارلس کے اور قریب سمٹ گیا۔ میں کچھ پوچھنا چاہتا تھا لیکن میری آواز نے میرا ساتھ نہ دیا۔

”چند ماہ قبل کی بات ہے۔“ میں بائیں چلا گیا۔ وہاں ایک دکان میں کچھ اور چیزیں دیکھ رہا تھا کہ اچانک ایک بوسیدہ سے چڑے کے کیس میں لپٹی ہوئی ایک بیک پر میری نظر پڑ گئی۔ ”میرے پوچھے بغیر ہی چارلس نے بیک حاصل کرنے کے پس منظر سے مجھے آگاہ کیا۔ وہ میری بدلتی ہوئی حالت دیکھ کر سمجھ گیا تھا کہ میں کیا پوچھنا چاہتا ہوں۔“ پہلے تو میں نے اس بیک کو بے سوچ کر نظر انداز کر دیا کہ کوئی شخص اپنی بیک یہاں بھول کر چلا گیا ہوگا لیکن پھر میں نے فطری تجسس سے مجبور ہو کر اسے کھول لیا اور اس کو بخور دیکھنے لگا۔ میں نے دیکھا کہ فریم کی داخلی کمانی پر ایک نام کندا ہوا تھا۔ یہ نام تھا ”گارات“ مزید غور کیا تو دھندلا دھندلا سا D بھی نظر آ گیا۔ انہی دو حرف نے مجھے چوتھے پر مجبور کر دیا اور نہ صرف گارات تو ایک عام سامان ہے لیکن D کے حروف اس بات کی نشان دہی کر رہے تھے کہ اس بیک کا تعلق کسی اہم تاریخی شخصیت سے ہے۔“

”ڈوبیک جوزف.....“ میں نے بے اختیار کہا۔ ”جیہا۔“ چارلس نے تائید کی۔ ”تم کسی تاریخی اشیاء کی اہمیت کو سمجھتے ہو۔ تمہیں اعزازہ ہوگا کہ اس اہم چیز کو دیکھ کر میری کیا حالت ہوئی ہوگی اور خاص طور پر جبکہ میں اس کی تاریخ سے بھی واقفیت رکھتا تھا۔ چنانچہ میں نے فوراً ہی اس بیک کو اپنے خزانے میں شامل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ گھر آکر میں نے بار بار اس کا اچھی طرح معائنہ کیا۔ یہاں تک کہ مجھے یقین ہو گیا کہ میرے خزانے میں ایک اہم اور نہایت ہی شاندار اضافہ ہوا ہے۔“

میں حیرت سے لوگ چارلس کی باتیں سن رہا تھا اور گزشتہ کئی سنوں سے خاموش تھا۔ میری محویت کا یہ عالم اس وقت ٹوٹا جب چہری نے آکر اطلاع دی کہ کانی تیار ہے اور ہم لوگ دوسرے کمرے میں آکر کانی نوش فرمائیں۔

بہتری تو یہ اطلاع دے کر چلا گیا لیکن چارلس اسی طرح کم سم اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ مجھے بھی مجبوراً اس کے ساتھ بیٹھنا پڑا۔ چند لمبے خاموش رہنے کے بعد چارلس نے پھر بیک کا قصہ پھیل دیا۔ ”میں نے بیک کو بیرونی ایک دروازے میں ڈال دیا۔ بالکل اسی طرح جس طرح گارات نے اس کو ایک طرف ڈال دیا تھا۔ مجھ میں یہ بہت قیاس تھی کہ میں اس بیک کو شوق ہی سہی، اپنی آنکھوں پر لگا کر دیکھوں، خاص طور پر ایسے حالات میں کہ مجھے اس کے بارے میں سب کچھ معلوم تھا۔ اس کے علاوہ مجھے کوئی ضرورت بھی نہیں تھی۔“

# شمشال ٹونزو

تدبید اقبال

شاعر نے غلط نہیں کہا ہے کہ چاند میری زمیں پھول میرا وطن، بلکہ سچ ہے کہ میرا وطن چاند سے بھی زیادہ خوب صورت ہے، اس کی وادی، اس کے دریا، شہر و کھوسار سب کے سب بے نظیر و بے مثال ہیں، لیکن ان نعمتوں سے جو نکل کر کسی اور شاخ پر اُشباہ، مسجانہ کی خواہش کرتا ہے، اسے کیسی کیسی پریشانیوں گھبرائی ہیں اس کا ذکر جو یورپ و امریکا میں بسنا چاہتے ہیں وہ اس تحریر کو مشورہ پڑھیں۔



## ایک جہاد کا انداز کی دلچسپ سرکاری کا پائیسواں حصہ

پروٹیس کی زندگی بھی عجیب ہے۔ یہی تو آئی انسان کو دل لگانے کی سب سے پہلی بات کہ جس کی بات کا برا نہ ملتا۔ اگر کوئی بات بری گنتی تو وہ کتنے آدھ کھٹے میں دروہ جاتی اور پھر سے دوسرا ایک ہو جاتے۔ خان اہلی کی سب سے آہستہ کی دوسرے اپارٹمنٹ میں رہتا تھا لیکن مریخ ملتے ہی ہمارے اپارٹمنٹ میں

چارلس ایبیری سوچو گی کوڑا سوش کر چکا تھا اور یوں لگدہا تھا گویا وہ اپنے آپ سے ہی بائیں کر رہا ہے۔ اس کا چہرہ دوسری طرف دوڑا کر جانب تھا اور آواز گھونک رہی تھی۔ "کڑوشب جب میں چھل تدری کر کے واپس آیا تو ہماری میرے استقبال میں باہری سوچو تھا۔ اس کے چہرے پر ایک سوچو گئی میں نے نہ جانے کیا سوچ کر اس کی ایک پر توہم کوڑا کرکٹ اور پیکر میں کچھ نہ کیا کہ وہ ایک اس کی اپنی تھی بلکہ گارانت دلی کی۔ شدت خوف سے میری حالت بھی ہو گئی۔ وہ چہرہ پر سخت ہوا کہ جب کی زبان سے گارانت دلی کوڑا کرکٹ لکھ کر پیش دہم کا ہوا تھا۔ اور پھر اس کے کئی سال بعد گارانت کا جواب پادری نے یہی چٹک نہیں کر اس کی کہ لکھا تھا۔ چنانچہ جب ہماری نے وہ چٹک کر میری جانب دیکھا تو خوف و ہشت کے مارے میں کانپ اٹھا اور مجھ اپنی سوت گلیٹین ہو گیا۔ میری پرش کے جواب میں ہماری نے بتایا کہ کڑوشب روز اس کی ایک ٹوٹ گئی تھی اور کام چلانے کے لیے اس نے عامی طور پر یہ ایک استعمال کر لی ہے۔ بہر حال میں نے برا بھلا کہتے ہوئے اس سے چٹک بچیں لی اور دوبارہ روز میں ڈال دی۔" چارلس اپنی بات مکمل کرنے کے بعد کمرے کی خانوں میں تفرق ہو گیا۔

اگر کوئی ایک کاظم میرے دل و دماغ کو اس قدر تڑپا کر چکا تھا کہ مجھے بھی چارلس کی سوت نظر آنے لگی۔ میری است و طاقت نے خواب سے دیا اور میں نے اس میں حرکت دینی کہ اب یہاں سے ابھار لکھا جائے۔ پھر اگلے ہی ہفتے میں سرکاری کئی ہیں لیکن ان کے اندر چھپا کوئی ایسا کلمہ ہوتا ہے جو بڑے سے بڑے بہادر انسان کا جگر بھی پانی کر دیتا ہے۔ مجھ پر ایک عجیب کاظم کاظمی تھا۔ میں لڑ رہا تھا دوسرے سے اٹھا اور میرے ہونٹوں سے چارلس سے معذرت خواہ ہوا۔ "چارلس! اب میرے عزیز دوست! ایک سے ایک بڑے حد ضروری کام کے سلسلے میں فوراً میری پچھتا ہے۔ اگر میں نے دیر کر دی تو بہت نقصان ہو جائے گا۔ خدا نے جاپا تو دوبارہ ملاقات ہوئی۔ یہ کہہ کر میں نے مصالحت کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔ مجھے فی الفور اس وقت تک داخل نہ ہو رہا تھا۔

چارلس اپنے ہی خیالات کی دنیا میں گھبرا ہوا تھا۔ اسے اس بات سے آپ کوئی دلچسپی نہیں ہو گئی کہ میری بات کی اصول کی تہ اس نے اپنی سرورہ کی سے لکھا تھا میری طرف بڑھا دیا اور میں اپنے دوست کی حالت زار پر فرسوس کرتا ہوا باہر نکل آیا۔ مجھے اس بات کا قورامی نہیں تھا کہ



کھے، کام چارہ دست الوجہ راہ معلوم نہیں کیا کیا ہیں۔“  
 مفتی نے الیکلام کی وی کی اسکرین سے سرف سوز اور  
 سر کی کوسو لہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ ”مفتی اللہ کو آپ کس سر کی  
 سے خطاب ہوا۔“ غدا تجھے قمارت کرے۔ یہ تو شیوہ بولامی  
 نہیں۔“

سر کی غما ہوئے اور کھڑکی کی جانب مڑ کر کہنے  
 لگے۔ ”تہمارا مطلب تو یہی تھا کہ کل نہ سونوں میرے بارہ  
 فرے۔“

شہباز جرمہ کا تھا ہوا لپٹا تھا۔ وہ بھی بول پڑا۔  
 ”پٹان بھائی کے بعد اس سر کی کیا سیانا۔“  
 میں نے سر کی کو چھیڑتے ہوئے کہا۔ ”مفتی ٹھیک  
 غما کی چٹاں سچا رہتے ہوئے غم کے کہاں کر سکتے؟“  
 مفتی اب غم کی نظروں سے سر کی کو گھور رہا تھا۔ سر کی  
 بولے۔ ”آئندہ سے، پہلے خدا اور کا مطلب بتایا کرو اور  
 پھر یہ مشکل غما کا بولو۔“ مفتی نے کہا۔

”اس کا مطلب تو بہت آسان ہے کہ کام چہرہ کو  
 ساری کی رعایت بھی چاہئیں۔“ سر کی بولے۔  
 شہباز بھی اب اٹھ کر بیٹھ چکا تھا۔ وہ مفتی سے بولا۔  
 ”دیکھو یہ تمہیں کام چہرہ ہزار حرام اور شاید عکس حرام بھی  
 کہہ رہا ہے۔“

مفتی نے ایک عجیب کام کیا۔ وہ یہ کہ پہلی بار ہمارے  
 سامنے کی وی دکھائی۔  
 بھرا لیں۔ بعد کا ہوا اور اس کے بعد اس کی صفحہ باقی مار کر  
 اپنے بیٹریس پر بیٹھاری کہ کو غم اور انٹروں سے دیکھنے لگے۔  
 میں بیٹھا سوچ رہا تھا کہ چنگاری کی شعلہ نے سلسلہ کی درویش  
 مفتی اور سر کی کے چنگ پر کیا۔ وہ خود مصوم باہمی ایک جھٹ  
 کو گھور رہا تھا۔

”سر کی یہ آپ ہر وقت مجھ کو کہتے ہو رہے ہیں۔  
 میرا ہے آپ کو حق حرام کہلوانا میں ہرگز نہیں سمجھتی کہوں  
 مج۔“ مفتی نے کہا۔

”مفتی ایسا آسان ہے جس نے یہ نہیں کیا کہ ملک گمایا  
 ہے اور نہ ہی کی کو کھانا ہے۔ اس لیے یہ کہی کہ ملک حرام  
 اور نہ کو اس کا تو قس بھگڑا ہی قسم۔“ میں نے اسے سنا ہے  
 کی خاطر کہا۔

مفتی پکڑا گیا اور بولا۔ ”وہ کیسے؟“  
 میں نے کہا۔ ”جب تک میں نہیں کھایا تو تک حرام

کیسے ہو گئے، اسی لیے شہباز کی بات تلبا ہے۔“  
 مفتی نہا۔ ”شہباز نے تو نہیں کہا۔“  
 میں نے پوچھا۔ ”کیا سر کی کو زبان سے سنا ہے؟“  
 ”نہیں۔“  
 ”جب کسی کے منہ سے؟“

”شہباز کے۔“  
 شہباز، مفتی اور سر کی تینوں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا  
 کہ یہ بات کی سی ہے۔ وہ خود مفتی پر بڑا اور کا تھا کہ شہباز  
 سے بھڑکا کر دیا ہر سی ہے؟ وہ بھی ہوا اور بولا۔

”مجھ کو بھی آ رہی ہے کہ عکس حرام بولنا ہے؟“  
 میں نے کہا۔ ”ایک گلاس پانی پی کر سوچو تو معلوم ہو  
 جائے کہ کس طرح اللہ نے کہا ہے۔“  
 اب مفتی کے علاوہ سب کو معلوم ہو گیا تھا کہ میں اصل  
 جرمہ کو سامنے لے آیا ہوں اور مفتی اب اس پر بیٹھا ہی میں بیٹھا  
 تھا کہ اس کا قصداں نے اپنے دماغ میں بھرا لیا ہے کہ اس پر  
 نکالے۔

”مفتی اللہ کو ایک جتنی کلی نظر آئی تو وہ اس میں کسی گمایا  
 یعنی ابی بول کر مفتی سے پوچھا۔ ”تم تین دن کی جینینوں  
 میں ہیں کہ کھانے کی بات چلی جاتی۔“  
 مفتی پہلی سوچ سے لکل کر دوسری میں ڈوب کر بولا۔  
 ”سوچ تو نہیں، اچھا فکر ہر وقت کام کر کے کرتے قضاوت  
 آتی ہے۔ سوچنا ہوں آرام کرلوں۔“

”مفتی بولا۔“ ”لوگوں کی حالت ہے یا تمہیں جاننے  
 کی ایسے ہی تمہیں کام چہرہ کہتے ہیں۔“ کوئی اور بات اس  
 سے پہلے ہوئی کہ مفتی نے پوچھا۔ ”نیکم بھائی آپ کا کان  
 دلوں کیا پر و کام ہے؟“  
 میں نے کہا۔ ”نہیں ایڈورڈ کا ڈنکی میں سینڈویچ  
 پارک، وہاں سورج ڈوبنے کا نظارہ دیکھنے کے قابل ہوتا  
 ہے۔“

”یہ سن کر سب نے ایک ساتھ سولات کیے۔ کس نے  
 بتایا اس کے بارے میں؟“  
 کس کے ساتھ جاؤ گے۔

”مفتی دور سے؟“  
 کیسے جاؤ گے؟  
 کیا جاؤ گے؟

”اگر کس کے دو ہاں کب آؤ گے؟“  
 میں نے مختصراً بتا دیا کہ یہاں سے ”وہ دھاتی کھینے کی

سائنس پر فورنو اور ادا وہ کے چاقو تیار ہو چکے ہیں۔ ریت کے  
 اوپر اٹھنے چلے ہیں، نیلے پانیوں کی جھلک جس کے اوپر  
 نیلے آسمان سے کئی رنگوں کے بادل تیرتے رہتے ہیں۔ پانی  
 کھادوں سے لہروں کی صورت آ کر سہری رنگوں میں گرنا  
 ہے اور دھن جاکر دوبارہ نکلا ہوا ہوتا ہے۔ پھر میں نے  
 پوچھا۔ ”کون ہم سے ساتھ جانا چاہتا ہے؟“

میری خاموشی کی کرکٹ میں سے کوئی ایک میرے  
 ہوا جا کر سہری رنگوں کی مٹی کا جانا میرے لیے بیچارہ  
 پانی تیار کیا۔ کھینے کی اندازہ وہ تھا کہ کوئی دھانے پر تیار  
 ہوتا ہے کہ نہیں۔ ”مفتی اللہ نے بات کو جولا کی چل کر لکھا  
 ہے۔“ مفتی سے کسی بھی کہہ رہا تھا کہ کلب جولا ہی میں جلاوں  
 کی اور مجھ سے کسی بھی لکھا۔ ”جولا ہی میں نہیں گے۔“  
 شہباز بولا۔ ”اس کی باب ہے اور جتنی ماہیت  
 مشکل ہے۔“

سر کی مفتی خیرے چلے میں بولے۔ ”نیلے پانیوں میں  
 خوب صورت پھروں کے عکس اور دیکھو، یہ کس کو اپنی چھٹی  
 خراب کرتے ہیں۔“

ان کی بات کا مطلب میں سمجھا تھا کہ مفتی کی طرح  
 بے پروا ہوا نہ کر چکتے تھے لگا۔

☆.....☆  
 شام اتر رہی تھی۔ سامنے لیے ہو کر واعدہ نے پڑنے  
 لگے تھے۔ میں کرسے میں لپٹا ڈال دیا۔ بے راہ کے نیلے  
 چمک دار آسمان کی دستوں میں کھو آسودے سے لپٹا تھا۔  
 سر کی دوسرے سے دور وہاں مچل کر اندازے اور پھر ابھی  
 سے دور وہاں بڑے کرے راز دار سے بولے۔ ”نہیں فری کو  
 ساتھ تانا نہیں سے جائے؟“ وہ مصوم تو تھا کہ ساتھ  
 جانے پر تیار بھی ہو جائے کی۔

میں بولا۔ ”آپ سے وہ بہت کم عمر ہے اسے ہائی  
 کیوں کہتے ہیں آپ؟“

جب وہاں۔ ”آپ کی وجہ سے عزت کر رہا ہوں۔“  
 میں نے کہا۔ ”اس کی اپنی باب بھی ہے۔ مسٹر کا  
 اس کو لکھی ہے کہتے ہوئے اچھا نہیں لگتا۔“

کہنے لگے۔ ”ہات کر نے میں کیا حرج ہے۔ وہ  
 مصوم اور انھیں نے نہ سوش بھی دیتی ہے۔ اس کا کہہ  
 دن اچھا نہ کرنا ہے گا۔“

مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ سمجھ ہی بیاضی کر رہے ہیں  
 مگر میں نے اس بارے میں سمجھیری سے سوچنا شروع

کر دیا۔ کچن میں جا کر اپنے لیے جانے لگا اور اندر میز پر  
 پریٹ کر بھر سے ہونے کا لگن کی سیمک سے پیٹا تو فون  
 اٹھا کر سر کی کا کمر لایا۔ ”دوسری کل پر سر کی کی آواز آئی۔“  
 ”مسٹر کہہ رہا تھا کہ کل آج فون ضرور کرے گی۔“  
 ”مسٹر کہاں سے کہی؟“ چھٹی۔ شاید وہ بھی کچھ کہہ  
 رہی ہو۔“

”مسٹر کہاں سے اپنے سے کہہ رہی ہیں کہ اپنے انکل  
 سے کہہ۔“ چھٹے چھٹے ہمارے جانے میں وہ کہتا ہے۔ میں  
 آئی کوں اور دوسری کل کا انتظام کیا ہے۔ اس کے لیے  
 لیے بھی آگئی جا کر کریں۔“ اس کے لیے میں خوشی کی۔  
 ”مسٹر سے کہہ دیا کہ انکل ہی چور ہے ہیں کہ ان کے  
 ساتھ کہیں چلو گے؟ اور کوئی بات نہیں، اپنی اپنی کوشش ساتھ  
 لیں۔“ میں بولا۔ ”پچھتے ہوئے کسے کسے کسے کسے کسے کسے  
 ہوئی آواز آئی۔“ ”مسٹر سے نہیں کہہ سکتے کی سے سوچا  
 ہو چلا ہے۔ وہ وہی ہے۔ کہیں کسے ملے چلو، پرے تو چلو۔  
 مجھے وہاں ہی چھوڑ دینا۔“

میں نے اس سے سیدھا سوال کیا۔ ”یہاں سے دو  
 کھینے کی سائنس پر ایک پارک ہے۔ کچھ نیچے سے چٹا ہے؟“  
 اور شاید رات کی وہیں ڈھیر لپٹا پڑے۔“

”وہ شاید کچھ سوچنے کی، پھر پوچھا۔“ ”تم چھٹی کرو  
 گے؟“

”میری دیہے میں چھٹیاں ہیں اچھی جگہ ہے ہو گئے تو  
 چل آؤ۔“

وہ سوچ میں پڑ گئی۔ ”میری یہی کل باب ہے۔ مسٹر  
 کے اسکول سے اطلاع دی جا سکتی ہے مگر میرا اس وقت  
 انہیں تانا مناسب نہیں۔“ کچھ سے غامضے میں پھر  
 بولی۔ ”کیا خیال ہے۔ یہ برسوں کا پروگرام بنالو۔ میں بھی کل  
 جا کر دو دن کی پہلی لے لوں گی۔“

میں نے کچھ سوچنے کے بعد کہا۔ ”ٹھیک ہے۔ تم  
 برسوں کے لیے ساتھ کھانے کی بنالو۔ رات وہیں  
 غم میں گے۔ تم کھل کر چٹاری کر لینا۔ میں بھی نہ ہائش اور  
 ڈرا پور ہٹا کر بیٹھا ہوں۔“

”ٹھیک ہے وہاں چھوڑ تو نہیں آؤ گے؟“  
 ”کیوں نہیں۔“ میں نے جس پڑا۔ اپنی بات آگے  
 بڑھائی۔ ”میں کل شام کو فون کروں گا تم سے جو کہ ہے اس  
 کی تیار کی کرو۔“

فون نہ کئے سے پہلے وہ بولی۔ ”وہ تو میں ابھی سے















بات جیسے اپنے روبرو میرا لڑکھڑکے سے جیسے میں اتار دی۔  
 "بہت پتلے پتلے نڈھ جگہ ہوا کہی گی۔ ماسٹر پر مردوزن کی کو  
 مبی کپڑے سے کیا جھڑے بیٹے کی اچھا نہ تھی۔ سب  
 قدر لالہ میں نہایت تھی۔ بچک بچک مٹا جانے سے۔  
 کپڑے کی اور کھاتے پیتے تھے۔ "میری آنکھیں چمکی کی  
 چمکی رہیں۔ سرخیں منہ پر ہاتھ رکھنے لگی تھیں۔ پچھلے جا  
 گئی۔ میں لالہ لالہ پڑنے لگے۔ میں اس سچ پر بھی نہیں آتا کہ  
 کہیں کے دن ہوتے۔ کھے اندازہ تھا کہ کسی کی بہار ہے  
 اور فضا خلک کی۔ اس موسم میں لوگ صرف آتی لگتی بہاروں  
 میں جہل نقدی کرتے ہیں۔ جہاں کاسم بھی آگے آتا تھا۔  
 میں پارسی کی دھوٹی تو کسی کر ہی نہیں سمجھ سکتا۔ اس بار تو  
 عورت کو لہجوں دیکھتا میرے ہنس کی بات نہیں۔ اس بار تو  
 میرے اندازے کے مطابق نہایت کے لباس میں کوئی مرد یا  
 عورت موجود تھی مگر اگلے سال میں ڈرائیج کرتے  
 ہوئے اور انار کے پٹائی عداوں سے اپنے ایک کھانا کے  
 ہوا اور ہاتھ پر۔ ہم ایک جگہ میں ٹیکے کے کنارے دو بیٹے  
 کے کمر میں گئے تھے۔ زبردست پرانی کھیتی مورتوں کو ہم  
 پھلاتے ہوئے گئے تھے۔ میں نے قریب سے بغور ملاحظہ  
 کیا تو عجیب لگا لگا انہیں کپڑوں میں دیکھنا زیادہ مناسب ہے  
 کیونکہ بہت سے صوبہ پیچھے رہ جاتے ہیں۔ اس کے بعد میں  
 نے اس کی وجہ جاننے کی کوشش کی کہ ان کے بعد سندھوں  
 کے ماسٹروں کو میں نے بہت زیادہ اور انجانے بھی کیا ہے مگر  
 انہیں کی طرف نہیں گیا۔

ڈرائیج ہمارے دوپٹے سے ڈرائیج ہو گیا تھا کہنے  
 لگا۔ "ہم خود قدامت پسند لوگ ہیں۔ تہذیب بگاڑنے  
 والے رہ رہا کرتے ہیں ہوتے ہیں۔ بے جہل کی تم سے  
 بھی برداشت نہیں ہوتی۔ اس پر چنا لوگ ہر وقت آپ سے  
 باز رہتے ہیں۔"

میں نے پوچھا۔ "اب کیا سامنا ہوتا ہے؟"  
 وہ بڑے ظاہر فریاد سے کہنے لگا۔ "اب تو ہر لڑکی  
 نے سچی بکنی ہوتی ہے۔ کسی کا ڈھیر لائی کے منہ چلے  
 گئے۔"

میں نے بغیر ہرمانہ انداز میں اپنا سر لایا اور وہ مجھے  
 سناٹا نکھڑا سے دو دیکھنے لگا۔

جنگلات مجھے ہونے لگے اور یہاں بات کی طرف  
 اشارہ تھا کہ کئی میلوں میں پہلے پارک شروع ہوا جی جاتا

ہے۔ وہ بولا۔ "انہوں میں مدھی میں یہاں۔"  
 میں نے پرسش سے اس کی بات کی۔ "کئی کئی گھنٹہ پہلے  
 میری بات کا اس نے بہت لطف لیا اور بولا۔ "میں  
 انہیں اس وقت تو انہیں نہا گیا تھا کہ اب تو ہوا کہ میں نے کبہا  
 تھا کہ اس میں کئی کئی گھنٹہ پہلے ہوا کہی گی۔ یہ کپڑوں اور کپڑوں  
 کی بہت بڑی جگہ تھی۔ مگر انہوں نے یہاں کے جنگل  
 کاٹ ڈالے اور اس وقت بڑی شروع کر دی۔"  
 میں نے کہا۔ "مگر جنگلات تو اب بھی ہیں یہاں پر؟"  
 وہ لگا۔ "یہ محض تھوڑا سا ہے۔ یہیں صوبہ کے  
 شروع میں دوبارہ لگائے تھے۔"

میں اور دو ٹیک میلوں پہلے جنگلات دیکھ کر سوچ رہا  
 تھا کہ سوسال پہلے حکومت نے درخت لگائے ہوں گے اور  
 آج یہ درختوں کو ختم کر دیا ہو گیا ہے۔  
 مجھے سوچنے کی زیادہ ضرورت تھی کیونکہ سامنے  
 پارک کا بیڑ پھر نظر آ رہا تھا۔

مگر کئی گھنٹہ پہلے چند کیبک ڈرائیجے اور بہت سی چوٹی  
 موز پکڑیں تھیں۔ ان میں کئی کئی آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی  
 تھیں۔ یہ بھی جیڑ سے گزرنے اور جانے کے لیے معمولی سی  
 ٹیم ہوتی ہے جو آٹھ ڈرائیجے سے زیادہ نہیں ہوتی۔

میں پارک کا تصور پاکستان کے پارکوں سے اپنا  
 مختلف ہے۔ جو کہ روپ یا ہاتھ مار کا نہیں آتے جاتے  
 رچے ہیں بلکہ ان میں ہر شے ہیں وہ بہتر جاننے والے ہیں۔  
 یہ پارک اس طرح سے نہیں ہیں کہ آپ وہاں جائیں، گیٹ  
 پر آئیں، پارک سے ترتیب اور جاننا چاہیے والے نظر  
 آ رہے ہیں۔ لوگ روہن تھیں کچھ اور کئی کھاس پر بہت  
 سارا کھانا ہے۔ کھانا اپنے سامنے رکھے تو خوش و خرم  
 بیٹھے ہیں۔ کچھ بچوں نے جن پر بے اچھل اچھل کر خوش و خرم  
 اور بے توجہ تھیں۔ یہ پہلے تو دست نہ ہوتے تھے ہاتھ  
 اور کھانا کھانے کے لیے تو کئی شاہی مشاہدہ کرتا ہوا۔

میں اپنا کھانا پر کئی شہیت کھینچ کر ہاتھوں میں لے کر  
 "میں یہاں پر زیادہ تفریح حاصل کرتا ہوں اور یہ بھی دیکھا  
 ہے کہ کچھ پاس سے بچے پارک میں کھینچ کر ہاتھوں میں لے کر  
 لوگوں کی آواز پر ہنس کر جاتے تو انہوں کی آواز میں چند  
 ہی لوگوں کے اور ان کے لیے بڑا درد افراد بھی کے وہاں کا  
 روت کر رہتے ہیں۔"

مغربی سماج کی کچھ پیش پاؤں ہوتے ہیں۔ یہ  
 مکمل جنگل کا پیش قدمی کرتے ہیں۔ یہیں کوئی مکمل کے رہتے

میں پہلے ہوتے ہیں۔ ان کا کچھ مخصوص کر کے وہاں  
 ہوں۔ ہر گھنٹہ میں اور ہر گھنٹہ میں کھانا کھا کر جاتی  
 ہیں۔ ان میں میلوں میں مکمل ٹیکس، آبیاری ہیں جن میں  
 تفریح اور کھانا کھاتی ہیں۔ یہ اس وقت ہوا کہ ایک جنگلی  
 پارک ہے۔ سیکڑوں میل کی تو اس میں میلوں ہیں۔  
 مکملوں اپنی پارکوں کا زون پر سفر کرتے جاتے ہیں مگر یہ جنگل  
 اور پانیان ختم ہو گیا۔ کچھ پارک صوبائی حکومت کی تحریکی  
 میں ہوتے ہیں۔ ان کا تفریحی کھانا کھاتے ہیں اور ان میں  
 گا۔ ہم بھی پارک میں اب داخل ہوئے تھے۔ وہ صوبائی  
 پارک تھا۔ یہ ٹیکس پارک کی کئی میں چلا ہوا ہے۔  
 وہ بھی ٹیکس میں جو سیکڑوں میل ہیں اور چڑی اور انار  
 پر کھانے کے مکانات ہیں۔ صوبائی پارک کے بعد کا کوئی  
 پارک آتے ہیں۔ کا کوئی پارک کو اس لیے جانا کہ وہاں  
 کچھ جو میرے گھر کے ساتھ ہے وہ بھی کم از کم میں میں  
 میں چلا ہوا ہے۔ پھر کسی کے پارک ہوتے ہیں اور وہ بھی  
 ایک میلوں میں۔ پہلے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہاں کھاس پر  
 کوئی بھی جیٹا پسند نہیں کرتا کہ کھاس خراب ہوتی ہے مگر  
 لوگوں کے لیے کچھ جگہ جنگل، تیز، واٹر، درم،  
 پارک پر چند بچوں کے درمیان پارک کی کوئی ایک کھیتی موجود  
 ہوتی ہے۔ یہ کھیتی کھانے کے کھاس پر چار دیوے پچھانے  
 بیٹے کی خوش کرتے رہتے ہیں۔

ہرم کے پارک میں اسٹے سے جنگل ہوتے ہیں کہ  
 ان کے اندر وہ بھی مکمل ہوتا ہے۔ جو کہ جنگل کی زندگی  
 کو پسند کرتے ہیں تو ان کے لیے چار پارک کے لیے  
 مختلف پارک ٹریل بنائے جاتے ہیں۔ ہر پارک پر نشان لگے  
 جاتے ہیں۔ راستے میں واٹر درم موجود ہیں۔ کوئی ٹیک  
 ہوتے تو ان کے لیے جنگل کا سوراخ پر تفریح ہوتے  
 ہیں مگر یہاں جنگلوں کے درمیان ایک کچھ جنگل کے لیے  
 مخصوص کر دیا جاتا ہے۔ کسی کے پاس کچھ یا فطر ہو تو ان  
 کے لیے ٹیکہ یا مخصوص ہوتی ہے۔ جن کو ان کے فٹ  
 لگائے ہوں تو ان کے لیے سائیکل کھلے ہوئے ہوتی ہے۔

کچھ یا فطر کیا ہوتا ہے۔ کچھ پارک کھانا کھانا  
 کھر۔ کچھ میں ایک دو کھر، کچھ درم، کچھ ہاتھ اور  
 کچھ ہوتا ہے۔ سوچنے کے ہوتے ہیں اور ان میں کھانا  
 ہر پارک پر کھانا کھانا کھانا کھانا کھانا کھانا کھانا  
 ہے۔ کچھ اور پانی کے کھانے وہاں زمین میں لگے ہوتے ہیں۔

میں نے کہا کہ اس کے لیے اسٹے سے جنگل ہوتے ہیں کہ  
 ان کے اندر وہ بھی مکمل ہوتا ہے۔ جو کہ جنگل کی زندگی  
 کو پسند کرتے ہیں تو ان کے لیے چار پارک کے لیے  
 مختلف پارک ٹریل بنائے جاتے ہیں۔ ہر پارک پر نشان لگے  
 جاتے ہیں۔ راستے میں واٹر درم موجود ہیں۔ کوئی ٹیک  
 ہوتے تو ان کے لیے جنگل کا سوراخ پر تفریح ہوتے  
 ہیں مگر یہاں جنگلوں کے درمیان ایک کچھ جنگل کے لیے  
 مخصوص کر دیا جاتا ہے۔ کسی کے پاس کچھ یا فطر ہو تو ان  
 کے لیے ٹیکہ یا مخصوص ہوتی ہے۔ جن کو ان کے فٹ  
 لگائے ہوں تو ان کے لیے سائیکل کھلے ہوئے ہوتی ہے۔

کچھ یا فطر کیا ہوتا ہے۔ کچھ پارک کھانا کھانا  
 کھر۔ کچھ میں ایک دو کھر، کچھ درم، کچھ ہاتھ اور  
 کچھ ہوتا ہے۔ سوچنے کے ہوتے ہیں اور ان میں کھانا  
 ہر پارک پر کھانا کھانا کھانا کھانا کھانا کھانا کھانا  
 ہے۔ کچھ اور پانی کے کھانے وہاں زمین میں لگے ہوتے ہیں۔

میں نے کہا کہ اس کے لیے اسٹے سے جنگل ہوتے ہیں کہ  
 ان کے اندر وہ بھی مکمل ہوتا ہے۔ جو کہ جنگل کی زندگی  
 کو پسند کرتے ہیں تو ان کے لیے چار پارک کے لیے  
 مختلف پارک ٹریل بنائے جاتے ہیں۔ ہر پارک پر نشان لگے  
 جاتے ہیں۔ راستے میں واٹر درم موجود ہیں۔ کوئی ٹیک  
 ہوتے تو ان کے لیے جنگل کا سوراخ پر تفریح ہوتے  
 ہیں مگر یہاں جنگلوں کے درمیان ایک کچھ جنگل کے لیے  
 مخصوص کر دیا جاتا ہے۔ کسی کے پاس کچھ یا فطر ہو تو ان  
 کے لیے ٹیکہ یا مخصوص ہوتی ہے۔ جن کو ان کے فٹ  
 لگائے ہوں تو ان کے لیے سائیکل کھلے ہوئے ہوتی ہے۔

کچھ یا فطر کیا ہوتا ہے۔ کچھ پارک کھانا کھانا  
 کھر۔ کچھ میں ایک دو کھر، کچھ درم، کچھ ہاتھ اور  
 کچھ ہوتا ہے۔ سوچنے کے ہوتے ہیں اور ان میں کھانا  
 ہر پارک پر کھانا کھانا کھانا کھانا کھانا کھانا کھانا  
 ہے۔ کچھ اور پانی کے کھانے وہاں زمین میں لگے ہوتے ہیں۔

میں نے کہا کہ اس کے لیے اسٹے سے جنگل ہوتے ہیں کہ  
 ان کے اندر وہ بھی مکمل ہوتا ہے۔ جو کہ جنگل کی زندگی  
 کو پسند کرتے ہیں تو ان کے لیے چار پارک کے لیے  
 مختلف پارک ٹریل بنائے جاتے ہیں۔ ہر پارک پر نشان لگے  
 جاتے ہیں۔ راستے میں واٹر درم موجود ہیں۔ کوئی ٹیک  
 ہوتے تو ان کے لیے جنگل کا سوراخ پر تفریح ہوتے  
 ہیں مگر یہاں جنگلوں کے درمیان ایک کچھ جنگل کے لیے  
 مخصوص کر دیا جاتا ہے۔ کسی کے پاس کچھ یا فطر ہو تو ان  
 کے لیے ٹیکہ یا مخصوص ہوتی ہے۔ جن کو ان کے فٹ  
 لگائے ہوں تو ان کے لیے سائیکل کھلے ہوئے ہوتی ہے۔

زیر سے تاری اور پائپ ٹائل کران سے شلک کر دیا  
 کافی ہے۔ زیر میں پائپ اور آٹا جاتا ہے۔ نیچلی جاتی ہے  
 اور نیچلی جاتی ہے۔ ہر پارک پر گزرا کر کھانا کھا کر ہر گھنٹہ  
 دیتے ہیں اور وہ پارک پر گزرا کر کھانا کھا کر ہر گھنٹہ  
 جاتے ہیں۔ اسی طرح سے فٹ لگائے والے اپنی مخصوص  
 جگہوں پر فٹ لگاتے ہیں۔ ساتھ میں کھانا بنانے کے لیے  
 چلے جاتے ہوتے ہیں۔ سامنے صاف سفر ہے ہاتھ دھر  
 میں کھانا بنانے کی فٹ لگاتی ہے۔ چول پٹنے کے لیے  
 وانگ ٹریل سے ہیں اور آٹھ ڈرائیج مات کے لیے  
 کرائے پر فٹ لگائے کی مکمل جاتی ہے۔

اس پارک میں پانچ سو ٹریل کی کیبک کی سموت  
 موجود ہے۔ اور سیکڑوں فٹ کیبک کے مقامات پر ہیں۔  
 یہ بھی ہیں کہ ایک فٹ دوسرے کے سامنے لگے۔ وہ فٹ  
 کے درمیان پارکوں کے لیے کھاس کھاس فٹ سے ڈرائیج  
 کم از کم کھانا کھانا کھانا کھانا کھانا کھانا کھانا

اس کا اور کھانا کھانا کھانا کھانا کھانا کھانا کھانا  
 بائیں ہوں کی اور تمام میں ہر طرح کی سموت موجود ہوں  
 کی کھانا کھانا کھانا کھانا کھانا کھانا کھانا کھانا  
 طرف دروازہ ہوتے ہیں۔ کھانا کھانا کھانا کھانا کھانا کھانا کھانا  
 بجلی کی فٹ سے اس کے اندر ہر کیبک میں کھانا کھانا کھانا کھانا  
 بھی کھانا کھانا کھانا کھانا کھانا کھانا کھانا کھانا

میں کیبک کے لیے لٹے ہیں۔ سو ڈرائیج پر کھانا کھانا کھانا  
 دن کے لیے تفریح حاصل کر لیتا ہے۔  
 ان کے زیادہ تفصیل سے مجھے یہ بتانا ضرور تھا کہ اسے  
 پاکستانوں کو اپنے حقوق کے بارے میں آگاہی کی کل  
 جائے اور حکومتوں کی کل جائے۔ مجھے یہ معلوم تھا اس  
 طرح سے ہیں کہ ان کے سماج میں کھانا کھانا کھانا کھانا کھانا کھانا کھانا کھانا

میں کیبک کے لیے لٹے ہیں۔ سو ڈرائیج پر کھانا کھانا کھانا  
 دن کے لیے تفریح حاصل کر لیتا ہے۔  
 ان کے زیادہ تفصیل سے مجھے یہ بتانا ضرور تھا کہ اسے  
 پاکستانوں کو اپنے حقوق کے بارے میں آگاہی کی کل  
 جائے اور حکومتوں کی کل جائے۔ مجھے یہ معلوم تھا اس  
 طرح سے ہیں کہ ان کے سماج میں کھانا کھانا کھانا کھانا کھانا کھانا کھانا کھانا

میں کیبک کے لیے لٹے ہیں۔ سو ڈرائیج پر کھانا کھانا کھانا  
 دن کے لیے تفریح حاصل کر لیتا ہے۔  
 ان کے زیادہ تفصیل سے مجھے یہ بتانا ضرور تھا کہ اسے  
 پاکستانوں کو اپنے حقوق کے بارے میں آگاہی کی کل  
 جائے اور حکومتوں کی کل جائے۔ مجھے یہ معلوم تھا اس  
 طرح سے ہیں کہ ان کے سماج میں کھانا کھانا کھانا کھانا کھانا کھانا کھانا کھانا

میں کیبک کے لیے لٹے ہیں۔ سو ڈرائیج پر کھانا کھانا کھانا  
 دن کے لیے تفریح حاصل کر لیتا ہے۔  
 ان کے زیادہ تفصیل سے مجھے یہ بتانا ضرور تھا کہ اسے  
 پاکستانوں کو اپنے حقوق کے بارے میں آگاہی کی کل  
 جائے اور حکومتوں کی کل جائے۔ مجھے یہ معلوم تھا اس  
 طرح سے ہیں کہ ان کے سماج میں کھانا کھانا کھانا کھانا کھانا کھانا کھانا کھانا

میں کیبک کے لیے لٹے ہیں۔ سو ڈرائیج پر کھانا کھانا کھانا  
 دن کے لیے تفریح حاصل کر لیتا ہے۔  
 ان کے زیادہ تفصیل سے مجھے یہ بتانا ضرور تھا کہ اسے  
 پاکستانوں کو اپنے حقوق کے بارے میں آگاہی کی کل  
 جائے اور حکومتوں کی کل جائے۔ مجھے یہ معلوم تھا اس  
 طرح سے ہیں کہ ان کے سماج میں کھانا کھانا کھانا کھانا کھانا کھانا کھانا کھانا



پیش کش کنند اور دلچسپ سلسلوں سے جاساں ان 2018 کا دلکش شمار

# ایک نئی کہانی

شبیریں جید اور رفعت سراج کے دل پر ہاتل اپنے گھس کی طرف کاغز

حیا بخاری کی خوب صورت تحریر ..... محبت لفظ ہے لیکن

زندگی کے خفا کی ہے ..... سوڑ کار کا لڑکی کا حال نسیبیں جمیل سیال اکمل ناول ..... پل صراط

اسما قادری کی بے حد پُر اثر تحریر ..... حد

نوریز کی دی و شیزہ کے لطیف احساسات کی داستان

میں خود کو کہیں رکھ کر بھول بیٹھی ہوں ..... رخ چوہدری کے قلم

نئے سال کے لیے ایہ نذرانے غزالہ رشید کا خوشنویس ..... انہیں شکایت ہجران

دلکش احساسات اور لکھنؤ انداز بیان کا استخراج لیے نزہت جیس ضیا کا پُر لطف ناول حیات جاودا تو ہے

انزلیہ کا بڑھاپا جو ہے جہاں اس کے تکیا گھاسنے کے لیے پڑے سیمیا رضا ادا کی انوکھی اور چمکی تحریر ..... سائنس ان ..... سائنس آؤت

(نئی کہانی)

نور کاظمی، غزالہ عزیز، سلمیٰ غزل عائشہ تنویر، بشوی صاها، اسما طاہر دیگر بہترین قلم کاروں کی دلچسپ اور سبق آموز کہانیاں

اس کے ساتھ ساتھ بے مشکل طور پر نئی نئی سلسلے میں خوش ذائقہ کہانیاں، احساسات سے پُر لکھی، ادبی نالک اور سچ و دلگرو صحت دینے والی دلچسپ مراسلات

بولی۔ ”سب سامان جو ضرورت پر دستا ہے۔“  
 پھر ہاتھ بڑھا کر بولی۔ ”مجھے دے دو اگر تمہیں ہماری لگ رہا ہے۔“  
 میں نے ہنس کر اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا۔ ہم پارک انتظامیہ کے پاس کی سڑک کے سامنے کھڑے تھے۔ انہوں نے مجھے پارک کا نقشہ ہاتھ میں چھوڑا پتھر پر ٹیبل کے نقشے۔ ساری چیز کا نقشہ اور وہ بہت ساری معلومات درج تھیں۔ ساتھ ایک ٹاپ ملکی تھی۔ گولڈ ڈرگس اور مختلف اشام کے جس انہوں نے سامنے کا دست پر ہاتھ ہونے تھے۔ میں نے سوچا کہ یہ کیا ہے۔ پانی اور جس سے لوں۔ میں کا دستر تکس کیا تو سرسکا نے کٹنی پکا کر مجھے پیچھے چھوڑ لیا۔ میں نے پوچھا۔ ”اب کیا ہے۔“  
 وہ بولی کہ اگر کئی، جیسی یا کچھ کھانے کو لے رہے ہو تو وہ میں پیکنے سے یک میں ڈال کر لے آئی ہوں۔ میں نے پوچھا۔ ”تو جو درن اٹھائے تم کو ہم دے دی۔ وہ ان اشیاء سے ہمرا ہے۔“  
 وہ بولی۔ ”جب ارزاں ملتا ہے تو کیا ضروری ہے کہ ان کی کٹنی چیزیں خریدیں۔“  
 سحر چتر کی قاسم میں دونوں کو سر اٹھائے ہاتس کرے کہ وہ باقاعدہ ناچان کی مصیبت اس کے چہرے پر تھی۔  
 یہاں متعدد چتر تھیں۔ ایسٹ ٹیک، ویسٹ ٹیک، سیٹ ڈائننگ ٹیک وغیرہ۔ مگر ہمارے سامنے اس وقت بیٹھ کر کھانا کھا رہی تھی۔  
 ریت کا۔ جہاں ریت تم ہو رہی تھی وہاں درخت تھے۔ کچھ لوگ درختوں کے نیچے چادر میں بیٹھے تھے۔ کچھ لائی میں اپنی بیٹ کے باغچے اور پر جانے چلے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے کہ وہ ٹیک کے باغچے میں بیٹھے تھے۔ کچھ جانے۔ یہاں بیٹھ کر وہ ٹیک کی کٹنی میں تین جانب کا کٹنی کے بارے میں انہیں گھر پر تھا اور جوتی سے میں یہ ارڈار ہو ٹیک سے مل کر کسی سمندر کی تصویر بن رہی تھی۔ شفاف پتھروں میں بیٹا آسمان ٹیک کے پتھروں کو بھی بیٹا کر رہا تھا۔ میں جب بیٹھوں کو بیٹا کہتا ہوں اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ آسمان ٹیک اور چکر دار تھا۔ ٹیک ارڈار کا دور آنا نظر نہ آ تھا۔ اس کے پار ساری تھا۔ سامان پر ہماگ اڑتی تھی ایک شتر میں آسمان پر مختلف شتر میں راہیں چلی جاتیں۔ آسمان پر کہیں نہیں پاول تھے اور پادلوں کے مختلف پرندوں کے ہمراہ ٹیک پر ڈاکٹر رہے تھے۔





شاعر

سلمی اعوان

برصغیر کے پہلے نوبل انعام یافتہ شاعر پر ایک مختصر  
مسی تحریر دلپذیر کہ اس شاعر میں ایسی کچھ خوبی تھی  
جس نے لمبے حشرات بنایا۔

دگر زبان کے ادب سے دیکھی رکے دالوں کے لیے ایک تحفہ

مرا بھندرتا تھہ جگور سے میرا پہلا تحفہ باج بھولائی  
1969 کی اس شب ہوا جس کی دو پہر کو میں ڈھا کچا کچا بیوی  
کے کرڑے ہونٹ پر تھی ہال میں بوڑھے روٹی کی ساکڑی میں گھس رہا تھیں  
کا ڈراما چڑھ گھٹا تھی اور باقاعدہ دم پر کسی ہوش میں رکھیں اور  
ان کی شاعری کے شکست ڈھا کچا کچا بیوی کی اسٹوڈنٹس کی بی بی  
کس حد تک کمال کی تھی۔  
پگلائی زبان سے اسے میں نے اردو میں میسوری کی اردو  
پگلائی زبان سے اسے میں نے اردو میں میسوری کی اردو

دیکھتے رہے تو مجھے بہت اچھا لگا تھا۔  
وہ خاموش ہوئی تو میں نے کہا۔ ”آگے کہو۔ مجھے  
تمہارا رب سب اچھا لگا رہا ہے۔“  
اس نے بات آگے بڑھائی۔ ”میں بہت سرور  
ہوں۔ سب اچھا لگا رہا ہے۔ عادی نہ کی پر وہ بھی ہو  
جاؤں گی اگر تم نے مجھے ساتھ رکھا تو۔۔۔“  
”تم کیا ایسے راستوں پر میرے ہمراہ چل سکو۔۔۔“  
”میں نے سوال ہی نہ کیا۔“  
”چل لوں گی اگر نہ چل کی تو فٹ کر کے لیے جم  
جائز کر لوں گی اور پھر بھی نہ چل سکتی تو بے شک مجھے  
ساتھ دھکا۔“ اس نے اپنا سر اٹھا کر کہا۔  
”میں جولا۔“ وہ دھوپیلے ہی لے گئی تھی۔  
”بہت دھوپیلے ہو کر بار بار سنا لیں اچھا لگا ہے۔“  
”میں نے کہا۔“ پیار کے انداز کی طرف میں اپنی ہوتا  
ہے۔ ایک ہی بات تمہارا کھرکھلوں میں بھی جاتی ہے اور  
پڑی بھی جاتی ہے۔ وعدہ ساتھ دینے کا ہوتا تو اس سے خوب  
صورت چمک کر کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ اب وعدہ سے لڑی ہو  
اور دیکھنا کھل کر وعدہ سے یاد دلاؤ گی۔ تم نے تو پہلے کوئی پیار  
نہیں کیا کہ میں اس وقت کا پرانا مسافر ہوں۔“  
”یہ کہہ کر میں خود ہی پڑا۔ میرا سے دیکھو وہ کچہ کر کہا۔  
”آج تمہارے ساتھ ہوں اور کل کا وعدہ کیا ہے۔ کسی میری  
اس بات پر پھر رونا کہ وہ وعدہ پہلے ایک بار تو ڈھکا تھا کہ اب  
پانچ نہیں۔“  
”وہ بولی۔“ میں نے تجھ کو بلکہ تجھ کو ہوں۔ تمہارے  
لیجے کی مضبوطی تانی ہے کہ تم پر ہر دوسرا کہہ میں نے باطل  
کہا ہے۔ میں اور سب سے کہہ میں نے چاہے تمہارے  
ساتھ مجھے کیا کیا دیکھنا پڑے گا۔ پگلا مجھے کسی آگے۔“  
”کیا تم پر اور ہی ہو؟“ میں نے پوچھا۔  
”وہ بولی۔“ ”ہرگز نہیں، میں نے بھی اپنی فراغت نہیں  
دیکھی کہ مساطوں پر حاضر دیکھنے چلی آؤں۔ جب اپنی ہی تو  
مجھ بے باق تھا کہ دوسرے دوسرے اچھا لگنے لگے۔ خاص  
کہ جب تم پر ہوں کو اتنی جاہت سے دیکھ رہے تھے۔  
تمہارے تھوڑے کھانے سے وہ دن پہلے جب تم نہیں  
کھا کرے ایک پارک میں بیٹھے تھے۔ تم مجھ سے زیادہ  
نظارتوں میں کھوئے تھے۔ یہ یاد دگاتا ہے۔ وہ ایک بہتر  
تھا کہ ایک بہت تمہارے لیے لکھا تھا۔ میں پھر مہر بہر  
پارک گئے تو وہاں بھی تمہاری ایسی ہی حالت تھی اور جسے تم  
میرے بار بار میں دے اور تو میری کھوئے باہر چاند کو





چودہ مارغی صوبہ لڑکا بھی نہیں لے دیکھا تھا۔  
گھر میں باہر تھک کر بیٹھے تھے (سورج) کے نام سے پکارا جانے والا بچہ اپنے کچن میں سے بازو اندر دیکھ کر  
اسی عادت کا ماننا تھا۔ بچے کی حرکت دیکھتے بھائی بھی کہ  
ذات و دفعت میں غیر معمولی ہے۔ وہ رات ہی غصے سے آئے  
کوئی رشتہ نہ تھا۔ اس کو رات کو دیکھ کر گھر آ گیا۔  
سر سے اس کی سر ہو گیا کہ اس کو لڑکا تھا ہی نہیں۔ میرا تو وہاں  
مہمان تھا۔ مجھے تو کسی کوئی ہے۔ اور بھائی بھائی کے ہند  
نیکال آگئے ہیں اور پھر شہر نہایت ہی دیکھیں میں بھیجا گیا مگر  
کسی کو بھی نہیں جانتے کہ نام بدلے ہوئے ہیں۔  
کیا کچن میں جا کر کھانا کھائے ہوئے تھے۔ کھانا کھانے سے  
تھکے ہی آگئے وہ ایک۔ سارا دن کھانا چاہا پوری میں رہتا۔  
پارٹے کا بہت زیادہ خوراک تھا اور نہایت ہی تھی۔ گھر کھانے  
کے اصول پر سے پختہ اور تھے۔  
میں نے ہر طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا تھا۔ کیا  
غیر فطری نہیں کہ آپ ایک بچے سے اس کا بچپن ہی جیتیں  
میں؟

میں چپ جی، نہیں خیالوں میں ڈوبی کچھ سورج  
تھی۔  
پہلی نے سلسلہ منظر پر جوڑا۔ اس بچے کے لیے  
بہتر کی دنیا سے کادو کیا محض ہوتا ہوگا۔ بچے کے لیے  
کھانے سے باہر دیکھ کر دیکھتے چلتے چلتے، بھائی کو  
سورج سے کہنے کے لیے کہیں گئے وہ بچے کا گڑبڑ  
دوڑتے بھاگتے، آسمان پر اڑتے پرندوں، پادلوں کو  
جھوٹے راتوں کو گھر کی چھت پر چاند اور ستاروں کو دیکھتے  
اُن سے کہیں کھانے کو سورج دیکھ کر کن دیوایاں میں رہتا  
تھا کہ اس کا جسم صرف اسی تھا۔

تقریباً اس کے احاسات ہی تھے کہ جب اس نے  
بچوں کے لیے غصے سے بھرا ہوا Bichitr saadhi میں غم  
میں ایک چھوٹے سے غائب علم کے جذبات و احساسات میں  
اُن کا بچپن ہی تو ہوا ہے کہ جہاں بچے نہیں سمجھ کر دلاوا میں  
بارگ کا لانا اور پھر پرتے دار بننے پر چلتا ہے کہ یہ سب گوار  
اپنی مرضی کے مالک اور کسی کے پابند نہ تھے۔ ذرا ایک بند  
دیکھتے۔

ایک بھیری والا سر پائی تو دیکھ لے  
دیتا ہے صدمہ میں چڑیاں لیتا  
اس کا دل جہاں چاہا جاتا ہے وہ

لوٹ کر بھی اپنی مرضی سے گھر آتا ہے وہ  
اس کو کیا دلا دیکھ کر اس میں نہیں پناہ دے  
اس کو دلہن سے کیا اس کو کسی بھی دہن  
اپنے میں دل چاہتا ہے سلیٹی اپنی چپک دوس  
بھیری والا میں کے گھیراں میں کوئی چھتہ ہوا  
ہم دونوں ٹھکڑا کر رہیں ہر ہی میں۔ ج تو تو ایک  
مہتمم انسان کے بچپن کے اس پہلو سے نکلتا سورج کا تھا  
نکل آگیا کچھ یاد اور پڑتے، مجھے سامنے کو دھونک کر  
کے سر ڈھونڈی تھی۔ مگر بہر اس کے نام کی کارگاہ۔ وہاں لڑکا تھا  
تھا۔ آج آپ کا وہ بڑیر۔ وہ سارا کا پانچ لکھ کر ہی اور چل  
تھکتا باہر گئی۔

15 نومبر 1969ء  
اس وقت ڈیڑھ بج رہا ہے۔ ڈیڑھ پانچ سے دہائی آ کر  
ابھی سے گھر سے میں کتابیں اپنی کتابیں پر بھی ہیں کہ  
جب باغی کی آواز دہائی دیتی ہے۔ گولہ پڑنے کی آواز  
کھڑے اس سے دروازے کا پتہ ڈراما کھول کر اندر بھاگتے  
ہوئے پوچھا ہے کہ مجھے کھانے کے لیے جانا ہے؟

میں نے سارا ہی بدلنے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے اس  
کے ساتھ چلتے کوئی دیکھ رہے تھے۔ گولہ پڑنے کی آواز  
اس نے بتایا ہے کہ آج دیکھ کر بچپن پر ایک کتاب آئے  
لاہور کی سی ہے۔ آئی کچھ ہے کہ لاہور کی سی جیسے  
جیسے اس نے آگے سے زیادہ بڑھ گئی ہے۔ وہ اس سے کہنے  
کے لیے کہیں گئے کہ کمال کی گئی تھی۔  
اور جب ہم دونوں بھات باچہ (پچھلی جال) کھاتی  
تھیں۔ وہ بولتی تھی۔ گھر اور اساتف اس کے لیے جس میں  
کھل کر ہل رہا تھا۔

”کوسا آج کی اندھا تعبیر دیکھنے والی اس بیکالی  
نسل کو سمجھ کر کہ وہ بچگی ادب کا پتہ ہے جس کی  
عالمی عظمت اور شہر کی اعتراف ایک دینا ہے کیا۔ اسے  
عری قاری پر کتنی مرضی کی اور وہ ماند کا پتہ عاقل تھا نہ  
صرف وہ بلکہ اس کا پتہ دیکھ رہا تھا۔ اپنی مادی اور  
بیکالی کے علاوہ اگر ہی، عری، قاری اور شہر کے غیر  
معمولی مرضی رکھتے تھے۔ منافقت پر لڑائی کے دھماکے تھے۔ وہ  
بیکالی مادی عری میں حادہ کے اندھا جانتا تھا جس میں اور  
تھیں اس کی طرح سے نظر آتے تھے۔

پہلی کی جگہ خاندان، لہاس، آداب، نشست  
و درخواست اور بودی میں سلسلوں، اُن کی تہذیب، اُن

کے قانون ایلٹ سے حذر اور بہرہ دہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک  
خصوصی قسمت اور فطرت رکھتا تھا۔ گھر کے لیے ہی  
وجہات پر ہندو کا ”چھریوں“ اور ہندو مسلمان بچتے اور  
کہتے تھے۔

ہاں نے اپنا کمال نہیں دیکھو تو میری مرضی میں دینا  
اور اسے شرف میں ہمیں خاندان کے کام شروع کر دینا تھا۔  
بلوغت تک آئے آئے اسے ان زبانوں پر درس حاصل  
ہو گئی۔

پہلی سورجی دال والی پٹلی اٹھا کر ذرا غصے مندرے  
گائی۔ دو تین گھنٹہ گھر سے اور دیکھوں سے مجھے دیکھتے  
ہوئے پڑی۔ ”اب رات کا قیام جائزہ تو۔ تب ادب کا۔ وہ  
اگر انقلاب کا زیادہ قاتر۔ وقت کالے رات کاتے کو اپنے اندر  
سمیٹے اور نہیں دینے کا نہیں کہ وہ ایک بیکالی نہیں تھے مجھے  
صاحب ظرف سے اور بے پیکر کے پرستار جو درد کا خوف  
دینے کے لیے۔“ اب رات کا قیام جائزہ تو۔ تب ادب کا۔ وہ  
لگا جس میں اُن کی پختہ سے مشورہ کیا ہے۔  
شام کو پوچھا کہ اس سے اس سے ”میرا بچپن“ کے

بارے میں رہی۔  
میں پہلی میرا یاد دہی میں ڈر سے سامنے آئی ہے وہ شہر ہے  
کھڑے شہر کا قدیم ترین جہاں شاعر نے قلم اٹھا۔ جہاں  
میں ہندو قاری کی طرح بچتی تھی۔ پھر سے سارا دن گوار  
الوے اور گھوڑوں کی کھلی تھیں پر کو جانے تو پڑا تو جانوں  
سے کھڑے تھے۔ جو میرا کہہ رہا تھا کہ پانچ لکھ کر ہی اور چل  
پانچوں میں ہوتا۔ اگر کوئی عورت ایک چھتہ غمرو کے سامنے  
آجانی تو اس کا کونھت راز آدھ لڑنے آتا تھا۔ گھر کی  
ڈوڑی پر بیٹھا اور اسے گھر کی کھاتی کرتا۔ ان کراؤں اور  
کے تھیں بڑی دیکھتی تھی۔

میں پہلی میں ڈر سے سامنے آئی ہے وہ شہر ہے  
کھڑے شہر کا قدیم ترین جہاں شاعر نے قلم اٹھا۔ جہاں  
میں ہندو قاری کی طرح بچتی تھی۔ پھر سے سارا دن گوار  
الوے اور گھوڑوں کی کھلی تھیں پر کو جانے تو پڑا تو جانوں  
سے کھڑے تھے۔ جو میرا کہہ رہا تھا کہ پانچ لکھ کر ہی اور چل  
پانچوں میں ہوتا۔ اگر کوئی عورت ایک چھتہ غمرو کے سامنے  
آجانی تو اس کا کونھت راز آدھ لڑنے آتا تھا۔ گھر کی  
ڈوڑی پر بیٹھا اور اسے گھر کی کھاتی کرتا۔ ان کراؤں اور  
کے تھیں بڑی دیکھتی تھی۔

گزرا جائیں۔  
ان باتوں کا ایک ایک گوار پر جو شہر بڑے دلچسپ  
انداز میں سامنے آتا ہے۔ یاد دہی زبان میں کہ وہ نظر انداز  
بچوں کی دیکھ بھال نہیں کھاتے وہاں سے اور ہمارے دیکھ بھال  
امور کی گھرائی کے لیے لایا گیا تھا۔ اس کی طبیعت دیکھنا لائی  
تھی۔ ہادی خاتون میں ہی کہیں کہیں کر رہتا تھا۔ جب  
کھانے کو بیٹھے تو ایک ایک پوری کو دور سے ہاتھ میں سمٹاتا تھا  
وہاں پر چھتا کہ ”گھر چاہیے۔“

یہ اور چاہیے۔ ”جس باب دیکھ میں کہا اس کا ایک ہی  
مطلب تھا۔ اس کا باب۔  
میں تو خاموش ہی تھا۔ ”نہیں اور نہیں چاہیے۔“  
میرے دور کے کٹورے پر بھی اس کی حیران نظری  
... منزل لایا رہیں۔

میں کھانا بھی کھانے کا سوا نہ دیا کہ زیادہ کھانے  
والوں سے متعلقہ میں تو ان میں میں کر رہا تھا۔

اس لحاظ اور تو ان کی کھوت جس بات سے ملتا تھا کہ  
جب جب اس کو دیکھتے تو کوئی چھتا۔ منصوبہ بندی میں  
جب جب ایک چھتہ شفا فرما۔ زکام، بخار، غیر معمولی مائے  
پر آگئیں رکھتیں۔ ”خیکا رکھا میں۔ اب آگئیں کھانے کے  
لیے میرے طرے تھے، نہیں پانی میں بھگنا ہوا جیتا کہیں  
دن بھر گوار کا کھانے کے پینے میں کھتے ہوئے۔ چل جوں  
آج مجھے پھر دیکھ رہا تھا۔ چال دیکھ رہا تھا۔  
کھانے کے پینے کا کھانے کی طمناں دیکھ رہا تھا۔  
خواب اور سوئیں۔ پہلی جھٹک رہا جو شہر کے پاس تھی۔  
رمان تھیں تھے گھوڑی مائے آجاتا۔ اس سے رمان تھا  
علم کی صورت میں جاتی۔ اس کے کھنے سے ختم کی لڑیاں  
جھڑکی کی کھلیاں اور دیکھیں کہ میں تھیں۔ ”میں جھٹک  
ہوئی میں اس کے کرے میں جاتا۔ ماں اس وقت اپنی کا  
کے ساتھ تھی میں دیکھ رہی تھی۔ میں جاتے ہی جھڑکی پر شروع  
کرتا۔ وہ دھواں دھکے کے چل کر کھیتے ہوئی کا کی سے قاطب  
ہوئی۔“ لڑا اور کھاتی خانا۔ اسے جب تک یہ سوئیں  
جاتے گا اس کا چلنا ڈھانڈھ ہی رہے گا۔“

ایک گھڑی کے نام سے میں دیکھنے کے پانی سے پاؤں  
دھو کر تالی کو کپڑے پر گھمٹ لیتے۔ اب وہاں کی کھاتی  
پاکستان کی کھاتی ایک کھتہ بھی تھی۔ میں تو کھیں خواہوں کی دنیا  
میں چلا جاتا۔ کھاتی کھتہ بھی تھی۔ یہ دن میں  
جب میں اٹھتا ہوا میرے ساتھ دیتی۔ یہ پانی میں، بھی



عظیم اور لافانی شخصیت جن کی شاعری، مصوری، لسانی، تاول، دراما، موسیقی، متالوجی، فن کاروں کی منتہی کی جہت سے وہ سمجھ سارے تھے۔ اُن کا وہ سا کاغذ جو کسی آن سے جدا ہوا اور زبردستی کا وہ کون سا ایک کاغذ جس پر انہوں نے نہ لکھا۔ ادب، فلسفہ، تاریخ، تصوف، مذہب، سیاست، اخلاقیات، سنجایا تھے پکڑا اس کے اندر یوں آتے کہ وہ پھر چاروں ہونگی۔ جہلوتہ چاہے اسے متبرک ہو۔ یہ ایک ہی شخصیت ہے کہ اس کی شاعری کی بنیاد پر جس کی جذبات اور تیز حیات کی سرہون منت ہوتی ہے۔ جس کی زندگی اور زبان کی سادگی جس شاعر کے بارے میں وی جتنی اور سچا شاعر کو لگاتے۔ گاہے بھی جیسے جیسے یاد کے بارے میں خیالات جن مدت سے تیز رفتار تھیں کہ جولاہیاں اور رنگین ہے، جذبات کی شدت اور احساسات کا تیز ہوا ہے۔ خیالات میں گہرائی اور گہرائی ہوتی سادہ زبان۔ اس کا ایک اضافہ ہے اسے ایک مہتمم شاعر بنادیا۔ یہ حقیقت ہے کہ جب اس کی شہرہ آفاق تصنیف کیتا جلی کا انگریزی ترجمہ ہو چکا ہے پھر اس کا ایک کھمکے کچ گیا۔ دماغ نے اسے کس کس اعزاز میں تسلیم دی۔ کسی نے کہا۔ نگار شاعر کا نہ تھے۔ کسی نے کہا وہ شیوی ممدی کے نظریہ تریں شعری تھا وہ سب سے آگے ہے۔

حق ہے کہ اس کی شاعری نے نئی چیزوں کو نئے نئے اعزاز میں روایت کیا اور وہ نئے نئے رستوں پر چلی۔ شاعری کی روح پرانی دیت روایتیں اور رنگ راستے سکھوں سے اس نے اپنا چھوٹا سا واسطہ نہرھا۔

ایک زبردست روح پرانی چٹکن کی طرح جس نے دوسری زبان کو اپنی بے مثال شاعری سے مانا کیا اور پوری زبانوں کے متاثر لاکھا کیا۔ نگار نے بغیر زبان کو دوسری زبان کا وہ نگار کی شاعری کی بدولت ارتقا کی بلندی کو چھونے لگی۔

انگریزی تری تھے نے اس کی شہرت چارواک پہنچادی تھی۔

”اپنا پڑ جہد کسی نے کیا تھا؟“

”اسے کسی نے بھی نہیں اس نے خود کیا تھا۔ وہ کھنڈو دریا نشہ اور کیوں اس احساس کشی میں جھٹکا تو اس کی انگریزی اس کی نہیں۔ جسے ہی نہیں کرتا تھا ایک دن عیسائی بات ہوئی۔“

”یہ جیت کے دن تھے۔ آسمان کے پورے خوشبو میں

تھنوں میں گھر گھر کی جگہ کی ایک آدمی کے جذبات پیدا کر دی گئے۔ مگر پڑ ہوا میں دل کے تاج پر ڈسے چاروی گئے۔ جس باب سے لیتا جی (بہار گیت) انھوں نے اس کا نظم بکرا اور ترجمہ شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ کالی شہم ہوئی تو اسے جب میں ڈال اور اندر نہ جانے کے لیے جی پر نہ میں سوار ہو گیا۔ جہاں میں دوسری کالی بھی بھرتی۔ یہ اخلاقی تھا کہ جہاں میں رہنا ہی سہی تھا۔ اس نے بعد سارے ترجمہ دیکھنے کی خواہش کی۔ یہ ذکر وہ حیران رو کیا۔ یہی کہاں اس نے آئینس yeals کو بھرا دیا۔ وہ بھی پڑھ کر گنگ سارو گیا۔

ایٹلس نے لیتا کیا کہ چش تھ لکھا اور بھی مہلتی موٹی اصلاح کی۔ ”میتھ جی اس کی لافانی شہرہ کھینچتے ہے۔“ آئینس yeals لکھتا ہے۔ یہ ترجمہ ہر جگہ میرے ساتھ جاتا۔ ہوں مریٹوں دوسروں میں۔ میں ہر جگہ اس کا ذکر کرتا اور اسے اپنا ہوں۔ یہ حقیقت ہے کہ کیا نہ وہ آئے کہ جب رات میں دالے والے آئینے داہن میں لکھتا تھا کہ آئینے پر ہمارے چہرے گاہیں گے۔ عاقبت یہ مشق کے انتظار میں بوجھ رہا ہے دالے کے انتظار میں، صفا سے کہتے کہ دالے اس کے چہرے لیں گے۔“

”ڈیوینٹی آئینس جیسے انگریزی ادب کے عظیم شاعر کا یہ خراج تحسین بیٹا نگار کے لیے بڑا امتیاز تھا۔ نگار کی سب سے بڑی آواز اسے ہوا کرتی ہے۔ ختم سادہ واسطہ ختم کرتا ہے۔ سادہ سادگی (شہم کافر) سے اس کی لافانی شاعری کا آغاز ہوتا ہے۔ آغاز میں سادگی کا ہی ظہور ہوتا ہے وقت جلد رنگ پر گیا کہ بہت گیت (سج کافر) میں دیکھتے تھے کہ وہی خوب میں کھلی ہوئی زندگی اس کے لیے تھی وہ آواز ہے۔

اس اور کچھ نہیں جانتا

بس اگر جانتا ہوں تو آتما

اسے دیکھتا ہوں

مکھور ہوں

مگر جہم ہوں جانوں

مگر مہم ہوں

اسی (کوجہ) کہ پر صحت تو شاعری کی جتنی کا لکھنا کمال محسوس ہوتا ہے۔

”سہم ہر آدمی کو سوسے“ (اس کا بھونچو) دو اس کی اس کی ایک شایا لکھ رہے ہے اسی طرح ”لاستانی راستہ“

گیت ہے۔ اس کی گیت چھوٹی ہی ہے۔ شاعر کا ہے۔ میں لکھتا ہوں اس کی گیت کہ میں محبت سے بھر پور ہوں دلی جی میری کسی سر پر چل پڑے گی اور جی کی کام پر سارے کی دیکھتے ہیں جانی

میں نے نہیں جانتا

میں کوں ہو چکا ہوں

وہ کی باطلوں میں اور یہ معلوم نہیں کھیں۔

وہ میں جن کرانے کی

ہر اس میں تکی

اور مجھ پر کچھ تم ہو جائے گا

نگار کی گیت کی جالی اور لڑکی حقیقت ہے۔

نگار کے نزدیک انسان خدا کا پوتہ ہے۔ ہر انعاماریک اور چھٹل انسان میں خدا پنہاں ہوتا ہے۔ اسے کچھ نہیں۔ بھول اور مندوں میں محسوس کرنے والوں سے کہتا ہے۔

یہ عادت (کچن) تین خواتین چوڑ

دو عورتوں بزرگ کے خفا کے وہ ان آواز کے کوشے میں

خوش کی کی جا کر ہے؟

آج میں کوں دور کچھ خاتیرے سامنے ہے

وہ کیا ہے

دہاں جہاں کسان خست زمین میں مل جاتا ہے

چھٹل سرور کی تیر کرنے والے پھر کرتے ہیں

وہ پور اور اڑش میں کا کر تے ہیں

ختم تو ان کے پاس ہے

کیتا جی کی زیادہ آئینس اور گیت جیسے اور جانتا ہیں۔

اپنی عادت اور پوری کے دعوت اس کے ہاں یہ پختہ نہیں ہے کہ موت کے بعد زندگی کے اور بہتر اور بھی ہوگی۔

کچن اظرف سے اسے حق ہے۔ یہ شام مسکون کے بدلے رگوں کے ساتھ ہے پرانے جیون آباد کرے ہوئی ہے۔ ان پرانے دنوں میں کس دروہا نہیں کے جوتے ہے دلی کی دعا جہاں نہ ہیں۔

ان کی اور دلی زندگی کے بارے میں کہنے اور پوچھ جانے کی بھی بڑی خواہش ہے۔ یہ تماشائی ہے یہ پوری کی کہ اس کا شمس تھی نگار پر۔ یہ بھی وہ ہے جو حال ہی کی۔

جست سے اتریں پخت سے غلطی کر دیے جی اس کے

**قسط طنبیہ**

قسط طنبیہ دیا کا نہایت اہم اور عظیم الشان شعر ہے۔ جس کا جب قسط طنبیہ کا ہے ہاں پر پاکی و رستم کی ایک (محبورہ) شاعر کا جسے کسی غائبہ بدوش کیجئے نے آکا تھا۔ اس کا شعر بہت سے بہتات کرے ہیں۔ بعد ازاں 327 میں اس کے شعر میں آول نے اس شعر پر حلقہ اور بھرا ہے آکا کیا ہے اس کی کہ جسے اس کا نام نہ تھے۔ قسط طنبیہ کے بعد قسط طنبیہ کہا جائے گا۔ مسلمانوں کے عہد میں خاص ہے۔ اس سے کہیں ایک رنگ میں حضور کے کمال حضرت ابراہیمؑ اور اقصیٰ شہیدؑ کے اور اقصیٰ کی نصیل کے بھونچے ہوئے۔ اس شعر سے کیتی ہوئی دیکھا کرنا سوا گیا کہ وہ سولہ تک ہے انیس سال کا راجہ گوت اور ہر سلطان محمد فارغ سے سیال سلطنت کا حکمران کے اسلامی دارالسلطنت بنایا۔ جب قسط طنبیہ اس کا خاتمہ اور توڑوں کی تسلط کو ختم کرنے اور گوت کو ختم کرنا کر قسط طنبیہ کی اہمیت اور شہنشاہت کو ختم کرنا اس کا ایک اہمیت ثابت کر رہی ہے۔

مرسل: عبدالحامد اردو انصاری۔ جھک

لے کھیل تھا ہے بھی ہی بات تھی۔ ہاتھیں کر کے کرے چلے چوڑا تھی اسے بہت پسند تھا۔ وہ رنگاں دیکھ کر انھیں سے بلا دی خاص تھی کہ چھٹل جیسی لڑکیاں بزرگ لڑکیوں کے اصل میں کس در کچن ہی ہوں کی شام۔

10 فروری 1970ء

خود ہی بڑا مصروف رہتا تھا۔ عید کے بعد کچھ نرم شروع ہونے والی تھی۔ نچتے ختم فروری آ گیا تھا۔ یہاں قسط طنبیہ کا کہ میں اسے کھی میں۔ اس نے فرانسس کی فوب بزرگ کرے ہوئے کہا۔

”اگر آپ آج نوبے نہ سو جائیں تو باتیں ہو سکتی ہیں۔“

”یقینی نگار بہت کرنے کے لیے چند بھی چیز کی قربانی کی کیا تھی؟“

”میں اس شخصیت کی زندگی کا کسی رنگ دیکھ لیں وہ کتنا عام ہے۔ میرا سادہ رنگی۔ میرا سادہ رنگی کسی عام کی لڑکی۔ یہی واسطہ رہا ہے چوڑی کی تکی۔ لڑکیاں اس وقت کوئی شہنشاہ نہیں کا تھا۔ ہر دس سال پہلے کو معلوم ہی نہیں تھا کہ وہ دنیا کے محسوس انسان کی بیوی کی بی بی تھیں

وقت سے بتایا کہ اس نے خود کو اس انوار کا نال ثابت کیا۔  
 بیگور نے جوابی ایک کچھ حصہ لٹائی اور انوار پر اپنی  
 دستگیری کی اور کچھ وقت بعد ان ملک کے دروں اور سر  
 جانوں میں انوار۔ یہ وہ وقت تھا جب اپنی بیوی کے ساتھ ان  
 کی شناخت کی گئی۔ مگر دونوں کے درمیان خطوط کا تبادلہ  
 ضرور رہا۔  
 پہلی جملہ بڑی اس موقع پر بھی ہوئی۔ تاہم یہ  
 ہندوستانی معاشرت کا ایک حصہ تھا اور زمانہ کافی آگے بڑھ  
 جانے کے باوجود آج بھی ایسا ہی صورت حال کسی حد تک  
 ہے۔ میرے نزدیک ان جواب نے اس فکٹ کو چھپ کر دیا  
 دیا تھا۔

شوہر نے جو نام یاد ہو میرا کیا دیوی تھا۔ اسی نام کا  
 مجرم رکھنے کے لیے اس کم عمر لڑکی نے تمنا بڑھا چکا تھا۔ وہ  
 بیٹوں اور تین بیٹیوں کی ماں بننے کے باوجود دوری دانی میں  
 سیکھنے۔ اب میری بیٹی اور آٹھ کی پارکیوں کا جیس۔ اپنے  
 شوہر کے ساتھ دور سے آتا تھا۔ وہی۔  
 راجندر جتہ کو اسی منزل تک پہنچانے میں میرے  
 ہاتھ کو کھرا دیا۔ ان کی جاگنا۔  
 کئی شوہر کے کسوں میں معاملات نہیں کی۔ کبھی کسی

چیز کی فراہمی نہیں۔ شادی نہیں میں جب بیکلے آنا ہاں تھے  
 دوسرے دھرم کا سلسلہ شروع کیا تو تیس سے مدد ملی۔ ایسے  
 میں وہ شہار بھی نے سب دیہات قدروں میں ڈیر  
 کر دیے۔ یہ اور بات ہے کہ بیگور نے اسے پسند کیا لیکن  
 جب دوسرا بھائی (جو بھرتی) قائم کرنے کا ارادہ کیا تو یہی  
 کے حکم میرا رہے یہ دفعو نے پرانی ہو گئے۔

تاہم یہ بات بھی کہ لیے خاموشی سے جانے پر مرکز  
 نہیں تھی۔ کسی کے ساتھ اس کے تجربے نہ اس اعتراض تھی۔  
 آخر میرے لٹی کا ذکر کیوں کی کہ خبر میں نہیں کیوں نہیں تھا؟  
 کبھی کوئی چیز اس کے نام سے شوب نہیں دیتی؟  
 آخر اس نے آگئیں میرے چہرے پر جمادی اور منجے  
 لکھے ہیں۔

”ایک واقعہ یاد ہوئی۔ بیگور جب کبھی باہر سے آتے تو  
 وہ ان کے ہاتھ پر اشام سے لکھا ہوا تھا۔ بیگور مارا دھماکا  
 کو ترجیح دیتے۔ مسائل اور تیل کی زیادتی پسند نہ کرتے۔  
 میرا ان سب باتوں کا وہ نہیں تھی۔ کسی ایسا بھی ہوتا کہ وہ  
 بہت چاڑھے دوسرا خوش حالی۔ ان کے کھانے کے لیے آئے کا  
 کئی۔ ان وقت میں دیوہ لکھا تھا۔ یہ بھی ہے اور بیگور کا

تعلیمی آگہ کارڈوں پر کیا اور وہ آئے کی بجائے تعلیمی میں  
 مصروف ہو گئے۔ کسی سائبر کورٹ کی کہ پیشانی پر خلف  
 کی سلطنت لائے بغیر اور اُس کے کاموں میں مصروف ہو  
 جاتی۔ اس کے کاموں میں معاملات کا اس کے لیے کیا ہے  
 برابر تھا۔ کتا بہ پڑتی جب وہ اس کا ڈون دیتے۔ رات  
 اکثر دو تک کام میں مصروف رہتے۔ سچ دیکھیں جلد لکھتے۔  
 حمل، عمارت، نشا، کتے کی میز، اس کی مثالی کرتی۔  
 سر پر کپڑوں کے کپڑے سب کا دھیان رکھ کر کے  
 ساتھ ساتھ وہ اپنی ذمہ داری بھی سمجھتی۔  
 بیگور کھانا پیرا دیتے۔ تعلیمی عمل سے دور ہو تو  
 کاٹنی اور سستی دلاتی۔ بھول جانے کہ وہ کتنی بھی ہوا اور کھانا  
 کی کچھنی سے سنا رہا تھا۔ تاہم یہ میرا ہی تعلیمی کس کو جان  
 کی کچھنی سے چھوٹی خبر کو کچھنی سے سنا تھی۔

بیگور نے میرا کو کہتے خط لکھے۔ اس نے ان کی کئی  
 چالوں سے غفلت کی۔ ایک خوبصورت شخص سمندر میں  
 خوفناک لڑکی شوگر کا اس کے اپنے لکھے وہ خط لکھ کر شہر  
 اور تیل نظر سے ہٹا دیا۔ اس کے اپنے لکھے وہ خط لکھ کر شہر  
 شہر وہاں استری تیر میں میرا کی ذات کے ہم کھس لے  
 ہیں۔ آخری کس میں ان کا بند ہوئی اور راجندر نے لکھا۔

آخر قریب نہ ملی  
 یہی کس میں وہاں کرتی  
 دل کی آخری باتیں کہہ گئیں  
 خاموشی رخصت  
 بھجوا کر لے دیے

میں جا رہا ہوں اور وہ دل کی تین تین کی تلاش کرتا رہا۔  
 ایک جگہ اور کچھ دوسرے جگہ میں کس کی کہیں کہیں؟  
 آئینہ اور چھاندا میری آنکھیں میں خوشی کے  
 میری آنکھوں میں اپنی یاد رکھتی ہیں  
 آئینہ میں کس کی آنکھوں میں یاد رکھتی ہیں  
 میرے کس میں رہا جا رہا  
 میری آنکھوں میں بیٹوں میں اپنی  
 دل کو اپنی کی جگہ کرتا

میری زندگی میں ہے جہاں جہاں جا رہا ہے  
 میرے دل کے نام سے ہے اپنی مراد مانگو  
 تیاں میں دل میں کبھی کنہا بہت پریشہ طور سے  
 تم آج نہیں میں نہیں۔ کس کس میری ہو  
 میری زندگی میں ہے جہاں جہاں جا رہا ہے

15 مارچ 1970ء

اس کس میں جس اور انماں شخصیت سے بہری کمر پر  
 بات چیت، یہاں تو دھماکا بخیر دوستی کے واسطے جاسٹر ہوسید  
 چوہدری سے جو بعد میں جگہ میں بن جانے پر ملک کے صدر  
 بنی ہے۔ ان کے ساتھ فکات بڑی دلچسپی کی حامل  
 ان دنوں ان کے کمر میں اس سے میرے دوستوں کی حدوں  
 تک پہنچا ہوا تھا۔ یہ عین اتفاق ہی تھا کہ وہی سی ہمارے  
 ڈپارٹمنٹ کی ایک تقریب میں آئے۔ تعلیمی کمر میں ان کے ساتھ  
 کھڑے تھے جب میں ان کے پاس گئی۔ میں نے ان کا ہاتھ  
 پکڑا اور بغیر کس کہا۔  
 ”میرے آپ کا ہاتھ دیکھنا ہے۔ وقت آپ سے ہوتا  
 ہے کہ آپ کے پاس آؤں؟“  
 انہوں نے حیرت سے مجھے دیکھا۔

میں نے سکتا ہے ہونے پر ہاتھ لگنے میں کہا۔ ”میر میں  
 بہت اچھا ہاتھ رکھتی ہوں۔ حیدر داجہ کا ہاتھ بھی میں نے  
 دیکھا ہے۔ میرے پاس اس کے ہاتھ کے پرف بھی ہیں۔  
 اُس وقت میرے تن پر اپنی دل کی دل کی خوبصورت سازش  
 تھی۔ شائون پر کھٹے جاپاں لہراتے تھے۔ سناؤنی رکھ کے  
 ساتھ میں عمل طور پر ایک لڑکی کی لڑائی کرتی تھی۔  
 میرے بیٹے نے سکتا ہے ہونے پہلے مجھے اور پھر  
 انہیں دیکھا اور میرا تعارف دیست پاکستانی اسٹوڈنٹ کی  
 حیثیت سے کروایا۔

یوسف نے لیل کے اساتذہ اور اسٹوڈنٹ کے درمیان  
 ہونے والی لطیف سی چیمپر چھار اور جملہ بڑی والے حامل  
 کے درمیان ڈر خرم سے انکس حاضر کر دیا۔  
 ہاتھ دیکھے۔ پرف لپٹے اور اس کے تاج کو ایک طرف  
 کیجئے کہ خوبصورت سلیطے سے اس کا قلم میں آگیا تھا کہ  
 ان دنوں کے بعد میں نے انہیں اخبار خوانی کے لیے  
 انڈون ہونے لیا۔ انڈون میں ایک صاحب علم شخصیت میرے  
 سامنے لی گئی۔ بیٹوں نے بیگور کی عمر کے کئی اور انماں  
 بیٹوں پر تفصیل گفتگو کی۔ انہوں نے کہا کہ میرے خیال میں  
 کوئی چیز شاعری کا ہے سائنس میں ہے۔ لکھنے والے  
 کسی ہے تائید دے دیتے اس کو طرح، ہونٹوں پر اپنے آپ  
 اسی گھر جانے والے کسی سکھارت کی طرف۔ بیگور کی شاعری  
 ان کے میرے سلیطہ اور پڑھنا ہیں۔ اپنے آپ میں مکمل ان  
 کی گفتگو سے حواس بھر ڈھنڈھن کر آتا۔  
 بیگور کی ذات ڈھب فرقہ بندی قوم و ملت کی

**علامہ سید محمد باقر ہندی جگر الوی (1881ء۔ 1966ء)**

ممتاز چچا مہرین جگر الوی اساتذہ میں علامہ  
 سید محمد تقی جگر الوی کے والدی گھرانے میں پیدا ہوئے۔  
 1909ء میں اپنی فاضل کا امتحان اور کمال لاہور میں  
 دیا۔ ان کے گزشتہ تعلیم کا اعزاز پایا۔ علامہ سید شریف  
 حسین خان جگر الوی ان کے گھرانے سے اساتذہ پڑھے اور  
 1912ء کا کالج لاہور میں پروفیسر تھے۔ ان کے اساتذہ  
 اور شیخ مولانا جگر الوی تھے۔ علامہ سید شریف  
 علی گرام۔ درجہ امتحان پر تیار ہو کر تھکے ہوئے۔ 1915ء  
 میں سند حاصل کرنے کے بعد جگر الوی فاضل جگر الوی  
 1916ء میں ترقی یافتہ لائے اور پچھلے دینی مدرسہ کی بنیاد  
 بنائی۔ یہاں پر بڑے بڑے علامہ سید طالب حسین  
 نقوی کے ساتھ مل کر گئی۔ وہاں سال کے عرصے کے بعد  
 1926ء سے 1945ء تک یک ستمبر 38 تھی۔ ان کا خیال  
 سے 1966ء تک دور چارہ چارہ شہر میں تھکے  
 علوم محمدی ان کے گھرانے پر پایا تھے۔ اسے اور علی احمد جید  
 علامہ گرام پڑھائے۔ یہ وہ دور تھا کہ آپ زہد  
 اخروی تھے۔ تھکے اساتذہ حضرت میر سید فضل شاہ  
 ان کے اخروی کے عصر سے آپ خود راہِ حق تھے  
 سید شہزاد علی بدین حیدر مرزا جگر الوی (پ۔ بخارا  
 595ء 1991ء م۔ اوچ شریف۔ بھاول پور  
 690ء 1291ء) کے دور سے زہد اور جہد حضرت  
 سید مریم مست اور ان کے زہد و جہد میں حضرت علی  
 بھاول علی کس مہار کے بانی جگر الوی اساتذہ  
 حضرت سید محمد حسین بخاری تھے۔ میر انور سید محمد  
 شریف آف جگر الوی شریف ملے۔ وہ اساتذہ میں ان کے اولاد  
 اور ان کے سب جگر الوی تھے۔ ان کے کالج جگر الوی جگر الوی  
 تھے۔ 9 جون 1966ء کو کراچی میں جگر الوی انتقال  
 فرمایا۔ آپ کا حجاز مبارک اراب علم آپ کے لیے  
 زیارت اور درجہ علی ہے۔ پاکستان میں آج جگر الوی  
 چل رہا ہے۔ یہ خصوصیات جگر الوی میں وہ سب کی میں سہولت  
 منت ہے۔ آپ کے بڑا دل شاکر دل میں جگر الوی جگر الوی  
 کس میں پکارا ہو جگر الوی۔  
 مرزا سید علیاحمد حسین بخاری۔ سرگودھا

بندش کو توڑ دیتی ہے۔ انسان کو انسانانہ سے جوڑنے کی ترقی پاتی ہے کہ بندہ نے انسان بن گیا۔ انسانیت کے خدا کو دیکھا ہے اے اللہ دے اس کی توجہ برداشت نہیں کرتا۔

ان کے سینہ کی چھبیں بھری یار ایمانیان ملیں فلا فلاح نہیں ملتا۔ خدا بندہ کا تعلق نہیں ہے۔ خدا ہے فرق صرف بچال میں ہے۔ بچال کی بیشتر تعلیم ادبی و سیاسی شخصیات کا تعلق اس شخص سے تھا۔ یہ جوان صرف برداشت خدا کو دیکھا ہے کہ بچل ہے۔ بچل کی خدا خدا زندگی کے تحت آشوب میں یہ تصور بچل میں نہیں ملتا کہ ان کو کس مرتبہ کس تحقیق ہی ہے۔ وہ رہن گن ملنے پڑے۔ اے کا اگلہ بندہ کرتا۔

عقلِ معلوم سے وہ ہے جس  
کی لیے میں سمجھتا ہوں  
دنیا کا عالم خیال کے ہے کہ اس  
کو جوں پر چاہتا ہوں ایک  
میں سمجھتا ہوں  
میں اس کا پیغام ہوں  
میں اس کے خیریت کی تان ہوں  
میں زندگی میں روح زندگی ہوں  
میں خلقت کے سینے کو چاک کر کے  
پکڑ دلا کر اسی

فروری 2018ء

بایئسکل

میرے لیے یہ امر بھی محفوب انگیز سامعہ کا لیسہ سید  
چوری اقل، ماحفہ اور سلاطین نامی سے بھی بڑے ستر کرتے۔  
اقبال کو یاد کر کے کہ شاعر مانتے تھے۔ ان کی گفتگو میں  
میں نے یاد کیا کہ ان میں بڑی شخصیات کے ساتھ مولانا بھی  
سمائے آئے۔ یاد کر کے عاشق ایسی آؤں سے کہ مولانا بھول  
میں سے اور مکرر وہ بھی سے اور مولانا سے مولانا کی  
میں سے، مغرب، ملک کی پانی دہریہ حقائق حق کے  
میں سے، جس کی نر از سر کے دل کے Home  
the world سے شامی چننے کی چینی چینی ہیں  
یہ اگر بڑی اور پر حادہ نر از سر کا قلم ہیں اور آؤں کی  
خبر یاد کر کے شخصیت کے ایک اور پوری مکی کی دل کے  
تھے ہیں کہ وہ نر از سر کا قلم جب کہ یاد سے ہوئی۔ جس  
میں آج بھی کہ وہ نر از سر کا قلم ہیں اور آؤں کی  
سوس اور تانہ کا بنیادی طور پر وہ ایک آؤں کی جو اپنے  
خیالوں میں غرض دل رہا ہے۔ کہ نر از سر کا قلم وہاں غرض کا بننے  
اور وہ جس کے کوئی بیچارہ سامعین ہے۔ جس کی آس  
اور وہ جس کے کوئی بیچارہ سامعین ہے۔

ہایمکل کا قصہ آئے اور پطرس بخاری کے مرزا نے یاد آئی یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ان کے ذرا دل مضمون کا نام ”مرحوم کی یاد میں“ تھا۔ جنہوں نے اس مضمون کو پڑھا ہے یہ بتایا اس سے محفوظ ہوئے ہوں گے مگر اس وقت میں آپ کو یہ بتانا چاہتا

ماہنامہ سرگزشت



جو فرانس اور اس سے ملحقہ ممالک میں ہوتی ہے۔ میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ سوشل سائیکل یا اسکوائر ڈانسی سائیکل کی ایجاد کے باوجود اس کی اہمیت کم نہیں ہوئی ہے۔ خاص طور پر ہر سال جولائی کے مہینے میں ہونے والے سیکل ریس میں جس کی ساری دنیا میں بہت اہمیت ہے۔

پیرس میں ہونے والے جولائی 1903ء میں اب سے 114 برس پہلے شروع ہوئی کئی سالوں 2017ء میں 104 ویں ریس ہوئی ہے۔ راولوں عالی جنسوں کے دوران اس کا سلسلہ قطع ہو گیا۔ قلعہ پر ریس بھی نہ ہونے لگی تھی کہ اس کے 21 صرے ہیں۔ ایک روز میں ایک صرطے سے کیا جاتا ہے۔ اس میں صرف فرانس ہی نہیں بلکہ ساری دنیا کے کھلاڑی حصہ لیتے ہیں۔ جن کی میں زیادہ تر نیم جاتی ہیں۔ ہر نیم جاتی میں سائیکل سواری ہوتے ہیں۔ ریس کا انتظام چھ برس ہوتا ہے اور تقریباً 3500 گھنٹہ فاصلہ سے کیا جاتا ہے۔ جیتنے والے کھلاڑی کو پیلے رنگ کی جزی پٹائی جالی ہے اور انعامات سے نوازا جاتا ہے۔ پہلی جزی اس لیے کہلے اور نوازا پہلے رنگ کے کتے کو شائع ہوتا ہے۔

ریس کا آغاز سنہ 1897ء میں کرنا کیا جاتا ہے۔ کھلاڑیوں کو ایک دوسرے سے ٹھکڑو کرنے کی اجازت ہے۔ وہ ایک دوسرے کو زخمی کی بنا پر جھوٹی جیتنے میں ملین دھماکتا دے سکتے۔ عدالت میں حیران افنی کرت ہے۔

پہلے سال میں جیتنے والے کھلاڑی کو 20,000 فرانک دیے گئے تھے۔ اس کے بعد ان کی رقم ہر بار دو گنی کی اور جیتنے والے کو قلعہ بھی پر ریس کے لیے لے جایا جانے لگا۔ 1988ء میں جیتنے والے کو کاد، سب ریس کے لیے) قیمت اور 500,000 فرانک دیے گئے۔ جب پروڈ (سکے) لین دین میں استعمال ہونے لگا جیتنے والے کھلاڑیوں کو 450,000 فرانک دیے جاتے تھے۔

ریس کا یہ سلسلہ فرانس کے دو بڑے اسپورٹس کے اخبارات مشترکہ کرتے ہیں جن میں اس کی دلی (اشاعت 80,000) اور انکو (اشاعت 225,000) جو ہر 65,000 ہونگی شائع ہیں۔ پانچ سال بعد ان دونوں اسپورٹس اخبارات کی اشاعت لاکھوں تک پہنچ گئی ہے۔ یہ ریس کارڈ بال کارڈ اور انکارڈ کھانوں کے تعاون سے ہوتے ہیں۔ ابتدا میں یہ ریس رات میں بھی ہوتی تھی لیکن تین برس بعد صرف دن میں ہونے لگی، کیونکہ سچ ساجانے رات کو جیتنے سے انکارڈ رات کا تھا۔

فرانس کی یہ ریس سائیکل کی رتین منت ہے۔ اگر سائیکل یہ نہ ہوتی تو لوگ ریس کا آرزو کیسے کرتے؟ تو ہم آپ کے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ سائیکل کی عالمی جدوجہد آئی۔ سیکل کا مطلب ہے دو پیروں والی سواری جس میں قانون برقرار رکھنے کے لیے ایک پنڈل لگا ہوتا ہے۔ 1818ء میں فرانس میں سب سے پہلا سائیکل چلانے کا مظاہرہ ایک سہلان میں کیا گیا۔ اس میں سائیکل میں گھڑی کے فریم کے ساتھ صرف دو پیسے تھے۔ گھڑی کے فریم کو گاڑ کر اسے ہونے میں یہ بڑا روک ٹوک کر کے فریم کو گاڑ کر اسے کھینچنے کے بیڑوں کی جگہ ایک تختہ لگا ہوا تھا۔ لوگوں نے اس سائیکل کو دیکھ کر تو یقین کر لی اس کی سچ تو نہیں ہوا۔ اس کے سائیکل چلانے والے سے یہ کہہ کر پیسے کی دقت کو لوار میں بھی کر دیا۔ اس میں کئی نوٹ لگی کہ کو اسے دو طرفہ دوڑ میں سمجھا گیا۔ سائیکل چلانے کا مظاہرہ کرنے والے کا نام کول فورڈر یاں تھا۔ وہ سڑک کا سول صرف تھا۔ سائیکل اس کے نزدیک گھڑے کا قاتل تھا۔

اسے یہ دیکھ خیال اس لیے آیا کہ گھڑے سے پیادہ بھی دوڑایا کرتے تھے۔ یہ سڑک کی طرح کے باعث موت کا شمار ہو جاتا کرتے تھے۔ جب کہ سائیکل چلا رہے تھے۔ وہ بھی کھائی اور دوڑتیاں جھڑتی تھیں۔ اس سائیکل پر مؤجد نے ایک گھنٹے میں چار میل کا سفر کیا تھا۔

اس سائیکل کا وزن 22 کلوگرام تھا جس کے دھکیل نیز تک میں سٹیل کے سٹی لگے ہوتے تھے۔ اس کے سٹیل کے پیروں پر ایک بھی لگایا گیا تھا۔ کچھ افراد کو یہ سواری پسند آئی مگر ہانڈل کرنے والوں کی تعداد زیادہ نہیں ہو سکتی تھی کہ اسے چلانے سے بھگن پر زور پڑتا ہے۔ چونکہ سائیکل کو تھوڑا سا آسان نہیں تھا اس لیے لوگوں پر حادثہ بھی ہونے لگے۔ کچھ لوگوں نے آواز کی اٹھائی کہ اس پر پابندی عائد کر دینا چاہیے۔

سائیکل اسی طرح تیار کیا گیا جس میں ہوتی تھی کہ اس کی جھڑ سے حادثہ بھی ہونے لگے۔ گھڑی کو نیز بچنے کے 1842ء میں سچر شائع کی جڑا آئی گا۔ کچھ لوگوں میں موجود ہے کہ ایک ایک دفعہ چڑھنے کے سیکل کا یہاں نہا ہے۔ اسے ہوشیار نہیں کیا۔ ایک کچھ لوگوں نے سکرڈا بننے سے اسے چوٹ کی۔ پیسے اس کی ٹھنک پر پانچ شنگ جڑا نہ عام کر دیا۔

ایک فرانسیسی شخص چھوٹکی نے 1860ء میں سے

سائیکل سے تھرتلی کی اور اس میں پیڈلوں کے ساتھ کریک شافٹ کا استعمال کیا۔ جس کا سائیکل کا پیڈلوں کی ہوا تھا۔

پھر سال 1868ء میں ڈیوڈ ہارڈن نے اس کے نام سے دو شاس اور کچھ دیگر ڈیزائن میں اس پر تعلیمی مضمون شائع ہوا تھا۔

1886ء میں ایک چینی بنانہ چین نے دوسری سائیکل ایجاد کی۔ تیسری سائیکل بنانہ کسٹروڈس جاسن نامی شخص کو جاتا ہے جس کا تعلق لندن سے تھا۔ اس نے دونوں پہیوں کا ہم نمونہ کرنے کے لیے گھڑی کے تختے کی جگہ ایک لہریے دار بنی گئی تھی۔ اس سائیکل کے پیسے بڑے تھے۔ ایک لوار نے دارن موزی کے سٹی سائیکل ایڈیٹر کر ڈی، جس کا پچھلا پیٹا لگے ہے ہوا تھا موزی دونوں پہیوں کے وسط میں ایک صاف لگا کر ان میں ہام جوڑ دیا گیا تھا۔ جب کرالے پیسے کے وسط سے دو سلاش ویلڈ کر اس میں پنڈل لگا دیا گیا تھا۔

1887ء میں کچھ پیش رفت ہوئی اور اسی لوار میں سائیکس میں ایجاد کی گئی جن میں یں یا چار پیسے لگے تھے۔ لیکن اسے لوگوں نے سسرور کر دیا۔ اس لیے کہ یہ سائیکس بھاری تھیں اور ان میں چلاؤ ہو کر تھا۔

کچھ وقت گزرے کہ بعد کچھ لوگوں میں دوسرے لوار کیون ڈیلن نے سائیکل میں چند تبدیلیاں کیں اور ایک آرام دہ سہیت دونوں پہیوں کے وسط میں جوڑ دی۔ جس سے سائیکل پر بیٹھا آسان ہو گیا۔ وہ کچھ افراد میں اس کو قابلہ اس نے سائیکل پر کچھ زور دیا اور کچھ کھلاڑیوں کو دوڑا لیا اور اپنے کاروبار کو فروغ دیا۔ اس کی سائیکل کا نمونہ اب کچھ گاسگو کے کچھ کچھ میں محفوظ ہے۔

1889ء میں ٹامس میکالان نے جو گھنٹہ دوک (فرانس) میں ہوتا تھا سائیکل کو ڈیزائن کی تھی جس کی اس کی دونوں پہیوں کے درمیان میں پیڈل جوڑا جاتا ہے۔ سائیکل چلانے والے کی انگلیں پر زور پڑتا ہے۔ وہ کچھ اس کی ایجاد بہر حال لوگوں میں مقبول ہوئی اس لیے کہ اس کو لوار کی فریم لگا تھا اور سائیکل چلانے کے وقت میں گھڑی کے ریس کے مطابق اس کی ایجاد کی ہوئی سائیکس مارکیٹ میں فروخت ہو گئی۔

بعد کے برسوں میں سائیکس ایجاد ہو گئی اور ان میں پہلے سے زیادہ تبدیلیاں ہو گئی۔ کچھ کچھ دونوں پہیوں کے درمیان دھکے کے لیے جین (تھیر) کچھ لگائی گئی

تھی۔ اور اسی لوار نیو نیگ کی ایک کھنچی سے خواتین کے لیے ایک سائیکل ایجاد کی، جس کا فریم بے حد اور سبب تھا۔ اسے چلانے سے وقت بے فکری پر زور دیا گیا۔ یہ سبب تھا۔ آرام دہ سائیکل میں پیڈل خواتین میں مقبول ہوئی۔ اس میں دونوں پہیوں کے درمیان لوار کی پیسے بھی نہیں لگا تھا، کیونکہ یہ خاص طور پر خواتین کے لیے بنائی گئی تھی۔ رات میں سے وقت اور پیشہ تھا کہ خواتین دوسری سواریوں سے دیکھا جائے۔ چنانچہ مؤجد نے اس کی ایک پنڈل پر ایک کھنچی لگا دی۔ 1890ء میں نصف انگلیوں کی آواز سے سڑک سن گئی۔ کچھ خواتین کو اس سڑک سے بدل سائیکل چلانے کا مفادہ کیا اور یہ سڑک آٹھ دونوں میں سے کیا۔ ان کا یہ سڑک ایک کارے کی حیثیت رکھتا تھا، اس لیے اس کی خوب کچھ ہوئی اور اخراجات نے ان کی تصاویر بھی شائع ہو گئیں۔

سائیکس پہلے بار (سٹاٹا) چونکہ لوار کے بھرت سے ہوا تھا، اس لیے اس کے ٹونے کی شکایات عام ہو گئیں۔ اس میں ٹامس میکالان (MICHAUX) کہتی نے معیوض فریم کے ساتھ ایک سائیکل مارکیٹ میں تصادف کی جو عام میں مقبول ہوئی۔ ٹامس میکالان نے اپنے اس اقدام سے مارکیٹ پر قبضہ کر لیا اور اس کی بنائی ہوئی سائیکس خوب فروخت ہو گئیں۔

امریکا کے لوار اس معاملے میں پیسے نہیں تھے۔ ایک مؤجد لوار کے لوار کی پہیوں پر ٹھوس ریز چڑھا دیا۔ پہیوں کے وسط میں پال نیز تک کا استعمال کیا۔ چنانچہ سائیکل کی تینوں کی چڑتی تھیں۔ سائیکل کے سبب سے تو اسے بہتر بنانے کی بری کووشن لگا دی گئی اور اس میں سائیکل اتنی مقبول ہوئی کہ کچھ کچھ کچھ میں اس کی جگہ بھی سائیکس کے مقابلے میں امریکا کی سڑک میں سائیکس چلنے لگی۔ سائیکس چلانے والوں کو وقت بچانے کی تھی۔ برطانیہ کی سڑک میں بہتر سڑکس اس لیے وہیں سواری تیزی سے مقبول ہوئی۔ غرض سائیکسوں کی آواز نہ تھی۔

1891ء میں یونین میٹر نے ایسی سائیکل ایجاد کی جس کا تعلق فرانس سے تھا۔ اس نے سائیکل کا فریم بے حد بڑا بھلا کر لگا اور زیادہ فاصلہ طے کرنے کے خیال سے لگا دیا۔ بڑا بھلا۔ اس کے پہیوں میں تینوں کی تعداد معمول سے زیادہ تھیں۔ جس سے مینڈی پیدا ہو گئی۔









تقریر: 13

## ناسور

ڈاکٹر عبدالرب بھٹی

وہ ایک سپیدہ سادہ معصوم فحش نوجوان تھا اور اس کے گرد سازشی ذہنیت والوں کا انبوه تھا۔ ایسے سازشوں کے لیے وہ ترنوالہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ان کے پیپلائے ہوئے تار عنکبوت میں پھنسا چلا جا رہا تھا کہ اسے احساس ہوا کہ اب مفر کی گولی راہ نہیں ہے۔ اسے بھی ان کا جواب دینے کے لیے خم ٹھونگنا ضروری ہے اور پھر اس نے کمر کس لی۔ انہی کے لہجے میں انہیں جواب دینے کی کوشش کی۔

ایک ایسی طویل کمانی جس کا ہر باب ایک نئی کہانی ہے







دے کے درویشی کرتے تھے اور وہ لوگوں کو گھنوں پانی میں چیلنے ہوئے دوسری طرف کے کنارے پہنچے۔ وہاں سے ڈراگن کی شل آتے ہی ہم نے تیز تر قدموں سے چلتا شرور کر دیا۔

مہم کی طرح کاسیانی کے جڑ سے میرے اعتراف جیسے ایک ہی طاقت ساگھی تھی۔ شبیہ اور اس کی ہماری کبھی یہاں سے پارنگاں اور اس کے بعد لوگ دم پہاس کے اثرات کا پرنے والے تھے اس کا اندازہ ہوا ہے دار اور جب وطن آوی غریبی لگ سکتا تھا۔

قرآن سے شکے میں نظر کیا تھا کما حقہ میرا ان خدان کے آویروں سے ایک رات ہی پولیس کی مدد سے اس غیر قانونی ٹانگوں پارنگاں کے پکا پکڑا کر دیا تھا۔

مہم کو دیکھتے جیسے تھے اور گرتے پڑتے میرے اس کی ہر نفسہ جنگل کی حد سے بڑھ چکا آئے۔ وہاں سے میں نے کسی میری جی جیو پیڑی میں جا کر اپنی حالت بہتر کی اور منہ ہاتھ دھو کے چلے گئے وہاں کہیں کہیں بڑا کچھ دھوپ میں ہی خودی سوکھ جائیں گے، پھر وہاں سے میں نے ایک قرعہ لیا اور جہان پڑی کی نوکھی ہوتا تھا زہر و کال کی۔

میں نے اسے اسٹارڈن کتابوں میں لپیٹا مہم کی کاسیالی کے بارے میں اتنا اور اس کی مہم کی۔

”کسی طرح مجھے غصہ کے انکیز اور جاہت نیل سے ملنے کا وقت ہے کہ ایک طاقت اس سے کرواتے کا بندوبست کرو دینا بہرہ مند“۔

میں نے اسے ہی کی اور خبر دے دیا اور وہاں میں بیٹھ گئے۔ لیکن مجھے بعد ہی ہی دوا کے چوکھڑے سے بتایا کہ میرا خون آتا ہے، میں اڑھتے دل کے ساتھ تین میں سے کسی کا اور کال رہی ہوگی۔ وہ زہر ہی کی تھی۔ اس نے مجھے بتا کر میں چہاں میں پارنگاں میں دواں کا پتا دیا اور ”انکیز“ اپنے آوی، ہمیں لینے کے لیے دروازہ کھولا۔

میں نے اسے بتا دیا۔ بہر حال زہر دے کے اپنے ایک جاسٹے والے پولیس انکیز سے اس کا پتا کیا تھا اور طاقت کا وقت بھی۔

قرعہ ہی بہرہ مند ایک کا دیکھیں لینے آن بیٹھا۔ مجھے جہت ہوئی اس میں صرف ایک ہی شخص بیٹھا تھا وہ بھی ڈراگن کی کٹ پڑے ہوئے تھے آوی۔ ہم جب تک ہی اس کے بارے ڈراگن کو کھڑے ہو گئے تھے۔ کار کی پبلٹ کرین ٹھہری کی اور اس میں منہ کو گزرت کھلا ہوا تھا۔ وہاں سے ڈراگن اڑا دیا۔

سے ہادی طرف بڑھا تو ہم نے اسے بتا دیا کہ ہم یہاں سے کھڑے پارنگاں۔

”میرا نام خادم حسین ہے، انکیز صاحب نے مجھے تم دونوں کو لینے کے لیے بھیجا ہے۔“ اس نے کہا اور میرا ہاں کے ساتھ کار میں سوار ہو گئے۔ دواں دیر بعد کافر نے بھرتی ہوئی ایک ہی کار میں اس کی بیٹھی کر ایک کھانا دھان کے سامنے رکھی۔ ہم کافر سے اتر آئے۔ کٹ پر ایک چور کھانا آوی سوار ہوا تھا۔ یہ لگانا کھر تھا اور جس کے برے سے کٹی کٹ پر کولن ہراس کی غیبت پر اس کا دھواہت جال کا کام درج تھا۔ میں انکیز ایک اتفاق کر کے میں بھاری گیا۔

”انکیز صاحب کھر ہی موجود ہیں؟“ میں نے اس کی آوی سے ہم چارہ میں لپٹا تھا۔

”ہیئیں، وہ پولیس اسٹیشن آئے ہیں۔“ اس نے جواب دیا۔ ”میں نے انہیں بتا دیا ہے وہ دیکھتے وہاں ہیں۔“

قرعہ دیر بعد ایک ملازم ہمارے لیے جانے لگا اور ایک آوی کے لیے ہم نے اپنی ٹھکانا۔ پھر جانے پتے گئے۔ اس میں نے جانے غم کی کہ میں گزشتہ باہر کی کاز کے کٹے کی آواز سنائی دی۔ اس کے چند منٹوں بعد ہی اسی دروازے سے جو بیٹھے کے باہر کی کاز تھا۔ ایک ”مہر و تھن“ تو قرعہ میں بعض اندازہ دے ہوا۔ میں نے ہم پولیس انکیز کی آوی کی تھی۔

”اگر کٹر جان میں تھا۔ رخت ساتوئی تھی۔ میرا ہاتھ اور جسمانی ساخت تھی۔ چہرے پر بڑے کچھ میں۔ وہ بنی خوش الحان تھے۔ ہم سے ملا۔ اس کے بعد جہاز گیری ٹھہروں سے کھر نکلا ہوا سامنے ایک نیٹا آدہ دم کر رہا تھا۔

میں نے اپنے اعتراف کرایا اور اس کے بعد سامنے دواں کی تیرا سے ساری باتیں راز میں ہی کی گئیں اور خواست کی۔ پھر میں نے کھنگو کی ابتداء میرا ان خدان اور اس کے بچے ان خدان سے شروع کی کہ وہ ایک چور کی جگہ سے میری قربانیاں میں ساتھ مل جاتا تھا کی کہ میں نے اپنی ذمہ دہی کے بارے میں کی کہ فری قیادت دینے کے بعد اس میں کامیابوں کا چہرہ ایک کٹ جڑ سے سرخ ہو گیا۔ اس نے اس کی ہتھی سے ساتھ ساتھ چھوڑ کر میں گئے۔ گال اور ہوا۔

”تم لوگ جہت نہیں بول سکتے اس لیے کہ تہذیبی باتوں میں فدا بھی منہ نہیں کر سکتے وہاں سے مجھ سے جس پولیس والے کا تم نے ذکر کیا ہے وہ ہمارے ہی تھا ہے میں ایک سب انکیز ہے۔ اس کا نام دل مراد ہے۔ اس کے

بارے میں سب کا معلوم ہے کہ وہ ایک ریاضی پولیس افسر ہے۔ خبر تمہارے بتاے ہوئے جیسے ہے تو جی لگتا ہے۔ وہ۔۔۔ اپنی ہم خود ہی آج شام پانچ بجے چھاپ ڈر کر دی گئیں گے۔ میں ایک طویل عرصے سے اس لالچ کی تلاش میں تھا۔

مہم نے دیکھتے وہیں آدمی کے کڑے اس کے بعد ہم چارہ میں اپنا کھر چل پولیس کی بھاری فری کے ساتھ کھر گئے اس میں جنگلات کی طرف روانہ ہو گیا۔ پولیس کی تین سو پانچ میں اس کا ایک چپ میں وہ خود کار ہم دونوں بڑی دو گئی تھیں۔

مہم کا سیلاب پڑا۔ حاتی میرا ان خدان میں بیٹھ جگہ دواں سب انکیز کو مراد اور اس کا خاص آوی جسے میں دواں میں بھی جاتا تھا۔ دل دواں کی گرفت ہوا دواں میں میری کھر کے آوی تھی تھے۔ ہادی تردد کی کے بعد یہ چہاں کا سیلاب پڑا تھا مگر کھانا کھانے میں اس کے لیے کھانا کھانا۔

اس کامیابی کے بعد ہم نے ایک تیز رفتار کوچ کے ذریعے اپنی کھر کی۔

میں دواں کو میں نے غیر اس کے مگر دواں کر دیا اور خود ہتہا دواں کو میں نے اسے پرا گیا۔

وہاں کالیا کی طبیعت کا میں نے سب سے پہلے پچھا تو پتا چلا دواں کالیا کی جہت تھا۔

”مے نے بھری؟“ قرعہ دیر بعد میری ذہنی کار کشید کار کشید کی کہ پورٹ خٹے کے بعد وہ ایک دم حیران ہو گئے اپنے غم کو میں نے بولا۔

”کھلی کر دیا تو نے بھری اسب کھٹے لگا دیا تو نے۔“

”ہاں کالیا اس بار حاتی میرا ان خدان اور میری جہت نہیں بھیں گے۔“ میں نے زہر خٹے کیے میں کہا۔ ”میرا ان خدان کا دست راست لاڈلہ سامنے ہی میری طرح خٹے میں آ جاتے گا۔ انکیز جاہت سیالی نے میری دواں لاڈلہ سامنے کی گرفت کی کے لیے آوی کی تھی جس میں خاطر خواہ دے لی ہے۔ معاملہ حاس اور توئی کویت کا تھا اس لیے ذہنی اسٹیشن لاپتہ ہے۔“

”دواں بھری؟ دل خوش کر دیا تو نے۔ سب کو ہی اور دواں کے مجھے استادا۔“ کالیا خوش ہو کر بولا۔

”آفر خوشی شاکر دل شاکر دل شاکر کے پانچاں کا۔“ میرے لیے میں اپنے اس بارے سے بدل کے لیے خوش تھی۔ وہ مکر نے لگا اور بولا۔

”اسے اس کا نے سٹھ سٹار کا کیا حال ہے؟“

”ختم چلے دیا۔“

”اسب کا رو گیا؟“

”شامیر۔۔۔ میرا اصل دشمن؟“ میں نے کہا۔

”کالیا نے۔“

”یہ بہت فدا دواں کے۔ ذہنی بہت متعلق ہے اس پر ہاتھ ڈالنا اور کھن کو تیار تھا کھر لالچ والے معاملے میں ہی کوڑے کے بند اور کار کا کھر نے میں آ گئے ہیں۔“

”ہاں! ان کے خلاف ثبوت تیار کیے جانے چاہیے۔“ میں نے کہا کھانا کھانے (پنی) آوی میں اس کا معلوم ہوئی تھی جسے ذہنی کھر کے کھانے کالیا نے میرے چہرے پر نظر میں جاتے ہوئے کہا۔

”تمہیں اس سلسلے میں کوئی شک ہے؟“

”میں یار کالیا، کھانا کھانے کا کھر نہ کر سکتا میری کھر کا ہاتھ ڈالنا کی ابتداء آوی میں نہیں ہوگا۔“

”میں یار بتاتا چاہو ہاتھ میں بھری؟“ کالیا ایک دم بولا۔ ”ہن راکھ کھر کر جائے گا کہ وہ کی کوئی نہیں جانتا۔“

”مہم؟“

”اسے چھاننے کے لیے تجھے میرے جنگ میں ہم جولی اختیار کرنا پڑے گی۔“ وہ میں کو دواں میں بھی دواں۔ خوشی کے اس موقع پر ہادی کھنگو ایک بار پھر اپنی ہی طرف جانے لگا کالیا اس طرح ہی اسے ختم کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ مجھے اس کی یہ بات نہ لگی۔

”میں بھری! اپنے سدا دواں کی معلومات اور میری اس روز کی کھنگو دواں کی کے مطابق کھر کر دواں میں راکھ گئے ہاتھوں کے جانے تو میرا دواں اصل دشمن شاکر میری خٹے میں آ گئے۔ اس نے ان دونوں کا پانی ٹھہروں سے ذہنی دواں اصل مت ہونے دیتا۔“

کالیا نے بلا سے یہ کہ جہت کی تھی وہ میرے ذہن میں بھی تھی۔ میں نے اپنی کھنگو کی طور پر ایک اور ضروری کا پھٹا تھا کالیا کی کھر دواں بڑے کھانے کی جاہت کی اس لیے میں نے خود ہی اسے نشانے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہاں میں کھر کھر تھا اور اپنے سدا دواں کی طرف میں جب بھی دیکھتا تھا میرے پھر سے جھوٹ میں اور میں میں بھلا دواں کر کوڑے میں لگا دواں کے کھانے میں میری ٹھہروں کے سامنے کے بارے میں ہم دواں شاکر شاکر میرا کھر کوڑے کے لگتا تھا۔ میں نے تیز کر دواں کے کھر دواں چلا دواں دواں انسان نے میرے بھائی کے

ساتھ جو ظالمانہ اور انانیت سوز سلوک کیا ہے وہی میں اس کے دلکوئے جہان میں غصے شہاد کے ساتھ کروں گا لیکن میں اس پہلے مجھے نعرانہ سے ایک طاقت نہ رکھی۔  
مجھے دیکھنا ہے قحط نعرانہ اور مجھ ایک دوسرے میں کس حد تک "اولاد" ہیں۔  
میں وہاں سے اپنی ویسی اسکوٹریں اڑو دیکھ زئیرہ کے ہاں پتھانہ عامر بن محمد کو دیکھ خوش ہوئی۔ میں نے پتھر سے اس کے سر پر ہاتھ بیکھ مارا اور پھر زئیرہ کے ساتھ میں راکٹاور شامیر کے سلسلے میں حضور کر کے بیٹھ گیا۔  
باتوں باتوں میں میں نے اس کو صبر میرے لیے جانے دیا وہ ہانسنے کے لیے کان میں چلی گئی تو میں نے زئیرہ سے کہا۔

کرتیا چاہیے۔"  
"ہرگز نہیں۔ تمہاری جنگ دہی قسم کہاں ہوئی ہے تو؟" زئیرہ نے کہا۔ "تمہارے دشمن ایک سے بڑھ کر ایک غلط کار اور عام ہیں۔ سوچنے لے اپنی انتہائی کارروائی کرنے کے لیے پڑیں گے کہ ان کے لیے ہر مشورہ کیا ہے کہ جو جہاں ہے اسے اپنی دھڑ بڑے دھڑا بھاسے۔"  
میں مجھ کیے دھڑا تھا کہ ایک زئیرہ نے مسوڑا بدلتے ہوئے کہا۔  
"فری! میں ایک بات سوچ رہی تھی عامر سے متعلق۔"  
"ہاں، یہاں تو جی تو اس کی بیوی کی طرح ہو۔"  
میں اس کی طرف دیکھ کر سر کیا۔

وہ کچھ بیہوش ہو کر مجھ سے ہوئی۔ "عامر کے بارے میں تم نے کچھ کیا ہے؟ میرا خیال ہے کہ میرا اب تک اس کے فرض سے سکون نہ ہو جاتا چاہیے۔"  
اس کی بات پر میں نے ایک گہری سانس لی اور کہا۔  
"ہاں زئیرہ! میں اس کی بارے میں سوچتا چاہیے لیکن حالات ہیں اور سہا ایک کچھ عیاض اختیار کرنے کے لیے سب کچھ اصرار رہ گیا اور نہ تو تمہیں کاشف کے بارے میں علم ہے ہی۔"  
"ہاں! میں نے اسی لیے ہی تو یہ بات چھڑی ہے۔"  
دوبولی۔ "کاشف نے مجھ سے بات کی تو ان کے اس نے بتایا اور میں اس کی بات پر چوک سا گیا اور اسی لمحے میں بولا۔  
"اگرے کیا دیا؟ اس پر مے نے جواب دے کر کہا۔

"ہش۔۔۔ ہر گھنٹے میں وہاں سے میرے پاس کو کتنا ہوا ہونے والا ہو جاتی ہے وہ۔" زئیرہ نے مجھے ٹوکا تو میں ذر خفیف سا ہوس کر مارا ہوا بولا۔ "میرا مطلب تھا کہ روز ایک سیدھا سا اور معمولی سا تو جہاں ہے لیکن میں یقین ہے کہ عامر بن محمد سے گفتگو ہے۔"  
"باتوں باتوں میں عامر سے میری ہی سلسلے میں بات ہوئی۔ اسی نے ہی مجھے بتایا تھا کہ کاشف روز اسے فون کرتا ہے اور وہ سے بین میں رہتا ہے آج تک۔ گنگا میں دونوں کے دونوں میں پیار کی آگ ہے ہر ایک کی گئی اور زئیرہ کو مجھ سے میری طرف دیکھ کر مٹی خیز اور میں سر کر گئی آگے ہوئی۔ پھر عامر نے ہی مجھے بتایا کہ مجھ سے بات کرنا چاہتا ہے، مجھے ایک اعتراض ہو سکتا تھا میں نے

اجازت دے دی تو عامر نے اپنے ہی سہل فون سے میری اس سے بات کر لی اور خود میرا کے دوسرے کمرے میں چل گیا۔ کاشف نے ہائی جان کر کاشف کر کے مجھے کیے گا کہ اس کے والدین جلد ہی اس کی شادی کرنے والے ہیں اور جو کچھ وہ اپنے باپ باپ کا بی بی پسندے گا کہہ کر چکا ہے اس لیے یہ کہہ رہا تھا، وہ بہار بھی پھر اٹھتا۔  
"ہوں!۔۔۔ میرے منہ سے نکلا۔" تمہارا خیال ہے وہ لٹا چکا ہے؟"  
"اگر تم سے ا۔۔۔ زئیرہ نے مسکرا کے کہا۔ میں ہونٹ پیچ کر کچھ سوچ رہی تھی۔  
"کیا سوچ رہے ہو؟"  
"کیا کہ مجھ کو حالات میں ہے ذمہ داری کس طرح نکالنا؟ اس لیے میں جبکہ ابھی نہیں سمجھتی۔" کیے کہتے ہیں کہ کیا میرا دل بھرا گیا تھا۔ زئیرہ فوراً مٹتی دیتے ہوئے مجھ سے بولی۔

"کیوں اور وہ ہوتے ہو تو اسی سبب تمہارے ساتھ ہیں۔ عامر میری بہن کی طرح ہے۔ مجھے خوشی ہوئی اگر یہ مارا انتقام اور بدولت اس کی کمرے گیا جائے۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔ میں کاشف سے کہوں گی کہ وہ گلی ہی اپنے ہاتھ لیں اور کمرے آئے۔ تم قہم بھائی کو بھی یہاں سے آئے۔ بات کرنے میں چوری قہم سے ساتھ لیاں گوں۔"  
"لیکن زئیرہ! اس دام بھنگو کے لیے تم بہن بھائیوں کا نپے کر میں وہ ضروری تھا۔ میں نے کہا۔  
"تم کو سارا کا رشتہ کر دے ہو؟" وہ بولی۔ "ایسا ہی ہو گا۔ سوچتے ہیں جو ہے لیکن تمہارے بیٹے کاشف کے لیے ہوں کہ قرآن کی سچی شادی کے بعد کہاں رہے گی، عامر تو خیر سے رخصت ہو سکے گا کہ میرا بے گین ٹیک ہے کہ میرا زہار ہے، اس کا رشتہ مست دیکھو کہ کام ہوا ہے۔"  
"کہہ دینا، وہ کہہ کر خود اسے مرمت قہم سے، بدلتی باتیں یہاں سے لے ہو جائیں۔ چوں بھی ہم باتیں بن بھائی اپنے کمر میں شفت ہو سکتے ہیں۔ اب کوئی باغیخہ کی طرف نہیں ہیں۔ میں نے بھی کچھ سوچے ہوئے کہا۔ "مگر یہاں کا کیا تانتا میں نے ان کو گلوں کو بھی کا کر ہے؟ اور تمہارا کاشف سے؟" وہ فریاد۔

"میرا اس آخری بات پر زئیرہ کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گر کر رہ گیا۔  
"تم کہہ دینا، میں تمہاری رو کر رہتی رہتی ہوں

بیس؟"  
"کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ابھی ان لوگوں کو تھوڑا انتظار کرنے کا کہہ دوں، جب تک میں کمر میں رہ کر وہ گلوں کا کام کر والوں کو پھر بھی سب بچکر لیا جائے؟"  
"میں نہیں! اس طرح لڑنے کے کہہ کر وہ خراخواہ ہی جھلک دیا وہاں میں پر چا جائے۔ بہتر یہی ہے کہ انہیں بالآخر۔۔۔ زئیرہ جھنجھکی سے بولی۔ "مگر ہاتھ تو آگے بڑھ جائے تاکہ ان کی کسی مسئلہ ہو جائے۔ لڑائی کا معاملہ جس قدر جلد کن ہو سنا لیا جائے اور پھر کاشف اور عامر کی دوسرے کو پسند بھی کر لیں۔ چوں لڑنے کے کہہ کر والے بھی اپنے اپنے کی پسند پر رضامند ہیں۔"

میں نے کچھ سوچنے کے بعد زئیرہ سے کہہ دیا کہ وہ آجین کل شام جانے پر بلائے۔  
☆۔۔۔☆  
میں زئیرہ سے رخصت ہو کر کمر سیدھا علی آؤے پتھانہ وہاں کے کھوٹے سے معاملات نمائے اس کے بعد فائر و فوگن کا کاشف اس سے بات چیتا تھا۔ وہ میری بات سن کر کچھ دیر سوچنے کے بعد بولی۔  
"نعمان صاحب! کیا ایسا ضروری ہے طاقت؟"  
وہ وہیں باہر اور صرف جگہ پر بھی بیٹھ کر میں سطر میں میزوں اور دو زین کے شریکی آواز سن سنی دے رہی تھیں۔  
"ہاں! میں نے کہا۔ "طاقت تو ضروری ہے لیکن

آپ اگر نہیں باہر ہیں تو انتظار کر لیتا ہوں۔"  
"میں کچھ کہہ رہا ہوں کہ میں صرف وہاں سے ایک مجھے ایک مردانہ آواز سنائی دی، میں کو کیسے کہی اس کے ہاتھ قریب بیٹھا وہ وہاں سے کل میں سوار ہو رہے تھے یا ہو گئے تھے۔ ایک میرے ذہن میں اس مردانہ آواز پر ایک خیال مجھ کے لیے طرح چکا۔ لیکن میرے تو نہیں تھا؟  
"ہاں! میں باہر ہی ہوں۔" فرمان کی آواز ابجری۔ "پتھانہ ٹیک ہے میں تھوڑی دیر بعد تمہیں ایک بیل کے پتے لیتا ہوں۔" یہ کمر کی رہے رابطہ کر دیا اور میں پُرسوجہ انداز میں اپنے ہونٹ چکر کر رہا تھا۔  
چندتا کچھ کچھ کچھ اور پھر ایک فیصلہ کر کے میں نے چال لاری اٹھائی اسے منگو کر لیا اور پھر دینا پراسار ہو کر سد بھائی کے پاس چکا۔ اسے میں نے کچھ باتیں دینا دیا اور ساتھ چلے گا کہا۔ تھوڑی دیر بعد ہم دونوں اپنی اپنی ایکس



والی نظروں سے کھڑے ہوئے بیٹہ گیا۔  
ابھی تک میں صحیح طور پر اس کے بارے میں یہ اندازہ  
قائم نہیں کر پایا تھا کہ کیا شیر عابدانہ طورہ کسی حوالے سے مجھے

لچھری کی بڑی وجہ اس کی ماں رفعت خانم کے اصل قاتل والا

ملینا معرگ شست

فبراير 2018ء



”آپ نے کیسے جان لیا کہ اس سے بچا تھا ہوں؟“  
 میں نے پھر سوال کیا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ کس حوالے سے یہ بات سمجھ سے کر رہا تھا۔  
 ”یوکی کو چلایا تھا میں نے کیونکہ تم ان کے ساتھ آ رہے تھے۔“  
 ”ہم الگ آ گئے تھے۔“ میں نے کہا اور انہیں بتا دیا۔

”اور اچھا۔“  
 ”آپ تو جان گئے ہیں اسے پھر جسکوں کوں تھا یہ؟“ میں نے ڈانڈ چاہی، علامتہ سے کام لیا۔ میرے اس سوال پر رانا شیر پر کچھ سوچا نہ کیا۔ پھر ایک لمحہ ہی کہانوں کی غارتگری کرتے ہوئے بولا۔  
 ”بات دراصل اس طرح ہے لیکن مجھے شاید تمہیں سادگی تفصیل بتانا پڑے گی، میں سمجھتا ہوں اچھے تھنڈی دھکی ضرورت پڑی ہے۔ میں اس کو جوان کو اپنی بیٹی فرمانہ کے ساتھ دوڑتا ہوں کہ مرند ہو گیا ہوں۔“ وہ اب عام عاشقوں کی وہ نظرات نہ لگا۔

”میرا خیال ہے کہ آپ مجھے یہی بات بتا دی تو بہتر ہوگا۔ رانا کو سوال تو ہم ایک ہی شخص کے سوار ہیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ پورے طوں سے خداوند کرنا ہمارے دیرینے مشاغل ہی ہوگا۔“  
 ”بھیا! وہ ایک دم بولا اور پھر چند لمحوں خاموش رہتے ہوئے مناسب الفاظ طائرانہ مجھے تو سب معلوم تھا لیکن میں دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ مجھے کیا بتاتا ہے؟ نیز کسی مبالغے یا جھوٹ کے سہارا تو نہیں لیتا جاتا تھا اس نے دھیرے دھیرے میرے سامنے میری پوری کہانی سے لے کر اب تک سب بچا کر بتایا تو میں نے اسرار میری سکر ایٹ سے جب اسے بتایا کہ میں پہلے ہی سے یہ سب جانتا تھا تو رانا شیر کا نہ جرت سے ٹھکارہ گیا۔ لہذا وہ اب بھی کہے میں بولا۔  
 ”تھنڈ۔۔۔ تھنڈ۔۔۔“ وہ اپنی آنچ سے سب جانتے تھے؟ ”وہ غیر یقینی نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

”میں ابی اور یہ بھی کہ میرے لیے وہ اب کے دشمن نہیں ایک شادیہ کا بیٹا ہے۔“ اسے ایک تک پہنچیں نہیں آ رہا تھا کہ میں یہ سب پہلے سے جانتا تھا۔ میں اپنی ”سورہ“ کے بارے سے آواز سے تفصیل نہیں بتاتا جانتا تھا جس کی کوئی کٹی کاغذ میں نے اسے کچھ مذکورہ وہل میں اس کی شادی میرے ”لانا سے“ کی رانکہ سے اس کی ملاقات اور شادی میری اس

ہونے کی ذیق کی گئی ٹیٹو تک کال کے بارے میں بتا دیا۔ یہ سولہ گتے سیدھے بھائی سے حاصل ہوئی تھیں۔ سبھی نہیں جب میں نے اسے یہی بتایا کہ میری بہن رانکہ سے ایک ملاقات اس کے چہرے ”تھی گویا“ پر بھی ہو گئی ہے نیز اس کا تعلق نہیں لگا مٹنے راکے میں کئی دور دور تھا کہ چل کر اچھا تو وہ گنگ ہو کر رہ گیا۔

یہی وقت تھا جب رانا شیر ایک دم مجھ سے باہر سے مل گیا۔ ”نہان! بھئی اتم ایک بات اور بھاد تو جوان ہیں۔“ تھنڈی دھکی ضرورت سے نہان! اب تو اس کی اس حال کی کوئی کمی ہو چکا ہے کہ اسل پر کم کرنا تھا لیکن شادی میری اور میری بیٹی کی جان کا بھی وہ کس نہن چکا ہے، اتم نے دیکھ ہی لیا ہوگا کہ وہ اس قدر خطرناک اور اثر و رسوخ والا آدمی ہے۔ وہ ایک ڈان ہے ایک پڑاؤں۔ اس کا پانچویں ہے اس نے بیان ہو کر میرے خلاف بھی اچھا حال چلی ہے اور میری چہرے پر ڈانڈی کر دیتی ہے کھینے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے اپنے بچے کو میری بیٹی کے پیچھے بھی لگا دیا ہے۔

”یہ بات ابھی ہم یقین سے نہیں کر سکتے مانا صاحب!“ میں نے غصی ہوئی بھینگی سے کہا۔ ”فرمانہ اور شمر کی دو کٹی ایک ایک انتہائی بھی ہو سکتا ہے اس کے لیے میں فرمانہ کو انکار میں لیتے ہوئے حقیقت جاننے کی کوشش کرنا چاہیے۔“

”میں ابھی فرمانہ بیٹی کو بولا ہوں، میں نے بھی کچھ دیکھتے ہیں اسے ڈانڈ دیا۔“ رانا شیر بولا تو میں نے اسے تسخ کر دیا اور رخصت ہونے کی فرس سے صوفے سے اٹھ کر اڑا ہوا۔

”میں اب چلوں گا۔ میرا آپ سے رابطہ رہے گا۔“ فرمانہ سے ابھی اسے کچھ کہتے تھے کہ میں خود اس سے بھی یہاں آ کر کھینچ لیا کہ ان کے بعد آپ کو کوئی مسئلہ دل کا کہہ کر پھر آپ اپنے طور پر اسے اجازت میں لینے کی کوشش کیجیے۔

”تھنڈ ہے پر رور اور اس کی تہہ کی دہلیات پر حرف بہ حرف کھل کر دین کا۔“ رانا شیر بھی یہ کہتے ہوئے صوفے سے اٹھ کر اڑا ہوا اور آخر میں بولا۔ ”مجھے دے کہیں یہ معاملہ چننا ہی ہے۔ صورت اختیار کر جائے لیکن رور کو اس نے آکھ اس سچنے لے کر بھی تقریبیں کرتے تھے۔ آئی تھنڈ وہ اس میں پوری غرض اصرار نہ ہے۔“

”تھنڈ کے آگے کیا ہوتا ہے۔“ فرمانہ بیٹی اپنی تانوں نہیں لے کر اپنی ماں کے تانوں کے بچے کو اپنا بیٹا سامنی بنائے گا سوچے ہیں بہر حال اس کی تو یہ سب باتیں ازل و بزل ہی ہوگا۔ چلے آہیں۔ آپ کی ضرورت پڑی تو میں رابطہ کرنا گا کر آپ کی حفاظت دے گا اور مجھے ایک ایک بات سے مطلع کرتے رہے گا۔“

”فرمانہ! رانا شیر نے فوراً میرے سر کو اپنی ہتھیاری دی۔ میں اس کی رہائی کا وہ سے لگا اور دلیا میں سوار ہوا۔ اسے اسلٹ کر کے سر کوڑی اور پھر اس کی جگہ کہیں میں نے سدا وید کو بھجوا دیا۔ جب تو وہ وہاں نہیں تھا۔ میں جرم کے سلسلے میں اسے اسل اٹھا کر کچا کچا دھنسا اس کے تعاقب میں نکل چکا تھا۔

میں نے سب اس سے رابطہ کیا۔ وہ اب تک پر ہوتا تھا چنڈ فری استعمال کرتا تھا کہ اب تک چنڈنے کے دوران وہ فون پر کسی آسانی سے بات کر سکتے۔

”اب سدا! کہاں بیٹھے؟“ رابطہ ہوتے ہی میں نے جھڑکنے سے بچھا۔  
 ”جناب! شمر کی طرح کا تعاقب کرتے ہوئے ڈیش کے قریب قایم رہاں کی باتیں کا کہہ کر تھنڈ چکا ہوں۔ وہ اندر جا چکا ہے۔“  
 ”تور کوئی اس کے سہرا نہیں تھا؟ میرا مطلب ہے وہ اکیلا ہی تھا؟“

”میں ابی جناب! اس کا جواب اثبات میں تھا۔ آگے بڑھا۔“ اس نے رات سے ایک نو جوان کو تک لیا تھا اور اب وہیں قریب قایم رہاں اپنی کوئی پر کھنچ چکا ہے۔ میں وہ کھڑا ہو گیا کہیں نہ ہو۔

”چنڈ! دراصل اس کو جوان کا ناک تھنڈ ہٹاؤ؟“ میں نے کوئی نہ بھاد تو سدا نے مجھے اس کو جان کا ملیدہ دیا۔ میں نے سوچ بچار گزارا اپنے ہونٹ کیلے۔  
 ”اب کیا کام ہے جناب؟“ مجھے خاموش پا کر اس نے چمچا۔

”تم ایک کام کو سدا! میں کہیں کر رہوں میں کچھ دیا ہوں۔“ میں نے کہا۔ ”لیکن ایک بات کا خیال رکھنا اگر اس کو جوان کو تھنڈ میری کٹی سے لکھنے سے بعد اس کا تعاقب کرنا سادھی میری بھی رہنمائی کرتے رہاں۔ میں کی تہہ سے پیچھے آتا رہوں گا۔“  
 ”مجھ کی جناب!“

اس کے بعد میں نے رابطہ منقطع کر دیا اور ٹھوڑی دیر دہاں کو اس کو جوان کے بارے میں سوچنا رہا اس کے بعد میں نے بھی چنڈ فری لٹا دیا اسے اپنے سوا کھنڈ کے ساتھ کچا کیا ہے۔ جب میں رکھے کے بعد ایک کاپی نے چہرے کے قریب رور اور اس سے تھنڈ کھنڈ کیا۔

”فٹنس کی طرف روانہ ہوتے ہی جب میں کلا ہلا پر پہنچا تو چنڈ فری پر مجھے فون کی آواز سنائی دی، میں نے ایک ہاتھ سے جھبٹ کا شیٹ اوپر کیا اور سدا کے قریب جھولنے لگا کہ سدا کو بھی رور کیا۔

”اباں! اور سدا؟“ میں نے کہا۔  
 ”سر میں نکل رہا ہوں، وہ تو جوان ایک ٹھنڈی سر روانہ ہو گیا ہے۔“  
 ”اباں! اور سدا؟“ میں نے کہا۔

”اباں! اور سدا؟“ میں نے کہا۔  
 ”اباں! اور سدا؟“ میں نے کہا۔

”اباں! اور سدا؟“ میں نے کہا۔  
 ”اباں! اور سدا؟“ میں نے کہا۔

”اباں! اور سدا؟“ میں نے کہا۔  
 ”اباں! اور سدا؟“ میں نے کہا۔

”اباں! اور سدا؟“ میں نے کہا۔  
 ”اباں! اور سدا؟“ میں نے کہا۔

”اباں! اور سدا؟“ میں نے کہا۔  
 ”اباں! اور سدا؟“ میں نے کہا۔

”اباں! اور سدا؟“ میں نے کہا۔  
 ”اباں! اور سدا؟“ میں نے کہا۔

نوجوان میر کوئی دوست بھی ہو سکتا تھا۔

میر سے اندر بے چینی نظر آتی تھی کہ میں ایک بار اس نوجوان کو انھوں سے دیکھوں کہ کون تھا یہ بہر طور میں نے مکان خیرا میری طرح ذہنی نشتر کر لیا اور اس کا کل وقوع بھی اس کے بعد رونما کیا۔

میں وہاں سے سینہ صاف ہوتا ہوا میرے آؤے پر پہنچا کہ لایا کی حالت کافی بہتر ہونے لگی تھی۔ اس نے میری حیات پر چند ٹکڑوں کو تحریر میں حاصل کرنے پر رگڑا کر دکھا لایا نے ہی مجھے بتایا۔

عزیز خان، وہ پکا پورا ہے کہ اب اس کا باپ نے پھر میں اندر ہو گا۔ یہ تو کبھی پرانی خبر۔ میر گھر کے ساتھ شاو کا گھوڑا بھی کیا اندر جبکہ اصل دو شاہ میر کے دونوں گھوڑے بن رہا اور راکا چھپسی کی منت کشی کے ذریعہ رستہ تھا۔ انھیں ان کی خوبصورت لالچ مسند کی شہزادی کے اندر نظر بند رکھا گیا ہے۔

”واہ پیر! لایا کی دھما کا خبر نہیں ہیں۔“ میں نے کہا۔

”تو چہاں رستم سے میرے بار میری؟“ وہ سختی خیز لہجے میں بولا۔ ”ایک دم دھما کا رستم گئے تو بڑے بڑے گھوڑوں کو کھنکھارے سے تون کی گرفت میں دے ڈالا ہے کہ ان کی گردنیں بری طرح پھنک پھنک ہیں۔“ اس کے سبب میرے لیے سناٹا بھی میں نے کہا۔

”اے میرے میرے پا رکال! یہ بے ہوش میں نے تجھ سے ہی تو سیکھا ہے اور پھر تیری سیل سدر سے تو بے سبب کھنکھو رہا۔“ وہ دھمکتے ہوئے بڑے بڑے پھندوں میں پھنس کر رہ گئے تھے۔

”بھلاست! وہ دھمکتے ہوئے بولا۔ ”میر تو صرف مارا ماری جانتے ہیں مگر خیر اور ایک اعلیٰ درجے کے شخص جیسا کام کرتا ہے۔ حال بننا اور اسے اپنا گھوڑا تو کبھی گھٹے نہیں میں نے اس بار مجھ سے دیکھا ہے۔“ لایا نے کہا۔ ”کال! اب تک میرا اصل دو شاہ میر نے زہر نہ دیا ہے۔ میں اسے اپنی اصل نہیں سمجھتا۔“

”دو شاہ! ایک دن ہماری گرفت میں ہو گا۔“ لایا نے پھر نرم ہو کر کہا۔ پھر اس نے میرے بار سے میری درنیت کیا کہ اس کے سلسلے میں میری بہن چلی کہاں پہنچی؟

چلا رہا ہے کیونکہ راجا شیر اس کے لیے گئے کا پھندا میں چکا ہے بلکہ اس کی زد میں کسی خطرناک ہے۔“

”میں اس صورت حال سے غافل نہیں ہوں گا لایا! میں نے خیالی انگیزے نہیں کیے۔ لیکن ہماری راہ خیر شاہ میر اس کے گھنے گھنے گھر بھاگا ہوا ہے، جسے وہ ننگ پا رہا ہے اور نہ ہی اس کے پاس ہے۔“

”ہم کی دیکھنا آپس میں باتیں کرتے رہے۔ میں نے رات گزاری۔“

اگلے دن میں عامر صبر اور بہیم کو لیے اپنے گھر میں شرف ہو گیا۔ اس سے پہلے میں نے گھر کی آگ میں طرح مثالی ستر لای کر دیا تھا۔ اس کے رانے کی میری دھماکی خوش ہو گئے تھے۔ سامی کریم کھنکھناتے کی میری ملاقات ہوئی کہ وہ کی بہت خوش تھے۔ مجھے کافی تندرستی آگئی تھی۔ مجھے میں داخلے کے لیے ایک ایک کمرہ گوداؤں میں تھا اور وہاں بار بار گھنٹے کی ڈھپیلی کے ساتھ دو چکر اور دو کوئی مختلف دوا تھیں تھیں تاہم دیکھا کہ میرا دواؤں جاتے جاتے والے گھر میں گئے تھے اور اس کی غیر متعارف افراد کو تصدیق تھی کہ میرے اندر بھی چھوڑتے تھے۔

مجھے کھنکھناتے کے ذریعے کہ راکھیں نے گھر گھر سے ہر بار ہلو ”میں نہیں!“ میں نے پھر مکرر کر کے کہے۔ سب کی سب کی کا معاملہ تھا۔ میرے لیے لوگوں نے بھی کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ ہم تینوں بہن بھائی ایک باہر اپنی صحت علاج سمجھتے ہو کر بے حد خوشی محسوس کرتے تھے لیکن بہیم کی معدودہ پر عامر سے مل رہی تھی اور اسے ہر حال سے مدد کر کے غائب میں اس کا جلد سے ملنا تھا لیکن پھر پھر میرا گوداؤں تھا۔

اس کے اگلے دن کاشف اور اس کے ماں باپ کی عامر صبر کے روشتے کے سلسلے میں بات کرنے آئے۔ انھیں عامر پھندا کی کسی عامر سے سہاؤں کے لیے جانے پر خاصا مختلف اہتمام کر رکھا تھا۔ بھڑے اور سیرے اس نے گھر میں باہر کیسے چند دنوں کی چاہت بھی نکالی تھی۔ اپنی فرزند بہت میں باہر سے آئے لایا تھا۔ اسے بھی کاشف کے والدین نے کوڑی کے گھر لایا کہ اندازہ ہوا تھا اور انھوں نے اپنے بیٹے کی ”پند“ کو بے حد سراہی تھا۔

تھے اور اس سے کاشف کے بغیر ہم کوئی بھی ایسا کام بات کو اسے نہیں ہو سکتا تھے۔

مادری سنگھ بڑی تلی اور ایمان میرے انداز میں ہوتی رہی۔ بڑی خوش و سولگی سے یہ رشتہ بنے ہو جانے پر ہر کسی کے جوہر سے خوشیاں چھوٹی بڑی سرگرمی کا ایک ایک موقع پر کاشف کی ماں جو تکبر اور شہزادی تھیں۔ گھر کا بازو دینے ہوئے خوشی کا۔

”بہن! لڑکی میں پھندا آتی ہے۔ یہ ماشاء اللہ بہت نصیبوں والی ہے کہ اس نے ہمارے گھر کا بیٹے کا نصیب بھی چکا ڈالا ہے۔ بہت اچھی ذہن رکھتی ہے۔“

”بھائی! یہ بڑی خوشی کا بات ہے۔“ کوئی ایک نظر قریب بیٹھے کاشف کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”وہ تو یہ پہلے ہی باپ کر رہے تھے؟ کیا وہ ہیں ان کی تری ہوئی ہے؟“

”کی نہیں لیکن ہمارا بھلا، وہ باپ میں نے چھوڑ دی ہے۔“ کاشف نے جواب دیتے ہوئے کہا۔ ”کوئی ایک خاص نوکری میں بھی اس پر جواب دینے طلب کی اور مرنے والی تھی۔“

”بھائی! یہ گھر کی خبریں کر دیا ہے۔“ باکل ناگہر۔ اپنے اہمکار کے لیے اس بھی نے ایک سوئیں لڑکے مختلف بچوں میں باٹ لے کر گئے تھے۔ اپنی پھر بھڑے گئے تھے۔

”ماں کی وصیت کیا ہے؟“

”اگر کوئی شخص اور خیر خواہ نہ ہو تو میرا فائدہ رک ہے۔“

”بھائی! یہ تو کبھی پرانی خبر۔ میر گھر کے ساتھ شاو کا گھوڑا بھی کیا اندر جبکہ اصل دو شاہ میر کے دونوں گھوڑے بن رہا اور راکا چھپسی کی منت کشی کے ذریعہ رستہ تھا۔ انھیں ان کی خوبصورت لالچ مسند کی شہزادی کے اندر نظر بند رکھا گیا ہے۔“

”واہ پیر! لایا کی دھما کا خبر نہیں ہیں۔“ میں نے کہا۔

”تو چہاں رستم سے میرے بار میری؟“ وہ سختی خیز لہجے میں بولا۔ ”ایک دم دھما کا رستم گئے تو بڑے بڑے گھوڑوں کو کھنکھارے سے تون کی گرفت میں دے ڈالا ہے کہ ان کی گردنیں بری طرح پھنک پھنک ہیں۔“ اس کے سبب میرے لیے سناٹا بھی میں نے کہا۔

”اے میرے میرے پا رکال! یہ بے ہوش میں نے تجھ سے ہی تو سیکھا ہے اور پھر تیری سیل سدر سے تو بے سبب کھنکھو رہا۔“ وہ دھمکتے ہوئے بڑے بڑے پھندوں میں پھنس کر رہ گئے تھے۔

”بھلاست! وہ دھمکتے ہوئے بولا۔ ”میر تو صرف مارا ماری جانتے ہیں مگر خیر اور ایک اعلیٰ درجے کے شخص جیسا کام کرتا ہے۔ حال بننا اور اسے اپنا گھوڑا تو کبھی گھٹے نہیں میں نے اس بار مجھ سے دیکھا ہے۔“ لایا نے کہا۔ ”کال! اب تک میرا اصل دو شاہ میر نے زہر نہ دیا ہے۔ میں اسے اپنی اصل نہیں سمجھتا۔“

ولی خواہش یہی تھی جبکہ ارشد بیگ نے معاملہ کسی سے کام لیتے ہوئے زیادہ اہم ارادہ کار مناسب نہ جانا اور اپنی بیگم بھاریا۔

”مہمان رخصت ہو گئے تو ہم نے بھی سے بچھا۔  
”بھائی جان! آخر یہ تو ہے آپ! اچھے خاصے خوش خوش کھائی دیتے ہوئے آخر میں ایک دم گھر میں سے کیوں نظر اڑنے لگے تھے؟“ انکے راہِ عامر کسی آگ کی روشنی چپ

تھی۔ میں نے بات باندھے ہوئے تھیں مگر اس کا کہنا  
”تمسے بھائی! آخر اسے بڑے سے اور اہم فرض سے  
سکھوٹا ہوا آؤ اس بات ٹھوڑی ہے۔ بیویوں کو کھڑی طور پر  
گھر میں لانا ہونے لگی ہیں۔“ اس کے بعد میں نے قریب  
سر جھکا کر کھڑی غاصہ کے سر پر ازاد مشتق ہاتھ پھیرے  
ہوئے کہا۔

”یہ ہارلی لاڈلی بہن جو ہے اس سے ہمارے اس  
چہرے نے گھر میں بڑی روٹی ہے۔ تجربے سے چاہئے گھر کی  
ہوئے والی ہے اب۔ سوچتا ہوں اس کے بغیر کچھ کمزور ہوں  
ہماری دولت کا زراہی کی گئی۔ میری بات پر بیگم کی غصہ سے  
مسکرایا۔

”بھائی جان! یہ عامر بڑے دلا سے میرے ساتھ  
آئی تھی اور میں جانتے اس کے سر پر ازاد پھیر رہے تھے۔“

میرے پاس کاشف کا ٹونہ بڑھا۔ اگلے دن میں لاری  
اڑے پر پہنچا اور کاشف کو ٹونہ لے کر کھانا کھانا کھانا  
شام پہنچے۔ پہلے میرے لاری سے اڑے والے دفتر آ کر وہ  
سے ملے۔ میں نے اس سے ضروری بات کرنی ہے کہ  
میری بات پر قہر اور ان کو ہوا تھا اس نے جالی بھر لی اور کہا  
کہ وہ جتن بھی چیک نہ کرے گا۔

میں نے اپنے کمرے سے دل لاکھ میں دیکھا چونک  
کے وہ میرا چہرہ سے اس کے آنے میں اس کی کافی وقت تھا  
اما کہ میرے بیٹے کی پہنچا کہ اب اب اب۔ میں میرے سامنے  
میز پر بیٹھا تھا۔ میں نے اٹھا کر مگر میں دیکھا تو میرا دل  
بے طرح جھڑک اٹھا۔ وہ دونوں باتیں ہم ایک تھا۔ اس نے  
کارنے کا کہنا تھا میں نے قہر اور اس کا بغیر چہرہ بڑا دل پر  
تھا۔ میں صرف جتن سے کمزور تھا کہ کال چارہ تھی۔  
دوسری طرف سے قہر اور اس کا بغیر دیکھ کر لگی۔ قہر کی سڑ میں  
آواز اڑائی اس نے پہلے سے کہنا کہ اب اب اب۔  
”کیسے ہیں آپ؟ طبیعت کیسی ہے آپ کی؟“  
”تمہارے میری طبیعت کیسی ہو سکتی ہے ہاں!“

میں نے کہا۔ ہاں کے جانے تو ذی سے غصہ ہونے میری  
طبیعت دیکھ کر بھی تھی۔

”ہاں! میں سمجھتا ہوں۔ اسے دلوں سے ہاتھیں کیا۔ ایک  
میچ جھک کر کے کی آپ کو نصرت ملی اور اب لکھی پختی دکھا  
رہے ہیں جیسے۔“ اس نے دلا سے دانہ اپنا جملہ اوصاف  
چھوڑا۔

”بھندہ! اچھے تمہاری بات۔“ میں نے خوشی  
سے کہا۔ ”جی ہاں! میں نے کمر بھینچا ہوں۔ لے لے لے لے  
جو تھیں لیکن میں کیا جانتا ہوں حالات نے مجھے ایسے دھارے پر  
ڈال دیا ہے تو ذی کہ میں اپنے آپ کو کبھی بھول گیا ہوں۔“  
”غصاں! اب تم سوچو کہ تمہاری یہ بد چہرہ؟ آخر جب  
ہم ایک ہونے کے اب تو گھر میں کی میرے طبیعت میں باتیں  
ہونے لگی ہیں۔“ وہ ایک دم مجھ پر کی ہونے کی تو میں نے بھی  
قدورے چوٹ کر کہا۔

”میری بیٹی ہے کیا ہوا ہے؟ کیسی باتیں؟“  
”غیر شرعی کے سلسلے میں۔“ اس کی آواز واضح طور  
پر پکڑا رہی تھی۔ میں منانے میں آ گیا۔ حالات کی ایسی  
گٹھائی تھی مجھے اپنی خود سے بھی بڑا نہ کر دیا تھا۔ میں نے  
اس طرف بھی توجہ دینا ضروری نہیں سمجھا تھا کہ میرے دور  
تو ذی کا یہ سلسلہ الفت میں کسی خاص نام دونوں کی ہی محدود ہے۔

اسے بڑا ایک کب اور ایسے بچپن تھا اس کے بارے میں بھی  
میں نے سوچنے کی ضرورت تھی مگر میں اب اب اب۔ تو ذی نے  
بات کہہ کر مجھے اپنا ایک سے مجھے سے ملال دیا تھا۔ خاصے  
تھر تھر سے لکھ میں بولا۔ ”تمہارے رشتے کی باتیں کو  
کر رہا ہے؟“

”مگر کسے بڑے۔“ ہماری ایک قلم ہیں وہ مجھ  
(کوئی) سے آئی ہوئی ہیں۔ دھڑے پامی میں دوری ہیں۔  
جتن سے سلسلے میں باتوں ہیں۔ انہوں نے ہی با با چالی  
میرے طبیعت میں بات کی ہے۔  
”کیا نام کا کولہا تھی؟“ میں نے کسی خیال کے  
تحت قدر سے مڑنے کی ہے۔  
”جیسے وہ بے لاد ہیں۔“ تو ذی نے جواب دیا اور  
میں نے اس کا جواب دیا کہ اس کا ساں ساں۔ تو پھر اس میں  
پریشانی کی کیا بات ہے؟ بڑے بڑے گھر کی جوان  
اور نوری لڑکیوں کے لپٹا کر ہم کرتے رہتے ہیں۔  
”دو گھنٹہ کیسی۔“  
”لی۔“

”کیسی کیا؟“

”انہوں نے با با چالی کو ایک رشتہ بنا دیا ہے۔ اس نے ہی

خامیہ ان کا لڑکا ہے۔ مسعود نام سے اس کا۔ وہ پتا نہ لگی۔  
”اس نے باپ کا کالہ کتا ہے۔ اس باپ نے میرا دل۔ لیبر،  
میں ان کی بڑی زینیں ہیں اور وہ ان کا کالہ وارث ہے۔ مجھ  
بڑا صاحب کا بھی ہے۔ سب سے زیادہ خوشی ایک بات ہے،  
جو با با چالی نے خاندان سے اپنی خوشی کے اظہار کے طور پر ہر گھنٹہ  
کرتے ہیں۔“

”مگر ان کے لیے میں ان کی فکر میں تھا۔  
”لڑکے کے باپ کے ساتھ با با چالی کی کیا رائے میں  
جان پہنچائی ہو رہی ہے۔“ کسی دوستوں کے ساتھ وہ ان کے  
علاقے میں گھر (پہاڑی) کھڑوں کا ظاہر میں کھینچے جا چکے  
ہیں۔ با با چالی نے تو خاندان سے بات کرنے کے بعد ان کی  
ایام پر لڑکے کے باپ کو ٹونہ کر کے بھی لکھ پکڑ کر  
ڈالے۔ بڑوں طرف سے اشارتیں کیا ہیں میں راضی ہوئی  
بھی محسوس ہونے لگی ہے۔ ”تو ذی نے آواز میں سے سب  
پتلی کی بھاری کی اور اس کے گھر پر کھڑے ہوئے کچھ سے  
ساف تھا ہر ہوتا تھا کہ وہ اور دوتے کی۔“

میں نے اسے بھی دیتے ہوئے کہا۔ ”تو ذی پر ازاد خود  
سنبھالو اور خود رکھو، میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تم کو ایک  
دور دور کر کے میرا کھانا چھوڑ دو۔ آگے میں سب یہ لکھوں  
گا۔“

”غصاں! میرا تو چین مرنے ہی اب تم ہو۔ تم ساتھ کی  
بات کرتے ہو میں نے تو اپنی روح و جان اکیں ہوں۔ تم  
تمہارے نام کو دلی کی جب تم نے اپنی بات کی میرے پاس کی۔  
بدل دوں اب صرف تمہاری نام نہادوں کے کہ میں کا قصور بھی  
نہیں کر سکتا۔ اس لیے قہر اور اس کے خاندان میں اب ایک ہی  
موروثہ تھی سے دور وہ دم۔“ صرف ”خ۔“

تو ذی کی جذبات سے تڑپا اور میں نے جوتی جا دی تھی۔  
میں آج بھی اپنے اپنے انداز میں تم گسار اور نوا کے ہوا کے ہوا  
تھا۔ مجھے اس کی طرف سے خوشی ہونے کی کہ پتا نہیں کہیں  
وہ عجلت میں نہ رہے۔ وہ غلطی سے زیادہ حساس طبیعت  
کی تھیں، مندرجہ ذیل سے اسے مزید اذیت سے دور رکھنا تھا۔  
”غصاں! دوسری طرف سے پھر مجھے اس کی ننگی  
ہوئی آواز آئی۔  
”ا۔۔۔ ہاں، ہولو فونز یا مگر یہ تیرے اپنا دل چھوٹا  
مست کرد۔“

”بہت غور میں ہوتی ہے۔“ اس نے پوچھا۔  
”بہت غور میں ہوتی ہے۔“

برطانوی ماہرین نے دیکھیں کو ان کا دور دور کرنے  
میں منفرد قرار دے دیا۔ برطانوی ماہرین صحت کا پتہ  
تھیں ایک ایک قدرتی انسانی ایکٹنگ ہے اور اس کی وجہ سے  
ہر جسم میں کی طرح کی پیادیاں ختم ہوئی ہیں۔ ماہرین کے  
مطابق اگر آپ کو ان میں کھلیفہ ہو تو اسے  
کلی ہوس کے ایک کھلے کوٹ کا ٹان میں رکھیں اور  
جب تک آپ جا میں کے کوٹ کا سے دور سے کھل جات  
دیکھیں گے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ جو گھر میں ان کا  
ہو گا۔ اس سے ہمیں انہیں ختم کر دے گا۔ اس  
سے لگی یہ کسوڑل آج میں کل میں اس کی ایک جگہ  
ماہر نے اپنے مقالے میں شائع کیا تھا۔ اس تقریر کے  
ساتھ ہی ماہرین کا مشورہ ہے کہ اگر کسی شہر کی اڑی ہوئی  
اس سے کوڑا نہانے سے پہلے ڈاکٹرز سے ضرور مشورہ  
کر لیں جب کہ اس طرح کے کچھ نچلے پر آؤ نہانے سے  
مرہلہ نمینہ ویک۔ جتان

”ہاں! ہوتی ہے خود غرض۔“ میں نے بھی اثبات میں  
جواب دے ڈالا۔  
”تم نے پتہ چل کر میرے دل کا بوجھ پکڑ کر دیکھا! انہیں!

میں واقعی خود غرض ہوں۔“ میں نے پتہ چل کر دیکھا! انہیں!  
فراسی کو کہ میں ان کو تمہارے لیے ہوں، مجھ ایک  
جو تم مجھے پانچ تو میں نہیں کیا ہے۔ وہ ان کی ہوا  
ایک مندرجہ ذیل کے لیکن جہیں با کرمیں تو جیسے ساری دنیا کی  
دولت پانوں کی مگر میری صوری موت میں کیا لے گا۔  
جیسے کھان، دیکھیں لیکن ختم۔“

”غصاں! وہاں تو ذی!“ میں نے اسے معصومی  
تھے ڈانڈا۔ ”میرے کہنے کا یہ مطلب ہے کہ گڑبڑ تھا۔“ وہ  
شاہد دیکھ اور غصہ دہائی کے دور سے ماہرین کا انتہائی کچھ  
ہوئی تھی۔  
”خود غرضی سے میری اور صرف اپنی صحت کا حصول،  
لیکن تھیں۔ میرا وہ میری صحت میرے سنا ہے جس سے دانتے  
سب سے ہیں تو ذی! میرے کہنے سے عجب تھیں ہو، بھلا  
پھول میں صرف میں نے ہی کر لگی!“ میں نے غصہ کیا  
دم صحبت پائی لکھ میں کہا۔ ”لیکن اب تم دھوکہ کر دی۔“

فروری 2018ء

دوبارہ ایسا تم کو تھکے سے اور ذہنی اپنی مفردی کا ذکر کر دی۔ میں نے تم سے محبت کی ہے، اور اگر چاہتی ہوں تم سے ملنے۔“

”آرام کا اس قدر خوش قسمت ہوں میں کہ مجھے اتنی چاہتوں والی سے ٹوٹ دے غرض محبت لی ہے تمہاری ضرورت۔“ وہ جذبات کے گدھ کے بولی۔ ”میں انسان! کسی بھی صبر اور صبر میرے جو کہہ کی گاتے کہہ۔“

”تم! اس مومنوں سے بہت سے ہیں خودیہ! میں نے اس بار تجھ کی سے کیا۔“

”تم! اس کے مجھ قاتلے کو اور کیا بتاؤں؟“ اس کی لڑتی آواز ادا کر۔

میں ہونٹ کھینچے کچھ کہتا ہوں اس کے بعد بولا۔

”ایک بات تاؤ کیا کر کے کہ میں باپ نے مجھیں دیکھا ہے؟ تم میرا مطلب ہے قرب سے؟“ میری آواز مطلق میں اٹھنے لگی۔ بات خاص کی عمر کو تو میرا اشارہ مجھ کی فورا جواب دیا۔

”ہاں! انہیں معلوم ہے کہ میں دونوں ناگوں سے مفرد ہوں۔ حال! انہیں بتا چکی ہے اور حال نہ ہی یہ دشت ڈھولنے دیا۔“

”اس کے باوجود؟“ میرے کچھ میں قدر سے حیرت تھی۔

”ہاں! اس لیے کہ لڑکے کے ساتھ کسی کچھ ایسا ہی معاملہ ہے۔“ تو میرے جیسے کہ ایک شکاف کیا۔

”کونسا؟“ اس نے سنا۔ ”وہ وہی مفرد ہے؟“

”وہ جسمانی طور پر بالکل ٹھیک خاک اور صحت مند ہے۔ لیکن۔۔۔ وہ عقلی طور پر مفرد ہے۔“

”کونسا؟“

”انہیں اس کی عمر تو میں بائیس سال کا ہے مگر وہ ان بات آٹھ سالہ بچے کا سا ہے۔“ اس کی آواز ڈھنکی جلدی تھی۔

”سم۔۔۔ مجھے یقین نہیں آ رہا۔ ایک باپ اپنی اولاد کے لیے اتنا بڑا کسی سوچ سکا ہے؟“

”انہوں نے اپنی طرف سے ہر سچا سچا میرے لیے۔ بلکہ ایک مفرد کو کے ساتھ کون اپنی ساری زندگی تامل سکا ہے۔“

”خدا کے لیے خودیہ ہے مفردی کی گردان چھوڑ۔“

میری قریبی نہیں تھی کہ آ رہا ہے کہ معاملہ اسے کچھ اور وسیع دار نشان ہوتے ہوئے اپنی جی کی زندگی میں نہیں کیوں جھوک رہے ہیں، کچھ بھی کیا لیکن والدین تو اپنی اولاد کے لیے اچھے دوست ہیں۔“

”اس مسئلے میں باپ باپ کی اپنی ایک مشق ہے۔“

”خودیہ کی کہی میں بولی۔“

”ہی! مشق؟“ میں نے کچھ کچھ دل سے پوچھا۔

”کونسی مشق؟“ میں نے ان کو سن کر چاہے دولت کے کئی بڑے پر پائی ایسے غریب آدمی سے تمہارا نکاح کر دیا کیوں جس میں کوئی کی حساسی نہیں تو ہو سکتا یا رکھنا جی اس کی طرف سے ایک صحرانہ مفرد کہہ کہ وہ یہ جو صحرانہ زندگی نہیں اٹھاسکتے یہ جو صحرانہ میں باپ ہی اٹھانے تھے یہاں تک جس کو کئیوں کا معاملہ ہوتا ہے اور وہ میری عمر سے کئی بیٹوں کو اس میں سوچ سمجھ کر ایسے رہنے کا کام کرنے دیتے ہیں۔“

”تو کیا تمہارے باپ باپ نے تم سے اس مسئلے میں تمہاری مرضی بھی پوچھی؟“ میرا بچہ اس کا جواب دیا۔

”ہاں! وہ بولی۔“ باپ باپ مجھے اپنی طرف سے اس امر میں لینے کی غرض سے یہ سب کہہ رہے تھے۔ انہیں بھلا میرے دل کی صحت پر انداز کیا تھا؟ وہ بولے۔

”جی! ہر ایک باپ اپنی اولاد کی بہتری کے بارے میں ہی سوچتے ہیں۔ ہم تمہاری بہتری کی ہی میں مجھے ہیں تو کھانڈ رہا ہے۔“

”تو میں نہیں ہر کی کا جواب دینا چاہتا ہوں اور جواب دینا کا سبب دیتا ہے جو اپنے بیٹا کو بھی شرم کا پتلا مسودہ کی مفرد میں نہیں دیکھ سکتا۔ وہ وہی مشق کی کہ یہ ایک کا دل دیتا ہے۔ وہ تمہارے قابو میں رہے گا۔“ تو کچھ فکر چھانڈ پانچہ والی زندگی گزارا۔ تم روز بروز آدمی تو بنی نہیں لیکن وہ دے کر ہی ادا ہوا کر دے گا۔“

”ہاں! ہاں! کی اس سبب غریب مشق سے میں متفق نہیں تھی مگر میں خاموش رہی۔“ وہ کہنے لگی اس میں اندر سے مجھ بھروسہ کرنے لگی۔

”خودیہ میری چند اور میری محبت تھی لیکن عام تاثر میں دیکھا جائے کہ طعنا میرے لیے اولاد کی بہتری کے نام پر اپنی بیٹیوں کو طعن کرنا میرے انہوں سے زور دہ کر دیتے ہیں۔“

”وہ تو کیا؟“ اس کا نشانہ اور آدمی کو ہی سب کچھ گتے ہیں۔ یہ بیٹوں جانتے کہ گوشت ذات کے بھی کچھ لوگ ان اور جذبات ہوتے ہیں۔ ان کے لیے ہر شے روپا چاہی نہیں

ہوتا۔ وہ ایک سماج کی بھی تیار تھی ہیں، ایک ہے سماج کی جو وہ کھٹکے میں کے ساتھ ہو۔“

”روئے سے بھٹکنا وہ غریب؟“ پالا خرم میں نے اس کی دستور سسکی ہوئی آوازوں کو سنتے ہوئے کھڑی ہوئی تھی۔ ”میں نہیں اس لیے کہ صاف صاف کہہ دینا چاہیے تھا کہ میں اس دشت سے نکال رہے۔“

”تو میں نے انہیں تھمرا بتا دیا؟“ وہ ایک دم بولی۔

میں زرا سوچتا ہوں کیا بھگروا۔ ”ایک شایہ یہ نکل از قوت ہوگا۔ تم میرے باپ سے ایسا کہی نہیں جس میں اس کی ہر ہر بات سے اب بچھڑی ہے۔ تم چاہتوں میں ابھی تو قوی طور پر اس دشت سے نکال کر گزارا۔“

”ہاں! ہاں! میں اس وقت تو کچھ کہنے کی جرأت نہ کر سکتی تھی۔ تاہم انہوں نے مجھے سوچنے کے لیے کچھ قوت دیا ہے۔ کل صبح اٹھا تو مجھے انہوں نے ٹھیک سے اپنا کارڈ دیا۔“

”وہ بھی کہہ رہی تھا کہ میں انہیں اپنے جواب سے آگاہ کر دوں گی۔“

”کڑا اس طرح بہت خوفزدہ یا یہ ہم دونوں کی زندگی کا معاملہ ہے۔“ میں نے مسترد کیا۔

”نہیں! لیکن نگران! ہر اولاد اس جانے کیوں ہے جنہیں اور پریشان دے گا ہے، پتیز، تم بھی کچھ قدم آگے بڑھاؤ۔“ وہ خوش سے کہنے میں بولی۔ ”آج ایک رشتہ آگے ہے کہ اگر وہی آگے آئے اس کا بھی نہیں پتہ چلا، ہاں! ہاں! اسے اپنی خدمت بتا دیں۔“

”میں نے یہ خودیہ میری جان اس آج سے ہی اس معاملے پر غور کرنا شروع کر دیا۔“ میں نے اسے سنا دیا۔

”میں نے کہا! میں سب سے پہلے چاہتا ہوں شے کچھ مفرد کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔“

”خودیہ کچھ کہہ سکتی ہوئی اور ہر راہ پر قطع ہو گیا۔ میں نے تل فون اور دوسرے میز پر رکھا اور ہر سوچ اکر اس اپنی پیشانی منسلک کیا۔ حاسر میں کی کتاب کا بھی حائل میں پڑا تھا۔ ایسے میں ہر معاملہ اس بات نہ تھی کہ جبکہ حقیقت یہی تھی کہ میں قرائے میں۔“ معاملے سے بالکل ہی بے فکر تھا کہ اپنے وقت میں یہ کام ہو جائے گا۔

”پالا خرم خاموش سوچ رہا تھا کہ بعد میں نے یہی فیصلہ کیا کہ میں اس بار سے میں چاہتا ہوں اور شے سے بات کر کے دیکھا ہوں کہ وہ مجھے اس مسئلے میں کیا مشورہ دیتے ہیں؟ ہمارے بے سودی تھے۔ میرے ذاتی معاملات ان کے مشورے کے

بغیر آگے نہیں بڑھا سکتے تھے۔ کبھی جب کہ اس روز حاسر کے رشتے کے لیے آئے ہوئے کاشف کے والدین کی آمد پر نے چاہا اور شہر کو بھی ان کے سامنے اپنے ”بوائے“ کی حیثیت سے مثال کیا تھا۔

\*\*\*

کال کی حالت بہت بگڑ ہوئی تھی۔ وہ خود کال کا پکا پکا محسوس کرنے کے تھا کہ اس کی بعد اس نے سگرائے ہوئے کبھی بتائی کہ کب میرے سے کال پر ہوا اثر نے کال تھا۔ اپنی تامل کرنا کبھی کبھی کہتے تھے۔ ان کی باہت اسے دھم چاہنے پر مجبور تھی۔ وہ بار بار قانون کی گرفت میں آئے اور چھوٹے رہے تھے کہ اس بار میری مستقل ملازمت اور میری ثابت قدمی کے باعث وہ مل طور پر قانون کی پکڑ میں آئے تھے اور بعد کے میرے سے کہہ تھل چلا جائے گا۔ میرا بھی کئی قاتل اور دیکھا جاتا تو وہی میرا اصل ہدف تھا اور میری زندگی کا مفردی۔

اس وقت جب میں اور کال خرم کو انوکھ کرنے کے منصوبے پر غور کر رہے تھے تو فرما دی کال کی اس نے مجھ سے فوراً ملنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ مجھے کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ میں نے اسے سنا کالاری اڈے والے دفتر آئے وقت دیا تو وہ دھمکیاں بولی۔

”میں نگران صاحب! پتیز! بہت بہت ضروری ہے، میں آپ سے ابھی ملنا چاہتی ہوں۔“ میں اس کی بات سن کر مستعجب ہوا۔

”فون پر کچھ بات چلیں؟“

”جی۔۔۔“

”اب میرا کل ہی آج میں، آج کا پورا دن میں مصروف ہوں۔“

”دوسری صبح چھ بجے میرے سوچ خاموشی ملا دی

اس کے بعد اس کی جتنی بھی کال آواز ابھری

”سم! میں نے دراصل شے کے مسئلے میں آپ سے کچھ دریافت کرنا تھا۔“

”سم! میرے منہ سے خیال گھنیر ہر گاہ کی خاموشی بولا۔ ”میرا خیال ہے کہ اس معاملے نے آپ کو اس کی حقیقت کا گواہ کیا ہے۔“

”وہ بولے۔“

”کیا آپ میری بات کا یقین کر لیں گی؟“ میرے





مجھ سے آگے دو گاہیوں اور اس کے بعد مطلع ہو گا۔  
کار کے نائب کے دوران میرے اندر دو ٹکڑی بچی  
ہوئی تھی کہ وہ ان دونوں باپ جیسے اس قدر چرخہ فرما کر  
کے سلسلے میں یہ تپائی قدم اٹھانے کی باطل بھی توقع نہ کی۔  
تاہم اس سے ظاہر ہو گیا تھا کہ دونوں باپ جیسے ہونے  
تھے جس کا مجھے پہلے ہی ادراک تھا۔ ایک خیالی اور میرے  
ذہن میں ٹھک ہوا تھا۔ ہوسکا تھا کہ فرما کر بارانا پتھر کے  
ساتھ شرم کا چہرہ ہے نائب ہو گیا تھا اور اس لیے انہوں  
نے جلد ہی یہ طرک کا قدم اٹھا لیا ہو۔  
کار کا رخ کا طرف ہو گیا تھا۔

”سچی کوڑا“ میرے ذہن میں ابھرا تو کیا فرما کر  
میں روانہ کی لاچ میں یہ طالع کے کھدکھانے والا تھا؟ سوچتے  
تھے میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ بندہ گا کہ خیال آتے ہی  
میرے ذہن میں حضور کے باپ کی موت کا درد کا خطر  
ساتھ آ گیا۔ اس پر بڑے غریب حور سے بھلا میرا کیا شرم  
تھا کہ اس کا دل کتا بڑا تھا کہ اس سے میری زندگی بچا کر  
لیے خود کو درد کا موت کے پردہ پر تھا۔ کس قدر اذیت  
ناگ موت سے دوچار ہوا تھا وہ بڑا دم مارا کہ اس کی بلندی  
میرے ہمیں کسی اور کرنے سے اس پر بڑے غریب کی تو بڑیاں  
سرمد بن گئی ہوں گی۔ یہ خیالی آتے ہی راکا کے لیے میرے  
وجود میں سخت نفرت اور خلیہ و غضب کی ابھر آئی تھی۔ اس  
پر بڑے راکا جیسے مار دھرت انسان سے انتقام لینا میرا مقصد  
بن گیا تھا۔

میں نے بھی قہر کر رکھا تھا کہ دکن اگر تارک  
راہوں میں اپنی سیاہ کاری میں مصروف مل جتے تو میں نے بھی  
انہیں اس اعزاز میں جواب دینے کا حزم کر رکھا تھا۔ یوں میرا  
ڈر تھا کہ راکا تھا۔ میں بھی اسے تارک راہوں کا اسیر بنا کے  
بہم آ کر پھر لایا تھا۔

میرا انداز درست ثابت ہوا۔ کار بندہ گا پر دکن کی اور  
وہاں سے بیک بار ڈی طرف مڑ گئی۔ گیت پر جانے لہوں  
نے کیا چھوٹا چرخہ تھا کہ انہیں ابھر جانے والا تھا جبکہ میں نے  
اپنی کار پھر لائی تھی اور اندر آکر ڈال دیا۔  
فرقان سے میرا ملنے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ اب البتہ اس  
پر غصہ بڑھ کر گئے تھے غور سے مجھے شرمندہ خاطر ہوں  
تھے یہاں آنے کا کوئی جواز نہ تھا۔ اس دردناک واقعے  
کے بعد وہاں پہلے سے کڑا حور ہو چکا ہے۔ گتے تھے۔ ایک سے مجھے  
اس کے بارے میں سننا تھا۔ وہ میں نے تارک راہوں میں تھا۔ میں

اس کا شکر یہ یاد آ کر تے ہوئے آئے بڑھ گیا۔  
بندہ گا کی لغت خاص میں زندہ ہو رہی تھی۔ میرا رخ  
”سچی کوڑا“ (مصدقہ شہزادی) کی طرف تھا۔ یہاں بڑے  
بڑے کشیش گتے ہوتے تھے۔ اس کی آواز لیتا ہوا مطلب  
مقام تک پہنچ کر گاؤں کی طرح ٹھک گیا۔  
میں راکا کا شہر کی گڑبڑ جو کھولیں پہلے میں خبر تو میں  
نظر انداز تھا۔ اور دوسری لاچ بکری ہو گئی۔ یہ ایک عام  
سے چھوٹی اور سستی کی سائر لاچ تھی جو کون کبیر فرزند کی  
غرض سے جڑواؤں کی بیکر دیا گئی تھی کہ اس وقت وہ بھی  
خانی کی۔ اس کے اندر بھونکنے ہی غامض نظر آتے تھے۔

میں کو گڑبڑ کو نائب یا بیکری کی نشانیاں سامنے سامنے  
کرتے تھے۔ کیا تارک راہوں کا کیا گتے تھے؟ یہاں گڑبڑ کی دل  
کی تھی۔ راکا ایک خیال پر میں چٹکا۔ مجھے ان دونوں اندر کو  
حالی کر تھا جو میرے خیال کے مطابق فرما کر خیالی بنا کے  
یہاں لانے والے تھے لیکن وہ کبھی نظر نہیں آتے تھے۔ میں  
پریشان ہوں۔ کبیر کے حوران کے لیے میرا خوشی زندہ اور غور ہونا  
فطری بات تھی۔

فیض خان کی کھانڈا ہونے کے بعد راکا کا شہر مجھ  
سے عمل تھا۔ میں نے پراگم اور پکا تھا اور اسے ڈاکو وقت  
میں مجھے اس کے خزان کی ضرورت تھی جبکہ فرما کر  
میں حق میں اندکی اور اس کی ضرورت ہوتے تھے۔ تاہم  
بات اب بھی تھی کہ فرما کر پر میرا دل اور اس میں  
پول کی اصلیت سے نائب ہوئے تھے اس کی ہی نفرت میں  
یوں آئی تھی۔ شاید میرے خلاف یہ دونوں بھی میرے کام  
آگئے تھے لیکن یہ اس صورت میں ممکن ہوتا تھا کہ  
کیونکہ درست تو وہ خود دفتر سے میں کی اور میری نظروں سے  
اوجھل تھی۔ اس ناخوشی میں سوچتے ہوئے مجھے نا پتھر  
اور فرما دیا البتہ اس احساس ہونے کا تھا۔

میں گتے تھے کہ اس کی صورت میں یہاں تھا۔ نہ وہ آدمی  
نظر آ رہے تھے نہ ہی مطلع لاچ۔ شہاب براقت کو کھانڈے  
مطلق رکے ہوئے یہاں سے وہی دن دونوں افراد کو کھانڈا پھر  
رہا تھا کہ وہ تھکے گئے تھے کہ میرے سبک کی طرف نائب  
تھے۔

”سائیں! کس کو ڈھونڈ رہے ہو؟“ ایک شہاب آواز  
میرے کانوں سے گرئی اور میں پٹا۔ آواز نائب سے ہی آئی  
تھی۔ میں اسے دیکھ کر بے اعتدال کی گہری سانس لے کر رہ  
گیا۔ وہ غور تھا۔

میں جلدی سے اس کی طرف بڑھا۔ میری سانس  
تھکانے اس بھاگ دوڑ سے باہر چڑی کی وجہ سے چھوٹی ہوئی  
تھی۔ میرے ایک سے اپنی کیلیات پر قابو پایا اور اس کی  
طرف بڑھا۔ اس کے ایک تھکانے سے صاف نظر آیا اور  
ہوا۔ ”کیسے ہو غور ہو یا؟“ میں نے ہی ملنا پڑا تھا۔  
”ہاں مجھے ابھی غامض سینے نے تپا تھا کہ مجھے  
دھڑکنے دھڑکنے ہو، پھر تو تھے ہاں سائیں؟“ میں نے  
کہا۔ خادمہ سینہ میں ہی تھا جس کا چرخہ میں نے ملتا تھا اور تپا  
کر شور مچا تھا۔ میری گڑبڑ کی ہی تھا۔  
”تم تپاؤ تو مجھے اسے ہاگے کس کا کیا ہوا؟“ میں نے  
دھڑکنے دل سے پوچھا۔ میری مستغرق نظریں اس کے  
چہرے پر تھیں۔ میری جہاں میرے سوال پر ایک رخ اور  
تعلیق دہی کر گاہتے ابھری۔  
”وہی ہوا سائیں! اجرم جیسے کہیں کے ساتھ ہوتا آتا  
ہے۔“

”سائیں! مطلب؟ میں سمجھا نہیں۔“  
”سائیں! سارا جیسے کا پتہ ہے اور بڑے لوگوں کی  
پانچ میں ہم کر یہ لوگ بھلا کس کھانے میں ہیں۔ ہم انہوں  
کو کچھ کچھ کھیں گئے۔ میرا دل سے ہوا تو اچھے مٹھا تھا۔  
وہ پورا چارہ تھا اور اس کا تجربہ اس کی جہاں سے بھی  
میں ہوتا تھا۔ اس لیے کہ میں نہیں چہرے سے بھی  
لاچا کر، باہمی اور اس کی گتے کا احساس نمایاں طور پر تھا۔  
”تم کتنا کیا چاہتے ہو غور ہو یا؟“ اور اصل کہ کوہین  
تا کہ میں تہا کی بات چھوٹوں اور اس کی ادارتی کا شہر کہاں  
سمجھا؟“

”سائیں! میرے کب لوگ تو صاف اور پتہ کیا کہتے  
ہیں، وہ پانچ باپ کو کھیں تھیں مجھ کی رہی ہے۔“ وہ بہتر  
اسی طرح اس اور غور سے لیجے میں ہوا۔  
”اگلی سائیں! وہ جہاز آج تک نہیں میرا تھک رہا کہ وہ  
چاہا تھا؟“ میں نے آفریں تپا تو میں نے جلدی سے کہا۔  
”کیا وہ تھک رہا ہے؟“

”وہ بہت آئی لینڈ کے پاس ہے۔“  
”میں نے وہاں بکے جاتے، باہمی اس وقت؟“ میں نے  
کہا۔ شہاب ایک لمحہ کی غماض میں نہیں رہا تھا۔  
”سائیں! اس کے لیے تو آپ کو لاچ پر چڑھ جانا  
پڑے گا لیکن اب کا کھانڈا؟“ میں نے جہاز کے دونوں  
ادارتی یا شہدوں کی نظر بند کی شہر کی گتے کی۔ ”وہاں۔“

”سائیں! ایک ہی طریقہ ہے۔ سائیں! کہ ہم ادھر ہی  
گھر سے وہاں کی کا انتظار کریں۔“  
اس کی بات غلط تھی اس کے سوا اور چارہ بھی نہیں  
تھا۔ تاہم ہمارے ایک پر آ کر بیٹھے تھے۔ اس وقت کالایا کی کال  
آئی۔ میں سٹوٹن ٹانوا ہوا وغیرہ سے رانا سے پچا گیا  
مہلتا مہر گزشت

”دیکھو گھر پھر کسی طرح اسی وقت اس جہاز تک  
پہنچاؤ۔ یہ ایک شریف لڑکی کی عزت اور جان کا معاملہ ہے۔“  
میری بات پر وہ اور چٹکا کر ہوا۔  
”آؤ میرے ساتھ۔“ کہتے ہوئے وہ جلدی سے ایک  
طرف کو بڑھا۔ اس نے فوراً اس کی تھلیدی کر۔ وہ ایک مختصر سی  
پر پہنچ کر تھکے اور اس کے منہ سے نکلا۔  
”اوسے یہ جھوٹا چرخہ کی لاچ چھوٹ گئی؟“  
”کیا محسوس؟“ میں نے پوچھا۔  
”ابھی چھوٹوں پہلے ہی تو میں نے اس لاچ کو کہاں  
دیکھا تھا، جب اس کی طرف سے آ رہا تھا، وہ تو بندھی۔“ وہ پوچھا  
بھی اس وقت اپنی لاچ میں کھول۔ ”ہم!“ کہتے ہوئے وہ  
کچھ دھڑکنے ہوئے کھول پڑ پڑا۔  
”کیوں یہ کھول رہا اس شخص مراد اس کو میرا کرنے لگا  
ہے۔“

”نہ۔۔۔ گھر کون ہے؟ اور مراد؟“ میں نے اپنی  
جہاز تھب سانسوں پر پوچھا تے ہوئے پوچھا۔  
”اوسے سائیں! گھر، جھوٹا چرخہ، سائیں! یہ وہی  
لاچ چھوٹا اور ہاتھ ہے۔ ادھر ہی ہوتا ہے۔ مراد اس کی  
یار ہے۔“ میں نے تپا اور میرے تیزی سے سوچنے ذہن میں  
خیال ٹھک ہوا کہ کھول وہی تو ان دونوں کو بھٹ آئی لینڈ کی  
طرف نہیں لے گیا؟ میں حریف سے تھیں ہو گیا۔ ہوا۔ ”غور  
بھلا! جو کچھ میرے جلدی کر رہا۔۔۔ مجھے پورا یقین ہے وہ  
دونوں ادھی اس کی کوئی لاچ میں نے کہ اس ادارتی  
بدساتوں کے خلاف شک ہے کہ گتے ہیں۔“

”سائیں! میں کوشش ہی کر سکتا ہوں۔“ غور سے  
کہا۔ میرا ایک طرف کھلا۔ میں اس کے پیچھے تھا۔  
غامضی سیرنگ میں اس کے ساتھ دوڑ دھوپ میں لگا رہا  
لیکن لاچ کا بندھت نہیں ہو سکا۔ وہ ہاتھ دھار گیا اور  
بھی۔

”سائیں! میں نے تو آپ کے سامنے بہت کوشش کر  
ڈالی۔ اب کیا کیا جا سکتا ہے۔“ جب کہ وہ ادھر ہی کچھ کر  
ہوا۔

”اب ایک ہی طریقہ ہے۔ سائیں! کہ ہم ادھر ہی  
گھر سے وہاں کی کا انتظار کریں۔“  
اس کی بات غلط تھی اس کے سوا اور چارہ بھی نہیں  
تھا۔ تاہم ہمارے ایک پر آ کر بیٹھے تھے۔ اس وقت کالایا کی کال  
آئی۔ میں سٹوٹن ٹانوا ہوا وغیرہ سے رانا سے پچا گیا  
مہلتا مہر گزشت





میرے خیال سے اس مرتبہ ریاضت کی کمی محبت کا نام۔

نام: ..... پتا: .....

انہم ریاضت ہونے کی صورت میں مجھے ہاسی ☐ سبزی ☐ پائیکو ☐ گزشت ☐ بھول جائے

کسی ایک ☒ چیکے۔

کوئی کے کہلا ہے جہلات مورخہ 28 فروری 2018ء تک ملی پرائس 145 پوسٹ نمبر 982 کراچی 74200 ہر بدل کریں

**اگر آپ کو**

ماہنامہ جاسوسی ڈائجسٹ

ماہنامہ پنس ڈائجسٹ

ماہنامہ پاکیزہ ناہنامہ گزشت

کے حصول میں دقت پیش آ رہی ہے یا آپ کو اپنے علاقے کے کب اسٹال سے کوئی شکایت ہے اور آپ کے علاقے میں بدقت پر پینشن تنگ رہا تو

**شکایت لیکس کو**

مندرجہ ذیل ٹیلی فون نمبروں پر بھی رابطہ کر سکتے ہیں

شرباس 0301-2454188

مکاتیش منیجر 35802552-3586783-35804200

فکس نمبر 35802551

**جاسوسی ڈائجسٹ ہفتی کی شہنشاہ**

63-60 ٹیلی فون منیجر 35895313 فکس 35802551

**بیت بازی**

قارئین کے مسلسل اصرار پر ادبی ذوق کی تسکین کے لیے ایک نیا سلسلہ "بیت بازی" شروع کیا گیا ہے۔ آپ اپنے پسندیدہ شعر کے آخری حرف سے شروع ہونے والا شعر ارسال کر سکتے ہیں۔

نام: ..... پتا: .....

محترم! آخر یہ..... کے شعر کے جواب میں شعور سامی کر رہا ہوں اسے مثال باضاعت کر لیں (شعر الگ کاغذ پر ہے)

107

**مقابلہ بیت بازی**

پست نمبر 982 کراچی 74200

عزت لیفتاں..... احمد پور

اور کا گنا شہر ہو گیسو کی مٹی ہو

تم لکھی ہوا ہو جو گنا لے کے پانی ہو

عسرافش..... ملتان

اک قرآن میں گئے تھے بھیڑ میں باہر سے ہم

اس لیے بہتر ہو خور و منت کے منظر سے ہم

سپلم..... لاہور

اٹنی ڈانڈی و افلاس پہ رو دیتے ہوں

مجبور دیتے ہیں وہ جب تاج گل کی باغشا

(رضا احمد امان رویا خان کا جواب)

زینت حسن..... لہر

کیا مقام تیری محبت میں آگیا

آنکھیں ہیں الٹے پار غزل کہہ رہا ہوں میں

عاشقی..... میرپور

یہ کھلے پانی یہ رزدیہ نگاہوں کا فسون

ہوئی سستی بھری راتوں کے اڑا دے نہ کہیں

سیرانی..... لاہور

یہ بھیگی ہوئی ہنسی ہوئی گاتی ہوئی آگ

نرم نیندوں کے شبناموں میں وصل جانے کی

(احمد پور زیدی کی من کا جواب)

مرحمت کا شمع..... حیدرآباد

معین بچن کو اپنی بہادری پہ نر تھا

وہ آگے تو ساری بہادری پہ چھا گئے

(سردار نواز کوئی کراچی کا جواب)

نشی گھمڑیاں..... ملتان

یاں بے خودی شوق میں مد سے گزر گئے

ہم بے خبر رہے وہ بینیاں سے گزر گئے

عبداللہ بوری..... قصور

پہ امید تیک کر دتا تے ہمیں بھی

تو امیدو دیتی ہی تھا یہ سواگری نور

بیت بازی کا سوال ہے شہس جوف پر محرم اور ہے اس کی

سے شروع ہونے والا شعر ارسال کر لیں۔ اگر تو دیکھیں جس

سوال کو نظر اعدا کر رہے ہیں۔ نتیجہ کن کے شعر ترف کر دیے

جائے ہیں۔ اس سوال کو دیکھ کر ہی شعور سامی کریں۔

توفیق احمد..... جہلم

پول ترا نام زمین میں آیا

جس طرح مژدہ وصال آئے

(نظیر شاہین اسلام آباد کا جواب)

زبانت اسٹال..... بہاولپور جنگ

ایسا نہیں ہے کہ سرکار مجھ میں کوئی جیب نہیں ہے

پر کا جیتا ہوں مجھ میں کوئی لڑبے نہیں ہے

(انجمن لائسنس لاہور کا جواب)

سید اشرف حسین بھٹائی..... سرگودھا

ناک کہ گھنٹیں مجھ سے بہت سخت ہے نقرت

بھر یاد میری دل سے بھلا کیوں نہیں دیتے

بادیہ ایمان، ماما ایمان..... غوث عباس

سارے لوح و کلم پہن مٹی تو کیا تم ہے

کہ خون دل میں ڈھکی ہیں انکھیاں میں نے

(رفیق احمد زیدی کی من کا جواب)

محمد رحمان..... حیدرآباد

یہ دہائی کے وہ افسانے بھلا ڈالوں گی

تیری تصویر ترے خط کو جلا ڈالوں گی

شیخ اسحاق سلطان..... ملتان

یہ پچھلے ہوئے چنڈے یہ حرکت کے ہوئے دل

شہر ایمان کی پچھان نہ جانے کیا ہے

(نشی گھمڑیاں سے ملتان کا جواب)

عنانیہ بیگم..... کراچی

یاد دیکھیں کہ بھول جائیں ہم

یہ بھی مشکل ہے وہ بھی مشکل ہے

اشرف جہانگیر..... کراچی

یہ ستم ہے شرایا کہ تم کو کسی کی کہان سے خبر

تو نے اپنا بنا کر مجھے کہ خود سے ہمارا دنیا

(ناہیدہ سلطان پٹوڈا کا جواب)

عبداللہ عظیم پور..... کراچی

داستے میں رک کے ہر دلوں پر میری عبادت نہیں

لوٹ کر واپس چلا جانا میری نصرت نہیں

(نظیر شاہین اسلام آباد کا جواب)

عشق احمد..... فیصل آباد

اللہ دے زندگی کی پریشاں خیالیاں

دل کو حریف زلف پریشاں بنا دیا

عبدمنہاس سرگزشت



## پری عورت

محترم  
السلام علیکم

میں نے زندگی میں پہلی بار کبائٹی لکھی ہے۔ یہ کتنی خود معیری ہے اس لیے میں نے اپنا نام نہیں دیا ہے فرض نام سے کبائٹی لکھی ہے کیونکہ میں عورت کے بارے میں مردوں کی رائے کو غلط فہم رہنا چاہتا ہوں۔

ندیم احمد  
(کراچی)

اُس وقت ہمارے گھر میں کسی نئی آلہ قمار نہیں ملتا تھا۔ سلتز پر نرا اور ہوا تھا۔ جب وہ ختم ہو جاتا تو خالی سلتز دے کر ڈپ سے گھرا ہوا سلتز لے آتے جو ہمارے گھر سے دوپل کے قائلے پر تھا۔ ہم دونوں بھائی سلتز سٹائل پر یہ سلتز لے آتے تھے۔ جس روز یہ واقعہ پیش آیا تو میرا بھائی کسی کام سے اسلام آباد گیا ہوا تھا اور گھر میں ختم ہوئی تھی۔ یہ میری بیوی کی خاص عادت ہے کہ جب تک میں وقت پر کام پاتی ہے۔ گیارہ بجے کا وقت تھا اور اڑن پڑنے کے سب لوگ اپنے اپنے کالوں پر یا اسکرول کالج گئے ہوئے تھے۔ اس لیے میرے پاس اس کے اسکرول پر چھٹیں تھا کہ بیوی کو ساتھ لے جاؤں۔ درمیان میں سلتز درمیں اور وہ اسے پلڑ کر کچھ بیٹھ جاتے۔ جاتے ہوئے میں کوئی سلتز نہیں ہوا البتہ وہ ابھی میں دکان دار نے سلتز دیکھے میں ہماری مدد کی اور میں خزانہ خزانہ میری طرف روانہ ہو گیا۔ ابھی ہم گھر سے ایک فرلانگ کے قائلے پر تھے کہ ایک بک یا کٹوش کے سواڈ پر ایک جیسا آ گیا۔ اسے جانے کی کوشش میں پوری تو تھے کہ ایک لگے تو ڈان میں پلڑ گیا اور ہم دونوں میاں بیوی سلتز سمیت سڑک پر گر گئے۔ بیوی ایک طرف جا کر گری، سلتز راز شکا ہوا اور چلا گیا اور میں بچ سڑک پر چپٹ لپٹ ہوا تھا۔ وہ تو خیر نہ گزری کہ میرے پیچھے آنے والی سڑکی پک اپ نے مجھے

ماہنامہ مسرگوشٹ

190

فروری 2018ء

ملازمت کر رہا تھا جہاں مفت میڈیکل کی سہولت تھی۔ ڈاکٹر نے کندھے کا سرسری معائنہ کیا اور مجھے ہسپتال میں داخل ہونے کا مشورہ دیا۔ اس پر مجھے ٹھنڈی سی چربی ہوئی۔ صوفی تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ وہ پہلے میرا دیکر سے گروا تا اور اس کی رپورٹ دیکھنے کے بعد ہسپتال بھیجا۔ کئی بات میں سے کسی اس نے کیا۔

”ڈاکٹر صاحب! کیا یہ مناسب ہے کہ ہوا کو پیلے انکریے کر دیا جائے۔“

دراصل میں ہسپتال میں داخل ہونے سے گھبرا رہا تھا کیونکہ مجھے چھوٹے سے اور میری بیوی انہیں گھر میں چھوڑ کر میرے ساتھ ہسپتال میں نہیں رہ سکتی تھی اور دوسرے ایسے اسکول سے بھی نہ ہوتا لیکن ڈاکٹر نے میری رنج پر سے اتفاق پیش کیا اور یوں۔ ”میں آپ کی آسانی کے لیے گھر پر ہوں۔ آپ بار بار کے چکر لگنے سے بچ جائیں گے کیونکہ

کندھے کی سوجن بتا رہی ہے کہ اس آپ کو لافزا ہسپتال تو جانا ہی ہوگا اور میرا خیال ہے کہ اس میں دیر کرنا مفید نہیں۔“

میں نے ڈاکٹر سے مزید بحث کرنا مناسب نہ سمجھا۔ مجھے یہ بات معلوم تھی کہ مجھ کو ڈاکٹر کو پیش لے ہوتا ہے اور وہ بات سے پریشان ہو کر ہسپتال بھیج دیتے ہیں۔ میں نے اس سے ایلیمنٹیشن لینا اور وہیں سے ہسپتال چلا گیا۔ وہ تو مجھے میرے ہی انتظار میں بیٹھے تھے۔ استقبال والوں نے شفٹ چنگ میری فائل میں دیکھے ایک پرائیویٹ میں رہنے والے اس لیے میں نے استقبال کا بڑے سے یون کے فوڈ پر ہسپتال میں داخل ہونے کے بارے میں بتا دیا اور کہا کہ وہ شام کو کھانے کے ساتھ آجائیں گے۔

چونکہ میں کچھ نہیں کھانے کے لیے آئی تھی اور

ماہنامہ مسرگوشٹ

191

فروری 2018ء



کمرہ کی ہولی لگ رہی تھی۔ اس وقت تک میرا دیکر سے ہو چکا تھا اور ڈاکٹر نے دیکر سے ڈر لگا دی تھی۔ اس کے علاوہ ایک نرس میرے سر پرانے چپن کمر اور دان میں لی کولیاں رکھ کر چلائی۔ غالباً اس سے یہ تاثر دیا ضرور تھا کہ میں نے نرس سے کچھ کہا تھا کیونکہ اس کے ہاتھ میرے دیکر سے لپٹے ہوئے تھے۔ وہ چلنے سے ایک چڑی اور آدم بے دامن دیکر سے لپٹے ہوئے تھے۔ اسے میرے کام نہیں۔ سات بجے نرس صاحب آئیں گے تو معلوم ہوا کہ آپ کلاسز چڑھتا ہے یا آپ لیٹنگ کرنا ہے؟

بہتر ہے ہونے پوری۔ آپ لیٹنگ کریں ہوگا۔ خدا خیر کوئی غلہ نہ کرنا ہوتا تو نہیں؟

فرز کی کلمہ دے چکا ہے ہوئے بولی۔ "مجھے کیا۔ میں نے تو یاد کر لیا جو نہ وہ بتایا۔ یہ پڑھیں تو سرجن صاحب کے آنے پر بھی معلوم ہوگی۔"

میں نے فون پر کوئی کہل دیتے ہوئے کہا: "تم پریشان مت ہو۔ یہ سب سرجن صاحب کی کہیں ہے۔ اگر انہوں نے آپریشن کے لیے کہا تب بھی میں پہلے کسی دوسرے سرجن سے مشورہ کروں گا۔"

فكروا لوركا۔

ایک انجشن لگانا اور اسے سرخ غم ڈالنے لگی۔ اسے دیکھ کر میں نے اسرا منہ بنایا کیونکہ مجھے انجشن لگوانے سے ہمیشہ انجمن ہوتی ہے۔ وہ مجھے دیکھ کر مسکرائی اور اپنے موتیوں جیسے داخن کی تلاش کرتے ہوئے بولی۔ ”گھبراہیں نہیں،

پیش کشی کیلئے کھانا گھر آ کر رکھی گئیں۔ وہ ایک کھینے کا کمرہ تھی جس میں کچن بڑا کھینے بعد وہاں آئی۔ اس نے آتے ہی چکی گرائی اور میرے بستر پر بیٹھنے ہوئے بولی۔ ”کیا حال ہے میرے پریس کا؟“ اس کے اعزاز میں جو اپنا تیتھی اسے دیکھ کر میں اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکا اور حسبِ عادت نثر میں غلط شعر پڑھا۔



مجھے میرے داپس کرتے ہوئے کہنا چاہئے اعزاء وہ کیا کردہ  
نکستی کا نام اور بھڑا ہے۔  
اس کی دنیا میں آج آٹھ بجے ختم ہوئی تھی اس لیے وہ  
سات بجے کی شادی نہ کر سکی۔ اس نے یسین والے  
لڑکے سے کہا کہ وہ ایک گھنٹے بعد صبحی بڑا اور پیسے لے  
جائے۔ میں اس کے انتظار میں جاگ رہا تھا۔ دو میرے  
اگر کوئی اور بڑے پیارے میرے اہل میں انکیاں  
میرے سے بڑے بولے۔ آپ نے کہا کہ میں اس کا دوسرا  
میں ایک راکٹ سے کر آئی ہوں۔ پھر میں آپ کو دوسرا  
کر داتا کی۔  
اس کی اس اور تو میں سو جان سے لہا ہو گیا۔ اسے  
پیارے میرے بھائی نے بھائی میں انکیاں تھا۔ اس میں مجھے تصور  
میرا انکیاں تھا۔ میرے نزدیک ہے اسے حاکمیت پسند ہوا تھا  
اور وہ مجھ سے عام اعزاز میں بات کرتی تو میں لگا پیسے  
اسے دیتی۔  
بہر حال اس نے مجھے سہارا دے کر اٹھایا۔ مجھے چلنے  
پہناتے اور داتا دیکھ کر نہ لگی۔ بعد کے مطالعے وہ  
دس منٹ بعد بھائی آئی۔ اس نے میرے لیے خاتون بنائی۔  
تو میں پر ہار ہی نہ لگی۔ اے ہونے کے لئے تو میں کر دو  
حصوں میں تقسیم کیا اور بولی۔ ”خود ہوا جائی۔ میرے  
میں صرف میں صحت ہیں پھر مجھے دن داتا کی نہ کو چار دن داتا  
ہے۔“  
”تم میرا خاتون ہو گی۔“  
”جی نہیں۔ میں گھر جا کر خاتون نہ ہوں۔“  
”جسپیں میرے ساتھ نہ کرک ہوگا۔ مجھے اکیلے  
تاشکر کرنے کی عادت نہیں ہے۔“  
میں صریحاً جھوٹ بول رہا تھا۔ ساری عمر میں نے  
اکیلے ہی تاشکر کیا۔ کسی نے دلت کو کہیں سے ہی اتنی  
فرصت نہیں کی کہ گھر پر چڑھتی۔  
دو میرے براہ میں بیٹھ کر اور اچھے سے مجھے تاشکر  
کرانے لگی۔ میں نے بھی دھڑکی ایک اٹھایا اس کی طرف  
ہو جایا جسے اس نے بوز دے خور اور اس میں دھانے  
کے بعد میں دھانے میں ایک اور گنگ اور اس کی گنگ داتا کی  
سین چل رہا ہو۔ وہ اٹھ لگی کی تو میں عجیب کی طرح مجھے اپنی  
اداس سے لگا کر ہی تھی۔ تاشکر سے داتا ہونے کے  
بعد داتا اور بولی۔ ”کی ہیں اور کلا کلا تو ہو گی۔“  
”ہو گی۔ تاشکر میں خراج دے کر داتا ہے۔“

[illegible]

مہلوں کا۔  
 ”اب کیا بھیجی نہیں ہے۔“ وہ دھکراتے ہوئے بولا۔  
 ”اس کے کپڑے آتے ہی مارتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ دھکی  
 ”آجائیں۔“ گھبراہٹ سے اس نے کہا۔  
 ”آج کے پڑائی کا یہ ہے۔“ اہتاج کا دل تو پتلی اور کمرے  
 کا۔ آپ کو کیا لگے؟“  
 ”مجھے غلے کی کھان اپنے کمرے کی لگ رہی ہے۔“ میں نے  
 جھٹلاتے ہوئے کہا۔  
 ”کمرے میں کوئی اور سامان نہیں ہے اور  
 بے بہت چھوٹے ہیں۔“  
 ”کیک ہے۔ ایک اور دروازہ لیں، وہاں سرجن  
 صاحبہ آجملہ تو ان سے پتلی کی بات کریں۔“  
 ”اب میں پوری بات کچھ بھیجی تھا۔ اصولاً تو انہیں جلاوطن  
 کے ہوتے ہی چار چار کر دیا جاتا ہے کھان میں پہلے سے بنا۔  
 اس لیے انہوں نے عذاب کے بدلے میں دھک دھک رکھا تھا۔  
 جہاں مجھے اور وہی میں سرجنہ۔ دو گھنٹہ بعد کی کوئی اور  
 جاکیں اور دینے پر پھر چیک کیا جاتا۔ یہ علاج تو کمرہ بھی  
 ہو سکتا تھا۔“  
 ”شام کو دس بجے تک ایک آٹھ بجے آگئی۔ اس نے  
 دروازہ پر پہنچی وہی دھک دی اور اندر آگئی۔ اس کے آنے  
 سے چورمات میں پہلی ہی جگہ کو کھینچ کر جاتا تھا حالانکہ  
 اس کی کھان پہلے سے خالی تھی۔ سرجنہ میں سے دھک دھک  
 چرتا تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ ان دونوں کا دل سامنا ہو  
 کیونکہ سرجنہ بہت خوبصورت تھی اور اگر وہ میری جگہ کے  
 سامنے ایسی ہی سے نکلیں گا مگر وہ کرتی جو دھک شیش  
 گرتی تو جیسے توڑ پھوٹنے سے جلا ہو جاتی۔“  
 ”میرے آج بڑے جانتے ہوئے میرے کمرے کی اور سرجنہ  
 کے انداز میں بولی۔“ میرا ڈاڑھ چمادی ہوں۔ آپ کے  
 پاس سے آخر میں آؤں گی تاکہ زیادہ دیر تک بیٹھ  
 سکوں۔“  
 ”مجھے اس کی یہ بات اچھی نہیں لگی۔ میں تو شمس سے ہی  
 اس کا انتظار کر رہا تھا کہ اس نے ڈاڑھ پر جانے کا بیان  
 کرے مجھے میرے انتظار میں رکھا اور یہ شاید اس طرح وہ  
 میرے کمرے کا اہتمام نہ ہو سکی۔ اسے اپنی تدریس کا  
 انداز تھا مگر وہ میرے انتظار کی لذت سے آشنا کر کے اپنے  
 دھک سے کرتے چمادی رہی۔“  
 ”ایک گھنٹہ کی کھان میں سرجنہ گزری۔ وہ کھان  
 کھانے کے لیے آئی۔ کمرے میں وہ کھانے کے لیے آئی۔ کمرے  
 میں وہ کھانے کے لیے آئی۔ کمرے میں وہ کھانے کے لیے آئی۔“

اس کے دل میں خوشی ہوئی۔ اس نے رسماً ہر حال پر چھوڑ دیا۔  
 گیا۔ اس کے جانے کے بعد مریم نے دو روزہ بند کر دیا اور  
 میرے پاس بیٹھے ہوئے بولی۔ ”آج انگلیش میں لکھا۔  
 صرف ہفتہ پر پڑھ چکی کروں گی۔“ وہ دے رکھا تھا۔  
 کھائی۔ دیکھ کر میرا خیال ہے کہ مجھے کسی درد کی ضرورت  
 نہیں۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔“  
 ”یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟“ وہ میرا ہاتھ پر پڑ چک  
 کرتے ہوئے بولی۔ ”جب کمر میں صاحب آپ کو نہ  
 دیکھ لیں۔“  
 میں ان خوشگوار لمحات کو بحث میں ضائع کر چکی تھی، چاہتا  
 تھا اسے غامض ہو گیا۔ دوپہا سا ان بیٹھے ہوئے بولی۔  
 ”اب میں چاؤ کرتی۔“  
 ”انتی جلدی۔“ میں نے یابی ہوئے کہا۔  
 ”ابھی تو کوئی بات کی تھی۔“ وہ بولی۔  
 ”مجھ کو کاش۔“ میرے دل کو کاش ہے۔ میری سہلائے ہوئے  
 کہا۔ اس وقت کا کاش ہے۔ میری سہلائے ہوئے  
 اس نے دیکھ کر تو خواہ مخواہ اونچا نہ کر سکا۔  
 خود انھیں سر نہ کر سکا۔ اس وقت کا انتظار صاحب وہ  
 اپنے کام سے فارغ ہو کر میرے پاس آئی۔ میں مسلسل اس  
 کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ وہ اس بری طرح میرے دل و  
 دماغ پر چڑھا کی کسی کراس کے علاوہ میرا دھماکا اور  
 واضح کر گیا۔ میں نے اس دوران ایک دفعہ بھی کچھ کو  
 فاضل کیا اور نہ ہی چھٹی کا خیال کیا۔ جس نے اس کے  
 اخروہ کا کیا کیا۔ میں نے کئی بار اپنے دل کو بچانے کی کوشش  
 کی کہ اس بات سے چھوڑ دے۔ میرے دل میں اس سے لٹکے  
 امکان خیر یا قیاس ہو جائے گا۔ میری کون سی بارے  
 میں سوچ رہا ہوں۔ دل و دماغ میں ایک کھینچ ہو رہی  
 تھی۔ یہ کلاخربت دل کی ہوئی، دماغ پر گیا۔  
 دو شریکوں کی طرح ایک بے گئی۔ اس دماغ میں اس  
 نے اپنے آپ کو ایک بے سارے سے مخلوق قرار دے دیا۔  
 ایک۔ ہوشوں کی تازہ دہائی۔ ایک۔ میرے دل کے  
 ہال اور دو شاخے کے بجائے شاخوں پر۔ اس نے دو روزہ دہر  
 کیا اور میرے پاس سبز گر کی جگہ۔ میرا اس سے بڑے

سے ہوئی۔ ”اگر آپ کا عہدہ کیا ہے؟“  
 میں اس کی جانب سے کسی دہائی حرکت کی توقع کر رہا تھا۔ اس نے سولہ گے سولہ پر چمک کیا۔ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ”یوں میں سمجھ کر چھوڑنا سا اصرار ہوں۔“  
 وہ میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے ہوئی۔ ”اگر آپ چھوڑنے کا ارادہ کرتے تو براہِ رنج و کرم کی منتہا۔“  
 ”میں میرے سر پر یک سے اتنی دلچسپی کیوں ہونگی؟“  
 ”میں نے اس سے کہا کہ کھیلنے سے چھوڑنے سے کیا۔“  
 ”اس لیے کہ مجھے آپ سے ایک کام ہے۔“ وہ بڑی ارادہ ہوئی۔  
 ”کیا کام؟“  
 ”بات دراصل یہ ہے کہ میرا شوہر ہرن ڈولن ہے کار ہے۔ مگر کار مارا جو مجھ پر آگیا ہے۔ بڑی گلی ہو رہی ہے۔ اگر آپ اسے اپنے مجھے میں ملازمت دلا دیں تو میری بہن ہوگی۔“  
 ”تمہارا شوہر کام کیا کرتا ہے؟“  
 ”وہ کھانا چلاتا تھا۔ ایک ٹیبلٹ ہو گیا تو ایک نے رکشا چھین لیا۔ وہ ہے روزگار ہے۔ کوشش کے باوجود اب تک اسے کوئی کام نہیں مل سکا۔“  
 ”دیو کو بھی، ہمارے ادارے میں رکشا ڈرائیور کی تو کوئی آسانی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ وہ کیا کام کر سکتا ہے؟“  
 ”میں اس کا تو مجھے پتا نہیں۔ میں اسے کل پالیسی ہوں۔ آپ خود اس سے بات کر لیں۔“  
 ”ٹھیک ہے۔ اس سے کہا کہ اپنے ہاتھ سے کبھی ہوئی درخواست اور دو نو ساتھ لیا آئے اور اس کے پاس قلم کا تجربہ کیا کہ وہ کھینکے ہوئے کسی درخواست کے ساتھ نکال دے۔ دیو کو بھی کسی سے بات کرنا ہوں۔“  
 ”آپ کی بڑی بہن پائی ہوگی۔“ وہ میرے دونوں ہاتھ پکڑے ہوئے ہوئی۔ ”میں آپ کا یہ احسان ذرا بھری نہیں بھولوں گی۔“  
 ”میں اس احسان کی کیا بات ہے۔ انسان ہی انسان کے کام کرتا ہے۔“  
 اس نے اچانک ہی اپنی گھڑی میں دت دیکھا اور کمرے سے ہوتے ہوئی۔ ”ادھر! دوڑنے کے۔ کبھی بنگی نہ اٹھ گئی۔ بہت دیر سے سوری ہے۔ اب میں جیتی ہوں۔“

میں حالات ہو گئی۔ آپ کے لیے بائیں بلی آؤں گی۔“  
 یہ حالات بھی افسردہ رہی بلکہ میری گلی بھلاؤ بڑھ گئی۔ وہ ایک دم آگے بڑھ کر دو قدم پیچھے ہٹ جاتی۔ مجھے بھی اس آگے بڑھنے کی لطف آ رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ اگر اس کے شوہر کو ملازمت ملے گی تو میرا مسئلہ صاف ہو جائے گا اور میں بلا کھٹے اس کے گھر چاٹوں گا۔ اس وقت بھی میری عقل میں یہ بات نہیں آئی کہ مجھے اس کا موقع ہی کب ملے گا۔  
 دوسرے روز وہ ٹھیک سات بجے میرے لیے ہاتھ ملے کر آئی۔ پہلے روز کی طرح وہ مجھے گھر کے دروازے پر دم تک لے گئی۔ میں نے دانت بھرے، اس نے ہاتھ دھوئے، ہم دونوں نے ایک ساتھ ہی بیٹھ کر کھا لیا۔ اس دوران میں نے خوب بات کا مٹھ کر دیا۔ وہ اپنے ہاتھ سے مجھے ہاتھ کر داری بھی کیا اور بار بار دیکھ کر حرکت کرتی تھی جس سے اس کے کمرے میں گھبراہٹ بھڑکتی تھی۔ وہ اس وقت بائیں ایک روٹی چھوڑ کر کاراواؤ کر رہی تھی۔  
 میں نے اس روز کوئی ہسپتال آنے سے منع کر دیا تھا۔ اس لیے جب یہ نیشن والا ٹرکا ہاتھ کے خالی ہتھ اور پیٹے لیے آیا تو میں نے اس سے دوپہر کا کانا لانا دے لیے کہہ دیا۔ کمرے میں صبح نہ بھڑکتے آئے تو میں نے ان سے کہا کہ اپنی بات ہی کہیں ان سے صاف دیکھ کر دیا اور وہ کہنے لگے کہ ان کو دروازہ ہسپتال شہر ہا ہوگا۔  
 ”کیوں نہیں؟“ میں نے جھٹلے ہوئے کہا۔ ”یہاں میری ایک خاص صلاح نہیں اور بارے کوئی تو میں کبھی بھی کھانسی ہوں۔“  
 ”مگر اور ہسپتال میں بہت فرق ہوتا ہے۔ مگر میں ہسپتال میں گھر کو گشت نہیں ہونگی۔ میں آپ کو اس حالت ڈیچنگ کرنا کھانا کھانا ہوں نہیں سے نکلتا۔“  
 ”میں تم کو روکنے کے لیے یہاں ہوں کہ اگر مجھے کچھ ہو گیا تو اس کی ذمہ داری تم پر ہوگی۔“  
 ”ٹھیک ہے۔ اگر آپ بھد ہیں تو خوش ہے مگر جائیں۔“  
 ”میں سب سے اچھا ڈرائیور ہوں۔“  
 ”اگر آپ کھانے لایا جائے گا۔ اس کے بعد آپ گھر جاسکتے ہیں۔ دوسری روز اگر چیک اپ کروائیں۔“  
 ”میں اس کو ذمہ میرے ہونے کے ساتھ مجھے دیکھنے آئی۔ میں نے اسے اپنے دو چار ہونے کے بارے میں بتایا تو

اس کے چہرے پر اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔ وہ لوگ کچھ دیر بیٹھے کے بعد چلے گئے۔ آٹھ بجے گھر پہنچے شہر کے ساتھ آئی۔ اس کا نام فوڈ آؤ تھا۔ صبح میں اسے میرے پاس بٹھایا اور خود کو ڈپر پر بیٹھ گئی۔ میں اس کی گلی کر حیران رہ گیا۔ صبح کے ساتھ اس کا کوئی جڑ نہ تھا۔ میرے اہل خانہ نے وہ طریق دوسری صبح کے بعد کہا تھا۔ میرے کپڑے، دھاتی چہرہ، بھڑکی بال، بڑھا ہوا شیو اور اندر ڈکس ہوئی انھیں۔ کڑت تیرا کوئی ہے اس کی انھیں زور ہو گئی تھی۔ اس کے علاوہ اس کا چہرہ دلتا تھا کہ وہ اسے اور نہ بھی کرتا ہے۔ اسے دیکھ کر دلتی مجھے صبح پر ترس آئے گا۔  
 ”درخواست ملانے ہو؟“ میں نے اس کی طرف بھڑک دیکھتے ہوئے کہا۔  
 ”ہاں۔“  
 ”یہ کبھی اس نے ایک لکھ مجھے بڑا دیا۔ میں نے درخواست دینی تھی جو اس نے ہاتھ سے لکھنے کے بجائے لکھنے سے ہے۔ آپ کو دانی تھی۔ اس کا میں مطلب تھا کہ اسے درخواست لکھنے آئی یا پھر اس کی بیٹی اننگس خراب ہے۔ درخواست کے ساتھ دو تصویریں تو میں لیکن اس کے ہمراہ کوئی ٹیبلٹ نہ لکھی تھی۔ اس کا کوئی ٹیبلٹ نہ لکھی تھی۔ اس کے ساتھ میری بیوی۔ وہ صرف بیڑک یا تھا اور اس نے رکھا تھا۔ اس کے ساتھ کوئی کپڑا نہیں تھا۔  
 میں نے باہمی سے سر ملاتے ہوئے کہا۔ ”تمہارے بیٹے نہ لکھی تھے۔ اور نہ ہی اس کا کچھ ہے۔ جس جین کپڑا لگاؤ گا؟“  
 ”میں گلیوں کو دیکھ رہی ہوں۔ میں ہر طرح کا کام کرنے کو تیار ہوں۔“  
 ”رکھا کے علاوہ کوئی کاڑی پائی ہے؟“  
 ”ہاں۔“  
 ”میں آپ کا کارواڑ دیکھ چکا ہوں۔“  
 ”ٹھیک ہے مگر میں تمہارے لیے ڈرائیور کی جگہ دیکھتا ہوں لیکن زیادہ اہمیت دیکھتا ہوں کہ اس کے یہاں پہلے ہی ضرورت سے زیادہ لانا ہے۔“  
 ”کوئی بات نہیں۔ آپ کوشش کر کے دیکھیں۔ قسمت میں ہوگا تو کوئی کس کی مل جائے گی۔“  
 میں نے گلیوں کو دیکھتے ہوئے ملازمت سے کوئی خاص دلچسپی نہیں لے رہی تھی اسے ذہن پر میرے پاس لانی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ بھی اپنا کارواڑ لے کر آئی اور مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے ہوئی۔ ”بات ہوئی آپ نے اپنی کس

## ارسطو

(ارسطو 384-322 قبل مسیح) تھیس کے ایک شاگرد تھے۔ ارسطو نے اپنا وقت ہونے کا اس کا باپ تھوکسیس، اسکندر اعظم کے دارالاسطی کا جو قہر دیا تھا کی ریاست کا ایک طاقتور رہنما تھا، دوست اور درباری طبیب تھا۔ ارسطو کی پرورش جب اوریڈاٹ اور اعراس کے گھروں میں ہوئی تو اس کے گھرانے کا علم طبی کی طرف ہوا تھا ایک فطری کی مثال۔ 367 ق م میں ایشیا میں اس کی تعلیم شروع ہوئی۔ اس کے ہمراہ شاہ کی ایک ایک کھانا مشاہیر ہیں۔ ایک کھانا کی سلطان اس نے اپنی تمام آہالی جانکار جوانی کی سرپرستی میں برادر کا ڈرائیور جب نقاش ہو کر بھوکوں مرنے کے تو فوج میں برتی ہو گیا۔ کچھ عرصہ بعد ملازمت چھوڑ کر اپنے آبائی شہر استا میں ملازمت آیا اور طلبہ کی کلاس لکھی۔ اس کے ہمراہ اس کے ساتھ کلاس کے کاشق اور اورادہ لاطون کے طبقہ تھیں اس کے ساتھ ہونے کے لیے اسے منتقل کیا گیا۔ اس سے زیادہ مستحق روایت کی رو سے اس نے اٹھارہ برس کی عمر میں لاطون کی شاگردی اختیار کی تھی۔ اس کے شاہ کی سرپرستی اس کے ساتھ روایت میں بھی ذکر ملتا ہے۔ اس نے لاطون سے ایک روایت کے مطابق آٹھ اور دوسری روایت کی رو سے تین برس تعلیم حاصل کی۔  
 سرملہ: زویا یان، شہر چہرہ

کرلی؟“

”ہاں۔“ میں نے مختصر سا جواب دیا۔  
 مجھ کو اپنے شہر سے ہوئی۔ ”تم نے صاحب کو سب ٹھیک ٹھیک بتا دیا ہے۔ کوئی بات چھپائی تو نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ انھیں دوسروں کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے۔“  
 ”ہاں، ہاں، بتا دیا ہے سب کچھ۔ کوئی بات نہیں چھپائی۔“ وہ ہنسنے لگا۔  
 ”اب میں جاؤں؟“  
 ”ہاں۔“  
 ”میرم نے تم کو اب دیکھا۔“  
 اس کے سامنے کے بعد میں نے صبح میں سے چھپا۔ ”چم نے کس پانچو سے شادی کر لی۔ اس کا اور تمہارا کوئی جڑ

نہیں۔“

”ابھی جی، لیکن تھا قسمت میں۔“ وہ کچھ دواس

ہوئے ہوئے بولی۔ پھر اس نے ایک دم ہی بات بدل دی

اور بولی۔ ”سنائے کیا ہے کل گھر جا رہے ہیں؟“

”ہاں۔ تم نے ٹیکہ ہی نہ دیا۔ اور اب میں سوچ رہا

ہوں کہ یہاں سے جانے کے بعد تم سے کسی طرح رابطہ

ہوگا۔ اگر تھراپے شوہر کے کام کے سلسلے میں کوئی پیش رفت

ہوئی تو تمہیں جیسے اطلاع دی جائے گی؟“

”اس کی تو آپ گھر ہی نہ کریں۔“ وہ چپکے ہوئے

بولی۔ ”میں سچ آپ کو بے براہ راست کہہ رہی ہوں گی۔ وہ

مجھے جلد ہی کے اور اگر میں گھر پر نہیں ہوئی تو آپ کا پیغام

بھینک بیچ جائے گا۔“

اسے یوں چپکے دیکھ کر مجھے بڑی ہراسی ہوئی۔ میں تو

بھروسہ تھا کہ وہ میرے جانے کی خبر سن کر اس کو جانے کی

لیکن میں نے اس کے چہرے پر ایسی کوئی علامت نہیں دیکھی

بلکہ وہ پہلے دو دنوں کی نسبت زیادہ خوش نظر رہی تھی۔ شاید

اس کی وجہ یہ ہو کہ میں نے اس کے شوہر کی درخواست کے

رکھی تھی اور اس کے باوجود اس کی شین ٹیٹن نکلی تھی۔

گویا اس امر کی جانب اشارہ تھا کہ مجھے اس کے شوہر کی مدد

کرنے پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔

اس روز وہ میرے پاس نہیں بیٹھی اور نہ ہی اس نے

پہلے دو دنوں کی طرح بھی سچی باتیں نہیں بھڑکوا رہی تھیں

کے لیے تیار ہو گئی۔ البتہ جاتے وقت اس نے اتنا ضرور کہا۔

”آج صبر و صبر بہت زیادہ ہے۔ اس لیے آپ کی اگلی ٹیٹن برک

کتنی زیادہ صبر کرواؤ گی۔“

میری حالت یہ کہ بہت جلد ہی بدگمان ہو جاتا ہوں۔

میرے کان بولا اور وہ دیکھ کر میرے لئے میں ہی خیال بڑ

پکڑنے لگا کہ وہ صرف اپنے شوہر کی ملازمت کے لیے مجھ

سے قربت کا ڈھنگ دہا رہی تھی اور مجھے ہی اسے یہ امید

”میں یہی کہتا ہوں تھا۔“ میں نے ہنسنے ہوئے کہا۔

”یہ تو اچھا والوں نے مجھے زبردستی روک رکھا تھا پہلی

بائے کے لیے۔“

”آپ ٹیکہ کر رہے ہیں۔ اگر یہ لوگ ایسا نہ کریں تو

ان کا دربار بے طے۔“

”آج بھی اگر میں منہ نہ کرتا تو یہ لوگ دن سے

پہلے مجھے ڈھارس نہ کرتے۔ خراب تو میں ہی چلائی جاؤں

گا۔ یہ تذاکرے سے ملاقات کسی طرح ہو گی؟“

”براہ راست نہیں۔ مگر اس اچھا ٹیکہ ہوتا ہے۔

اس کے بعد کوئی نہیں سے ملا ہے۔“

”یہ بات کس سے کہیں۔ میں یہاں سے جانے کے

بعد بھی تم سے ملنا نہ ہو گا۔“

اس کے چہرے پر ایک رنگ آکر گر گیا۔ وہ آہستہ

سے بولی۔ ”کیا یہ سب ضروری ہے؟“

”ہاں۔“ میں نے فحش سی سانس لینے ہوئے کہا۔

اس نے اسے کہہ کر جان سے ایک کارڈ نکالا۔ اس پر کئی

واکی کا نمبر درج تھا۔ وہ بولی۔ ”یہ میرے بڑے کنبہ

ہے۔ آپ اس سے روبرو میں فون کریں۔ وقت میرا سوچ

گھر نہیں ہوتا۔“

میں نے خوش ہو کر وہ کارڈ اپنے پاس رکھ لیا۔ وہ

اچانک ہی اٹھ کھڑی ہوئی اور بولی۔ ”آج میری بیٹی کی

طبیبہ ٹیکہ لگتی ہے۔ میں اس کے پاس جا رہی ہوں سچ

آؤں گی۔“

دوسرے دن وہ ناشپور کے کوآئی تو اس کا چہرہ اترا ہوا

تھا۔ اس نے ڈھنگ سے ناشپور بھی نہیں کیا۔ میں نے اواسی

کی وجہ پر پوچھی تو وہ ناشپور میں دیکھنا تھا کہ اس کی

خوب صورت آؤں گی میں آؤں میرے لئے۔ مجھ سے اس کا

رہاؤ دیکھا نہیں تھا۔ میں نے دے دیا تھا۔ اس کے آنسو

پہلے اور بولا۔ ”جنگ جاکھیں دوں گی؟ کیا پریشانی

ہے؟“

”کوئی نہیں۔ آپ کا شکار ہے۔ یہ تو روز کاروائی۔“

میں نے اچھے چپکے ہوئے کہا۔ ”اگر تم نہیں تذاکرے تو

میں بھی تمہیں کراؤں گا۔“

میرے یہ جملے میرا صبر پر اس نے بتایا کہ کمر میں راض

قسم ہو گیا ہے۔ اس کے پاس ہائی کے دورے کے لیے بھی

میں نے اپنے پاس بستر پر بیٹھ کر اور میری بغل دیکھتے

کی بات سن کر برادر ایل انڈس کے گھر کو دیا۔ میں نے فوراً

اپنے پرک میں سے دو بڑا روپے نکالے اور اسے دیتے

ہوئے کہا۔ ”کی اگلی تم یہ روپے بعد میں ضرورت پڑی تو دار

وے سے دو گا۔“

”نہیں۔“ وہ اٹھ کر تے ہوئے بولی۔ ”میں بخشش

نہیں کرتی۔“

”میں بخشش نہیں، مدد ہے۔ اگر تمہیں مشکوک تو قرض

کچھ کر لو۔“

”کچھ امر دار کر رہے ہیں تو لے لیتی ہوں۔“ وہ

نظر میں بھاگتے ہوئے بولی۔ ”لیکن یہ مجھ پر قرض ہے،

براہ جلد لو دوں گی۔“

اس نے شکر گزار نظروں سے مجھے دیکھا اور بولی۔

”رب فواز کی نوکری ہو جائے تو میری پریشانی کچھ کم

ہو سکتی ہے۔“

”تم فحش کرو۔ میں دفتر جاتے ہی پہلا کام یہی

کر دوں گا۔“

ڈاکٹر نے مجھے وہ دن آرام کے لیے کہا تھا لیکن مجھ پر

رب فواز کی نوکری کی دین سوا میرا لپڈا خارج ہونے کے

دوسرے روز ہی دفتر چلا گیا۔ میں نے لیکن آج میرے

نوکاری اور خواہش اور تاکیدی کہ یہ کام جلد ہی جاتا

چاہیے۔ اس وقت ہمارے یہاں کوئی جگہ خالی نہیں کی لیکن

انہوں نے تقاضات کا خیال رکھتے ہوئے رب فواز کو جاسی

ملازمہ کے طور پر رکھ لیا۔ یہ بعد کیا کر بیٹھے تو کوئی

جگہ بھی تو اسے مستقل کروا جائے گا۔

میں نے اسی روز شام کو میرے دے ہوئے ہوئے نمبر پر

فون کیا اور کہا کہ وہ صبح رب فواز کو فون سے رنجے تاکہ وہ

لیکن آؤں میرے اپنا فون نمبر لگے کہ کوئی جواب نہ دے

بعد میں معلوم ہوا کہ اس کے پاس ڈراما ٹیکہ لائیں بھی

نہیں تھا۔ میں نے اپنے تقاضات کے کام لے کر اس کا

لائسنس بخوایا اور اس نے کام شروع کر دیا لیکن چند روز بعد

یہ اس کی ملازمت سے انصراف ہو گئی۔ وہ ملازمہ ہے کہ آپ

آ جاؤ وقت سے پہلے چنا جاتا۔ اس کے علاوہ ایک بھائی بھی

کر لیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسے ایک ماہ بعد ہی ملازمت

سے فارغ کر دیا گیا۔ میرے مریک پر پریشانی کا اندازہ تھا اس

لئے میں نے اپنے فون کے اس کے لیے کئی خواہش کا

اٹھارہ کیا۔ پہلے تو وہ اپنا فون کھینچ کر ہی میرا اس نے مجھے

دوسرے دن اپنا بیچے کچھ آنے کی دعوت دی۔

میں اس نے دفتر سے نکل بیٹھ گئی۔ کا بازار سے چلا،

مطابق بہت اور کھانے چنے کا دوسرا سامان خرید اور اس

کے گھر پہنچ گیا۔ وہ دو کونسل کا چھوٹا سا مکان تھا جس کے

دو دروازے سے غریب تک رہی تھی۔ اس نے گھر کے کمرے

میں رکھ رکھے اور اس لباس میں وہ پہلے سے زیادہ خوش

لگ رہی تھی۔ اس کے گھر میں فریج میں کچھ کھانا بھی تھا۔ اس نے

صرف دو پرانی کرسیاں اور ایک میز پر رکھی ہوئی تھی۔ اس نے

میرے لیے چائے پانی اور میرے سامنے بیٹھے ہوئے

بولی۔ ”آپ کا اتفاق کیا کیوں کیا؟ یہ سامان تو میری

ضرورت سے بہت زیادہ ہے۔“

”میں نے تو مجھ کو بھی نہیں کہا تھا کہ میری قسمت میں یہ

چیز بھی ہوئی ہو گی اس لیے تم تک پہنچ گئیں۔“

وہ چائے پانے کے لیے بھی تو میری نظر اس کے

کمرے سے پر گئی۔ وہاں سے بھی کوئی کئی۔ میں نے فوراً

اپنی کانٹاں دہاں سے ہٹائیں۔ جلدی جلدی چائے خم کی

اور بولا۔ ”چائے کی میرے ساتھ ڈال چلو۔“

”کیوں؟“

”موسم جواب بعد میں کرنا۔ پہلے میں سے جھکا ہے

کر دو۔“

اس نے بنی کو پردوں میں چھوڑا اور میرے ساتھ چل

دی۔ میں نے اسے چاند دوست دودھ جڑے جڑے۔ میک

اب کا سامان اور کمرے کے استعمال کے لیے ٹھوڑی سی کڑی

دولانی۔ یہ سامان سے ملے بعد سے گھر پہنچے تو اس کا دلچسپی

پر جانے کا وقت ہو چکا تھا۔ میں نے اس سے اجازت پوچھی

تو وہ بولی۔ ”آج میں آپ کی کوئی خدمت نہ کر سکی لیکن

میرے گھر کے دروازے آپ کے لیے بیٹھ گئے ہوئے

ہیں۔ جب آپ چاہیں مجھ سے ملے آ سکتے ہیں۔“

”تمہارے شوہر کو تو کوئی اعتراض نہیں ہوگا؟“

”وہ کیا کہے گا، یہ غیر ہے۔“

اس کے الفاظ سے میرا حوصلہ بڑھ گیا۔ اب میرا

راستہ بالکل صاف ہو گیا تھا۔ مجھے یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ

اس کا شوہر بدو بہر سے رات کے گھر سے باہر رہتا ہے۔ اس

کا سامان وقت کے ملے کے ادھاش لوگوں کے ساتھ کیرم اور دو

رہی ہے۔ میں نے اپنے بچے میں جب میں بچہ پیچے ہوئے تو جو

کی بازی بھی لگاتی۔

میرے لیے آئے دن دفتر سے چھٹی کرنا مشکل تھا لہذا

میں نے اپنا سفر ایک ایسے گھر میں کر دیا جہاں آؤٹ



محترم علما رسول  
السلام علیکم

سورگشت کا مصالحہ میں اے ٹانگ ہے۔ اس میں لگتے والی ہر تحریر اپنے آپ میں منفرد ہوتی ہے۔ کافی عرصے تک سوچنے کے بعد یہ سچ بات لکھی ہے۔ یہاں کے سچے جو بچوں کی تعداد سے کہیں زیادہ کی مسک بڑھ رہے ہیں۔ یہ بھول رہے ہیں کہ ہمیں ان کاموں سے دور رہنا چاہیے جس کی اسلام نے اجازت نہیں دی ہے۔

وردہ خان  
(کراچی)



ان کی پرورش پر اثر تھا کسی نذر کو دکھانے سے پہلے کہ صاحب مجھ کا تھا کہ ان کی ساری لکھتے کے پاس لے جایا جائے۔  
میں ڈاکٹر کے دیشک دم میں ان خاتون کو لے کر بیٹھ

میں اپنی ایک جان بیکان والی خاتون کو لے کر ڈاکٹر کے پاس پہنچی۔  
وہ ڈاکٹر ایک سینکڑا تھیں۔ میں جیسا کہ اپنے ساتھ لے گئی تھی ان کے ہر ہر ٹوکے پہلے بڑھ گئی۔ جس سے

بار پیسے دیے تو میں نے نہ چاہے وہ بھی انہیں قبول کر لیا کیونکہ میں نے اپنی بچی کو کوکھ سے ہٹا دیا تھا جس کی سبھی کی اس وقت مجھے اپنی ماں یاد آئی۔ وہ بھی نہیں کی اور اس نے مجھے بیشک تیریت دی کہ میری بیویوں اور عاقلی کروں گے خیال رکھو گی تو وہ بیشک نہیں ہماری بخشش دیں گے اور اگر وہ نہیں ساتھ چلنے کے لیے کہیں ڈاکٹر نہ کرنا اس طرح وہ جہاں ساری ضرورتیں پوری کرتے رہیں گے اور کہیں بھی لگائیں ہوں۔

مجھے یہ بات یاد آ رہی تھی کہ میں نے اپنی اپنے شوہر سے بے وفائی کر لی تھی۔ اس لیے میں نے بھی کبھی نہیں کو نہیں کیا اور نہ ہی اس سے کوئی بخشش لی۔ میں آپ کی احسان مند ہوں کہ میرے شوہر کو ملازمت دلا لیکن وہ بدغرضی اس سے کہی تھا وہ بیٹھا مگر جب آپ نے میری کرنے سامان سے لے کر پندرہ سے میرے گھر آئے اور مجھے ساتھ لے کر جا کر کھانا کھا کر دانی تو مجھ پر لایا غالب آ گیا اور شہر اپنی ماں کے بڑے بڑے ہوئے سستی پر مل کر گئے۔ اب وہ بڑے ہوئے ہیں۔ اس کی آنکھوں پر بے فیملی کی بڑھی ہوئی کی اور وہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی انجان بنا تھا۔

میں نے اپنی اپنی خواہش کی کہ میں مردوں کو بے وقوف بنا کر ان کی سببیں نہ لے کر رہوں۔  
"ہوں۔" میں نے کہا۔  
"جب آپ مجھے شاہک کراتے تو مجھے بڑی غم آتی۔ ہر دو سو کو آپ کو کون کر دوں لیکن بھوری میری زبان کو تک لگتی۔ میں ایک سبب بھی بھوری کی کہ آپ میری بھوری میں سب کچھ کر رہے ہیں لیکن آج معلوم کر رہی ہوں کہ میں دوسرے مردوں سے مختلف نہیں۔ آپ کی نیت میں شرم ہے ہی تو قرعہ آپ نے میرے اہتمام کو آدھار کی سمجھا اور خزانہ وصول کرنے آگئے۔ کچھ تو بھور کھانے کے میں بری عورت نہیں ہوں۔ میں نے بھی تپوں کی خاطر اپنے کم کا سوا نہیں کیا۔ خدا گواہ ہے کہ شوہر کے ملوہ کی غیر مرد نے مجھے تھمتیں لگایا۔ خدا کی قسم۔ میں بری عورت نہیں ہوں صاحب۔ میں بری عورت نہیں ہوں۔"

میں نے کہا کہ میں نے اپنی بچی کو کوکھ سے ہٹا دیا تھا جس کی سبھی کی اس وقت مجھے اپنی ماں یاد آئی۔ وہ بھی نہیں کی اور اس نے مجھے بیشک تیریت دی کہ میری بیویوں اور عاقلی کروں گے خیال رکھو گی تو وہ بیشک نہیں ہماری بخشش دیں گے اور اگر وہ نہیں ساتھ چلنے کے لیے کہیں ڈاکٹر نہ کرنا اس طرح وہ جہاں ساری ضرورتیں پوری کرتے رہیں گے اور کہیں بھی لگائیں ہوں۔

میں نے کہا کہ میں نے اپنی بچی کو کوکھ سے ہٹا دیا تھا جس کی سبھی کی اس وقت مجھے اپنی ماں یاد آئی۔ وہ بھی نہیں کی اور اس نے مجھے بیشک تیریت دی کہ میری بیویوں اور عاقلی کروں گے خیال رکھو گی تو وہ بیشک نہیں ہماری بخشش دیں گے اور اگر وہ نہیں ساتھ چلنے کے لیے کہیں ڈاکٹر نہ کرنا اس طرح وہ جہاں ساری ضرورتیں پوری کرتے رہیں گے اور کہیں بھی لگائیں ہوں۔

مٹی۔ اور اگر کوئی کہیں کہ پرواز میں سیریل بیٹھے۔ ایک بات بتا دو یہ کہ کوئی جاگن خانہ نہ تھا بلکہ ایک ٹریک تھا۔ وہی سیریل آئے پھر وہ لیے اور اڑے جانے لے اے پہلے کا ماحول بہت پر سکون تھا۔ کوئی بچہ نہیں کوئی خبر نہیں۔ ایک خود کی طرح تھے ابوا کر کے اے صاحب کو کوہ سکون کرنے کے لیے ملکی کو سیریل بھی ابوا کر کے

اسی ماحول میں میری ذات مباحث سے اہل ایک دوش جھومت۔ میرے اہلواز کے مطابق اسی کی عمر تھی چلتی تھیں سے زیادہ نہیں تھی۔ چہرے کے نقوش بہت بڑا کرتے۔

قد بھی بہت مناسب تھا۔ اس کے ساتھ ایک مرد بھی آیا تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ اس کا شوہر تھا۔ پرویز نام تھا اس کا۔ ایک مہذب انسان جو خود بھی چالیس پینتالیس سے زیادہ نہیں ہوگا۔

دووں کی ڈار بینک بہت متغول تھی۔ اعجاز و ہورما تھا کہ  
دووں کی اچھے بیک گارڈز کے ہیں۔ پرویز دھیمے لہجے میں  
اس سے کہہ رہا تھا جبکہ مباحثہ کبھی مسکرا دیتی تھی اور کبھی کسی  
خیال میں گم ہو جاتی۔ نہ جانے کیا پرانہ تھی۔ (یہ کہانی بعد میں  
مجھ پر اسٹیم ہو گئی)

میرا دل چاہ رہا تھا کہ اس عورت سے تعارف حاصل کروں۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ میں ایک کہانی کار ہوں۔ اس قسم کے کردار مجھے اپنی طرف متوجہ کیے ہیں۔ مجھے یقین ہو گیا تھا کہ یہ یوں ہی نہیں آئی ہوگی۔ اس کے ساتھ کوئی کہانی ضرور ہو گی۔





ہے، کوٹ میرج کرنا چاہتے ہوں گے۔“  
 چہ چوری سرور نے فائل بند کر کے سائیز پر پڑی تو کمری  
 میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ٹھیک ہے، انہیں اندر بھیج دوں گا۔“  
 مٹی غلام مجھ چلا گیا اور باج گھٹ کے بعد وہ دوسرا باج تو  
 اس کے ساتھ ایک لڑکی اور ایک لڑکا لے کر آئے۔ لڑکے کی عمر بائیس  
 سے تیس سال کے گنگ بیگ کی۔ وہ راز قد اور دلا پٹا سلا  
 تھا۔ اس کے چہرے پر بھلی بھلی موشیں تھیں جس اور اس نے آسانی  
 رنگ کی شادو مٹائی مٹی کی اس کے گنگ بیگ میں ایک بڑا سا  
 سفید رنگ کا روایا تھا جس سے شاید وہ اپنا چہرہ ڈھانپ کر  
 دیا اور اٹھا لڑکی کو مرسم کر۔ اس کی اور خاندان سال کے گنگ  
 بیگ ہوئی۔ اس نے گائے کے رنگ کی بڑی کپڑا کے ساتھ سے خود  
 کمرے سے پاؤں تک ڈھانپا ہوا تھا۔ جب وہ کمرے سے داخل  
 ہوئی تو اس نے اپنے چہرے پر نقاب پہنایا تھا اور کمرے میں  
 سے تپ اندر دیا تھا لڑکی کی رنگت سائو لگی تھی۔ وہ مایہ  
 نظردھانی دیتی تھی۔ دونوں ہی قتل سے دیہاتی لکھائی  
 دے رہے تھے۔ مٹی غلام محمد ان دونوں کو دہاں چھوڑ کر چلا گیا  
 تھا۔

”بیٹھو۔“ چہ چوری سرور نے ان دونوں سے مخاطب ہو کر  
 کیا تو وہ دونوں کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ مگر چہ چوری سرور ان  
 سے کہنا چاہا۔ ”تم دونوں کو ہوا اور مجھ سے کسی سلسلے میں ملے  
 آئے ہو۔“

”چہ چوری صاحب۔ میرا نام جیسے ہے اور یہ رضیہ  
 ہے۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور شادی  
 کرنا چاہتے ہیں۔ ہم آپ کے پاس ایسی چیز حاضر ہوئے ہیں  
 کہ آپ کو اس کوئی میرج کرادی۔“ لڑکے نے جواب  
 دیتے ہوئے کہا تو چہ چوری سرور نے لڑکی کی طرف دیکھا۔  
 ”کیا ٹھیک ہے؟“  
 ”جی۔“ رضیہ نے فخر کر کہا۔

”تم دونوں کہاں کے رہتے ہو۔“  
 ”مٹی ہم بہاولپور کے قریب ایک گاؤں کے رہتے ہو۔“

”جہاں ہے۔“  
 ”تم دونوں ایک دوسرے کے بوجھتے تھے۔“ جمال  
 بولا۔ ”ابن، ہم ایک ہی گاؤں میں، جہاں ہے ابن اور ایک دوسرے  
 کو پسند کرتے ہیں۔“

”اگر تم ایک دوسرے کو پسند کرتے ہو تو تم نے رضیہ کو مگر  
 سے بچا کر لے لیا ہے۔ اپنا رضیہ رضیہ کے گھر میں نہیں بھیجا؟“

چہ چوری سرور نے کھوتی نظروں سے جمال کے چہرے پر  
 ابھرے تڑپات کا ماکہ دیکھتے ہوئے پچھا۔  
 ”میں نے رضیہ کے گھر بھیج دیا تھا۔“ جمال نے جواب  
 دیا۔

”رضیہ تمہارے گھر والوں نے کیوں انکار کیا؟“  
 چہ چوری سرور، مضحکہ لہرایا۔ ”پچھتے ہوئے۔“

”دراصل میرا بھی اس رشتے پر راضی نہیں ہوں۔“ رضیہ  
 نے غصہ سے کہنے لگی۔ ”وہ میرے ماموں کی بیٹی  
 شہباز کو پسند کرتا ہے اور اس سے شادی کرنا چاہتا ہے میرے  
 ماموں زاد بھائی نے ایک شرط رکھ دی کہ وہ میری شادی  
 اس سے کر دی جائے۔ وہ شہباز کی شادی اس سے کرنے سے  
 لیے تیار ہے۔ میرا بھائی راضی ہو گیا لیکن میں راضی نہیں  
 ہوئی۔ شہباز میری ساری راضی ہے اور میں اسے پسند نہیں  
 کرتی۔“ میرے بھائی اکرم نے ہنسنے لگا۔ ”جب مجھے  
 چاہا تو میں نے انکار کیا جس پر اکرم نے مجھ پر بے رحمی سے  
 مارا۔“ خود کو مارے پھرتے کے لیے میں نے ہانہ کر دی اور مگر  
 مریخ نے ہی میں جمال کے ساتھ کمرے سے بھاگ کر نکلا۔  
 ”مٹی۔“

”ہوش۔“ چہ چوری سرور نے اثبات میں سر ہلاتے  
 ہوئے کہا۔ ”میں چہ چوری کی کوٹ میرج کروا چکا ہوں لیکن  
 سوچ لو کہ تمہارا یہ تمام تم دونوں کو شیش میں ڈال دیتا  
 ہے۔“

”ہم ہر شے کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہیں۔“ جمال  
 نے غرور سے کہنے لگی۔ ”ہم نے ایک ساتھ جیتے ہوئے دوسرے  
 سے کھینچ کر اپنے گھر لائے۔“  
 ”ٹھیک ہے۔“ چہ چوری سرور نے ایمانی اعزاز میں سر  
 ہلایا۔ ”میں کھانچ کا بندوبست کرتا ہوں۔۔۔۔۔ ہاں، میری  
 نہیں دیر بڑا ہے میں اس سے کہیں لیتا۔“

جمال اور رضیہ نے پہلے ایک دوسرے کی طرف دیکھا  
 انہوں نے اپنی ہنسی پر چہ چوری سرور کو متاثر کرنے کا بہانہ  
 ہوا تھا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

\*\*\*

جمال اور رضیہ نے چہ چوری سرور کے دیوے کی رسالت  
 سے کوٹ میرج کر لی تھی اور لاہور چلے گئے تھے۔ رضیہ کے  
 بھائی اکرم نے بینک اور ملازمت اور بھانجے کے انعام میں  
 تھا۔ میں پر چہ چوری سرور کو پسند کے ساتھ ساتھ وہ خود بھی  
 جمال اور رضیہ کو کھانا کھاتا چہ چوری سرور تھا۔ اسے جمال اور رضیہ کی

خوشحمت کا نہیں تھا۔ پولیس کے جہاں کے والد اور بڑے  
 بھائی کو حراست میں لے کر ان سے پوچھ گچھ شروع کر دی تھی  
 اور ہر اس کچھ چھاپا مارا تھا جن کی جمال کے والد اور بھائی نے  
 انکار کیا تھا۔ پولیس کو ان کی سوا کچھ نہیں ملا تھا۔  
 اکرم کو تھکنے سے پاگل ہوا تھا۔ سارے گاؤں میں اس کی  
 انگ بڑائی ہوئی تھی۔ جس جس کو پتا چلا تھا کہ اس کی بہن  
 رضیہ جمال کے ساتھ بھاگ گئی ہے تو اس نے اکرم کو شہنہ  
 دے دے۔ یہاں تک کہ اس کے ماموں نے بھی اسے رشتہ  
 دینے سے انکار کر دیا جس کی وجہ سے اکرم نے اپنی  
 خلیہ تک فیصلہ کر لیا تھا اور جب اس نے اپنے فیصلے سے گھر  
 والوں کا ہوا تو سب زکرو ہو گئے۔

”کیجیہ تم آپ ہمیں نہیں کر سکتے۔ اور تمہاری بہن ہے۔“  
 اکرم کو اس کے باپ نے خطرناک فیصلے سے باز رکھنے کی  
 کوشش کرتے ہوئے کہا۔

”ابا۔“ میں اپنے فیصلے پر کھل کر اس کی جیسے یہ چاہا  
 جائے کہ وہ دونوں کہاں چھپے ہوئے ہیں پھر دیکھا میں ان  
 دونوں کے ساتھ کرتا گیا ہوں۔“ اکرم خفیت کا اعزاز  
 بولا۔

”نہ چاہتا تھا کہ نہ۔“ اکرم کی ماں بھی لڑیہ دے لگے  
 ہوئی۔ ”رضیہ میری کٹی ہوئی ہے۔“  
 ”اس نے گاؤں میں مجھے نہ دکھانے کے قتل نہیں  
 چھوڑا۔“ اکرم بولا۔ ”سارے گاؤں والے مجھ پر قہر تو کر رہے  
 ہیں۔“

”یہ سب تمہاری ہوا ہے۔ وہ اسے۔“ اس کے باپ نے  
 کہا۔ ”جب وہ بیچرے شادی کے لیے راضی نہیں کی تو نے  
 کیوں نہ کی۔“ بیٹا اور رضیہ کی عمر میں نہ تھانے اسان فرق ہے  
 اور اس کی چہ چوری نے کہ وہ اسے اپنے گھر سے نہ نکال دے۔“  
 ”تو تفرق سے لہا کیوں گئی تھی؟“ جمال نے  
 ”تو تمہاری نظروں پر تفرق فرق ہے؟“ اکرم کی ماں  
 کے لیے غصہ تھا۔

”ابن، تم تو چپ رہو۔“ ہر سب تمہاری ذلیل کا نتیجہ  
 ہے۔ اگر تو اس کے کان نہ دہری تو وہ کی گھر سے نہ نکالے گی۔“  
 اکرم نے فیصلے سے کہا کہ اب مگر وہ کوئی اور بات کیے بغیر مگر  
 سے نکلا۔ ”وہ یہ حقائق نہ بگا۔“

”قائد صاحب۔“ ان دونوں کا گھمبہ بچا تھا؟  
 ”قائد صاحب نے اثبات میں سر ہلایا۔“ ”ابن، صرف اتنا چاہا  
 ہے کہ وہ درخشاں انہوں نے بچہ کی جا کوٹ میرج کر لی  
 تھیں۔ اس کے بعد وہ کہاں گئے ہیں یا کہاں چھپے ہوئے ہیں

مٹی تحقیق میں غما خانی کے لیے انتہائی پریشان کن  
 رنگ سامنے آئی ہے کہ کچھ ایسے اساتذہ کیسر سیت  
 دیگر جلدی اور اس کی وجہ میں کن سکے۔“ ساتھ دیگر  
 پوچھنے کی اسکو ملے ہیں کی تحقیق کے مطابق  
 2015ء سے 2016ء تک ایک آپ کے سالانہ پر  
 شکایات کی تعداد کتنی ہوئی ہے جس میں ہاں کے  
 استعمال کی اشیا کی شکایات سب سے زیادہ تھیں مٹی  
 چن۔ ”ابن، کیا کہنا ہے کہ اس نقصان وہ سامنا کا استعمال  
 میں خفہ سے نہ نکلی تھیں۔“

”توہ نہیں چل رہا مگر ہم جلدی نہیں ملانی کر کے عدالت  
 میں بھیج کر دینا گے اور عدالت جو فیصلہ کرے گی ہم اپنی مگر  
 وہاں کر دیں گے۔“

اکرم تھا نے سے کل کر اپنے گھر کی طرف بڑھ گیا۔  
 قائد صاحب نے جب اسے یہ بتایا تھا کہ جمال اور رضیہ نے  
 کوٹ میرج کر لی ہے تو غصے سے اس کا برا حال ہو گیا  
 تھا۔ اس کی آنکھوں میں خون اتر رہا تھا۔ وہ خود کو بے بس  
 محسوس کر رہا تھا۔ وہ تین سو قدموں سے چلا اور گھر کی  
 طرف بڑھا چلا جا رہا کہ رشتوں کے جھنڈ کے قریب

سے نہ کرنا ہے۔ اس کے گاؤں میں بھلی سی آواز پڑی تو  
 وہ رک گیا۔ رشتوں کے جھنڈ میں کوئی موجود تھا جو بھلی آواز  
 میں ہاتھ کر رہا تھا۔ اکرم کچھ نہیں بڑھا گیا اور سب قدموں  
 سے چلا اور رشتوں کے جھنڈ کی طرف بڑھ گیا قریب تھا  
 کہ وہ ہوا میں اس کے سامنے دیکھنے کو تو ہاں  
 لڑکا موجود تھا جو پس منظر پر دھکی آواز میں ہاتھ کر رہا تھا۔  
 اکرم اس لڑکے کو کوئی لے جاتا تھا۔ وہ جمال کا درست اقتدار  
 تھا۔ کہ اس کی ماں باپ میں شہنہ کا

”نہ۔“ رضیہ ایک کپڑا کی ہانچ دیتا ہوں گا۔ تم  
 پریشان نہ ہو۔“ جمال اس نے دوسری طرف سے کوئی بات نہ کی  
 اور جواب میں بولا۔ ”فدا حافظ۔“

اکرم کچھ ٹھنکے کی شدت سے بچو گا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا  
 کہ اقتدار، جمال سے بات کر رہا ہے۔ اقبل میں خون جب  
 میں ٹھکرا تھا تو اس کے پاس سے گزرتے اکرم کو کہ اس کی  
 رخت نہ ہوئی اور اس کی آنکھوں میں خوف ابھر رہا۔  
 ”جمال کہاں چھپا ہے۔“ اکرم نے اسے اردن سے  
 دبوچے ہوئے کہا تو اقتدار کی آواز اس کے حلق میں پھس گئی  
 اور وہ فرخا۔ ”نہ۔“ تاکہ ڈور نہ گا اور گاؤں کا۔“

”مم۔ مم۔ مجھے نہیں پتا۔“ اقبال خوف سے ہٹا دیا۔

”جھوٹ مت بولو۔ ابھی میں نے تمہاری بات اپنے کانوں سے سنی ہے۔ بتاتے ہو یا میں تمہارا گناہ دبا کر جہیں موت کے منہ میں پہنچا دوں۔“ اکرم نے اس کی گردن پر دباؤ بڑھاتے ہوئے کہا۔ اقبال کی آنکھیں بندھ گئی اور صلیق سے لٹکتے والی خرافاتیں اور تیز ہو گئیں۔ ”بتاؤ، جہاں کہاں چھپا ہے؟ میں تم سے آخری بار پوچھ رہا ہوں۔“

”مم گھٹنے سے اقبال کی حالت خراب ہونے لگی تھی۔ ایسے لگتا تھا کہ اگر اکرم نے اس کی گردن نہ چھوڑی تو وہ دم گھٹنے سے ہلاک ہو جاسکتا۔“

”بتاؤ کہاں چھپا ہے جہاں؟“

”بب۔ بب۔ بتاتا ہوں۔ مم۔ مم۔ میرا دم گھٹنے۔۔۔“ اقبال نے دک رک کر بولتے ہوئے کہا تو اکرم نے اس کی گردن پر دباؤ کم کر دیا تو اقبال اسے بتانے لگا۔ ”وہ مکان میں ہیں۔“

”مکان میں۔“ اکرم ٹھٹکا۔ ”مکان میں کہاں موجود ہیں؟“

”یہ اس نے نہیں بتایا۔“ اقبال بولا۔ ”اس نے صرف یہی بتایا ہے کہ وہ کورٹ میں جرح کرنے کے بعد لگا ہونے چلے گئے تھے لیکن انہیں معلوم ہوا کہ تم نے اس پر رضیہ کو اغوا کرنے کا مقدمہ کر دیا ہے اسی لیے ضمانت کرانے وہ مکان آ گئے ہیں۔“

اکرم نے اس سے مزید چند سوالات کیے مگر وہ اسے دھکی دے کر کہہ کر اس نے جہاں کو یہ بتایا کہ اکرم کو کون کی ملتان موجودگی کا علم ہو چکا ہے تو اسے خفیہ ذہن جھٹکنا پڑے گا پھر اسے وہیں چھوڑ کر جہازوں سے نکل کر اپنے گھر کی طرف بڑھ گیا۔ اس کی آنکھوں میں خون کی سرخی مزید گہری ہو گئی تھی۔

☆ ☆

رضیہ کرسی پر چٹنی ہوئی تھی جبکہ جہاں کمرے میں ٹھٹنے میں مصروف تھا۔ ان دونوں کے چہروں پر تشویش کے تاثرات ابھرے ہوئے تھے۔ نکاح کرنے کے بعد جہاں اور رضیہ لڑا اور چلے گئے تھے۔ لاہور میں جہاں کا ایک دوست رہتا تھا اس نے وہیں قیام کیا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ لاہور میں کرائے کا مکان لے کر رہائش رکھے گا اور وہیں کسی ٹیکسٹری میں ملازمت کرے گا مگر اسے موقع ہی نہ ملا تھا۔ اس کے دوست اقبال نے ہی اسے فون کر کے بتا دیا تھا کہ رضیہ کے بھائی اکرم نے اس پر رضیہ کو بہانا چھسلا کر اغوا کرنے کا مقدمہ

کرا دیا تھا۔ جہاں نے مقدمہ کی بابت چوہدری سرور ایڈووکیٹ کو فون کر دیا تھا۔ چوہدری سرور ایڈووکیٹ نے اسے مشورہ دیا تھا کہ وہ فوری طور پر مکان بچھ کر نکل اور قناری ضمانت کر دلائیں اور رضیہ اس کے حق میں بیان دے دے کی تو اس پر مقدمہ ختم ہو جائے گا چنانچہ جہاں، رضیہ کو لے کر اگلے روز ملتان آ گیا تھا۔ ملتان میں بھی اس کے کئی دوست تھے ان میں سے ایک کو صحن نے۔۔۔ اپنے گھر میں ٹھہرایا تھا۔ یہ گھر کافی عرصہ سے خالی پڑا تھا اور کرائے کے لیے خالی تھا۔ چوہدری سرور ایڈووکیٹ نے انہیں اگلے روز اس کے چیمبر میں پہنچنے کی ہدایت کی تھی۔

”اب کیا ہو گا جہاں۔“ رضیہ نے خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا۔

”کچھ بھی نہیں ہوگا۔ ضمانت کراتے ہی ہم واپس لاہور چلے جائیں گے۔“ جہاں نے دک کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”مجھے تو بہت ڈر لگ رہا ہے۔“

جہاں نے ٹھٹک کر اس کی طرف دیکھا اور بولا۔ ”میرے ہوتے ہوئے تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“

”میرا بھائی اکرم بہت ظالم اور سفاک انسان ہے۔“ رضیہ نے کہا۔ ”وہ مجھے سے باغی ہو گیا ہوگا۔“

”وہ تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا۔“ جہاں دوسری کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا اور پھر اس نے رضیہ کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔ ”میں نے ایک ساتھ جینے اور مرنے کی قسم کھائی ہے۔ میرے گھر تو اگھٹے اور جینے کے بھی اگھٹے۔“

اسی لمحے جہاں کے سلی فون کی گھنٹی بجی تو اس نے رضیہ کے ہاتھ چھوڑ کر اپنی بیس کی جیب سے سلی فون نکال کر دیکھا تو اقبال کی کال آ رہی تھی۔

”اقبال فون کر رہا ہے۔“ جہاں نے کہا اور پھر فون سننے لگا۔ ”ہیلو۔“

دوسری طرف سے اقبال نے جرح کو اسے بتایا تو جہاں کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے پریشانی کا عنصر ابھر لیکن پھر اس نے خود پر قابو پا لیا۔ رضیہ تک اسے ہی دیکھے جا رہی تھی۔ چند باتیں کرنے کے بعد جہاں نے فون بند کر کے جیب میں رکھ لیا۔

”کیا کہہ رہا تھا اقبال؟“ رضیہ نے پوچھا۔

”اکرم نے اس پر تشدد کر کے ہمارے بارے میں معلوم کر لیا ہے۔“ جہاں نے کہا تو رضیہ کے چہرے پر خوف کے







## ماہنامہ سرگز

فروردی 2018ء

کو چاہا تو کسرت سے ہر جانب زور دیکر پیش ہوئی گئی۔  
 ڈنٹے سے شب فکال کر اس نے بائیں ہاتھ پڑی  
 چار پائی پر گدے اور بھر دوسری چار پائی پر سستانے کے لیے  
 لپکا۔ تاہم نہ لپکا تو رات کے نکلنے بیٹھے۔  
 پھر بھر سستانے کے بعد سے خطرہ نہ ہونے لگی۔  
 اس نے سبز پڑی ایک نرم چادر سے اپنے آپ کو لپیٹ لیا  
 تھا کہ سرے میں سوگی لڑکیاں کا ڈھیر تھا خشک لپٹے میں ایک  
 بوری میں پڑے تھے۔ کسے کو گرہ کھسکے کے لیے اس نے  
 سونے کی ڈال میں آگ پالی جانے دو چل جانے آگ  
 کے قریب آگیا، لڑکیاں اٹھ کھڑی تھیں، آتش دان کی راکھ کو  
 کرید اور جگہ کو صاف کیا۔ لڑکیاں اور بچے کھسکے اور پھر  
 روٹی کا تھارہ رائے بھی لڑکیوں کے پیچھے رکھے۔ انہیں آگ  
 دکھانے کے لیے اس نے ہاتھ کی ٹپکا لائی جی کر اسے  
 دایں جانب کھنسنے سے کسی کی سکاڑی سنائی دی وہ دایں  
 پڑا۔

اس نے آواز کی سمت دیکھا تو دو گول اور پگھلی ہوئی  
 آنکھیں اسے یک دیکر رہی تھیں۔ لالین کی روٹی اس کو نے  
 تار کی پٹ پٹکٹ رہی تھی مگر اس کے اعزاز وہ لپکا تھا کہ  
 وہاں کوئی جانور نہیں بلکہ انسانی ہویا ہے۔ اس کے ہاتھ  
 پاؤں کھل ہو گئے تھے۔ زبان تلک کی اور جسم کے سارے  
 پیچھے آکر بیٹھے تھے۔ اس کے قفل میں کاتے چھوڑے تھے۔  
 دھڑلے دھڑلے وہاں جاہب دیا تھا، ہاتھ اس کے قفل کی اور  
 بمشکل اس نے زبان سے یہ الفاظ نکلے۔ ”تم کون ہو؟“  
 اپنی زبان کی کپی کاپ اسے صاف طور پر سمجھ  
 ہو رہی تھی۔ اسی دوران اس نے چانچ لپکا تھا کہ دو گول ہاتھ  
 ہے جو چادر میں لپکتی ہیں۔ صرف چادر سے نظر نہ لگا تھا۔  
 وہاں سے کوئی جواب نہ آیا۔ اس نے اسی دوران اسے چانچ  
 لپکا تھا۔ وہیں بائیں سال کی ایک نہایت خوب صورت لڑکی  
 تھیں۔ انھیں چھندار رنگ تانے کی طرح اور اس کی ناک  
 تلکی۔ ہونٹ ایسے کمر طرح مسویرے اسے ترشا ہوا  
 اس نے سرنگ رنگ کی چادر اور دھڑکی کی۔ اس کا چہرہ اور  
 ماتھے پر سیاہ بالوں کی ایک لٹ کے علاوہ کچھ اور نظر نہ آیا  
 تھا۔ وہ اس طرح بیٹھی گئی جیسے کروڑ میں ہو۔ وہ ڈری اور  
 کسی کی تلک دی تھی۔ وادہ کا خوف اسے اور اس کی  
 زہارت کو کم کرنے میں ہوا۔ اس نے دیکھ کر ہاتھ پٹا  
 ہی آیا کہ یہ راستہ بھیگ ہوئی ہے مگر اسے جرت کی کردہ آتی  
 دیر سے اس کی سوچ رہی کہیں نہ ہوگی کس کا۔ اس نے اب

قد سے بلند آواز میں لڑکی سے پوچھا۔ ”کون ہو تم اور اندر  
 کیسے آئی ہو؟“  
 وہ دوبارہ سوال سن کر اور زیادہ سمٹ گئی مگر اس کی  
 نظریں وادہ پر ٹھہری رہی تھیں۔ وہ مسلسل خاموش رہی  
 اب وادہ نے لپکے میں قدرے کھینچ لیا اور اس کی طرف  
 پوچھا۔ ”تم میں سے پوچھ رہا ہوں۔ تم کون ہو اور یہاں  
 کیوں آئی ہو؟“  
 وادہ کو سخت لپکے پر پٹیمانی بھی ہو رہی تھی۔ ایک  
 لڑکی سے کہتے ہیں تو پوچھا اسے خود برا بھلا نہ تھا۔  
 لڑکی کی خاموشی اور گھبراہٹ سے وہ اپنے خوف پر کھل چکا ہوا  
 چکا تھا۔  
 وادہ نے سخت لپکے میں کہا۔ ”اگر تم بولو تو کہیں نہیں تو  
 جھپٹیں کھینچ کر بیٹھے اٹاروں گا۔“ یہ کہہ کر وہ کمرے کے  
 اسی دوران لڑکی کی کھینچ ہوئی سترم آواز آئی۔ ”جھپٹیں  
 تمہارے چاروں کا واسطہ دیتے ہاتھ نہ لگا۔“  
 وہ وہیں رکت گئی اور بولا۔ ”فیک ہے بیٹھے، آج تاکر  
 تم مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔“  
 وہ بولی۔ ”میں کفر لہابت کی رہنے والی ہوں۔“  
 کی آواز اتنی خوب صورت تھی کہ وادہ کو کھسکی ہوا کہ پھاڑ پر  
 کوئی باہر کی کمرہ میں جگ رہی ہو۔  
 وادہ جانا تھا کہ کفر لہابت یہاں سے کچھ دور ایک  
 پہاڑی کوئی ہے۔ وہ وہاں سے خود ہی بولنے کا سوچ دے ما  
 تھا کہ وہ خاموش رہی۔ اس نے زری سے پوچھا۔ ”یہاں  
 جھپٹیں کون چھوڑ گیا؟“  
 وہ لڑکی جیسے دھیمے بول رہی تھی۔ اس کے ہونٹ پڑ  
 پڑ رہے تھے۔ اس نے کھینچ لیا۔ اسے انشاد کی گھڑی تھی۔  
 کی طرح کھینچ گئے۔ وہ میر کی شادی زبردستی کر رہے تھے۔  
 میر کی محبت کی اور کے لیے تھی۔ جس کے لیے میر نے  
 بھائی کی روٹی کھنا غائب ہو گیا۔ میں گھر سے میرا بھائی  
 اٹھا گیا۔ مجھ کو بھی دھمکا دے گا۔ اس کی کمرہ میں  
 موتی بھڑک رہا ہوں پر رہنے گئے۔ اس کے بے جا محسنوں  
 قتل جان۔ اس نے اپنے مریض پر اٹھ اپنی چادر سے باہر  
 نکالے تو وہ دونوں ہاتھوں میں جیسی ڈیرے۔ وادہ اس کے  
 خوب صورت ہاتھوں میں غریبی انگلیاں اور ان ہاتھوں کے  
 زہارت کو کم کرنے میں ہوا۔ اس نے دیکھ کر ہاتھ پٹا  
 اعزاز دیکر لپکے میں بہت جیتی ہیں۔ زہارت سے بڑھ کر کوئی  
 کا کھنسن اسے دیا پھر اتنی جیتیں دھکیل شایہ ہی

تھیں جی سی آر ہی ہے۔ کسی خاص مقصد کے لیے اسے اکسا  
 رہی ہے۔ وادہ نے نہ چاہے ہوئے کسی اس کا ہاتھ پڑا لیا۔  
 ہاتھ چھانے ہی اس کے بدن میں سہانہ سی دودھ کی نرم  
 اور ملائم آواز تھی اس کے گرد سے ہاتھوں میں تھے۔ اس نے  
 اپنے ہاتھوں میں جھڑا۔ وادہ اسے اس کی رضا مندی  
 سمجھا۔ اس نے ایک قدم آگے بڑھنا چکی کے گلابی کولوں کو  
 چھوا اور شرمانا۔  
 وہ دھڑکی دھیرہ انسان تھا۔ لپکی کمرہ میں اس  
 کی خود احتیاجی اس کے کام رہی تھی۔ لڑکی خاموش تھی۔  
 وادہ نے اسے اس کو کمرہ میں سے پھر کر اپنے سینے سے لپکا تو وہ  
 بولی لالین کی روٹی کمرہ میں کر دے مجھے شرم آ رہی ہے۔  
 وہ دین کر کر دے ہو گیا۔ وہ چار پائی سے اتر آیا اور  
 کوسو ماٹھروں کے دھول کا تھا۔ شیطان نے اپنا تلک  
 اپنا تھا۔ اب میرے میں شیطان کی ٹپکٹ شروع ہوا۔ وہ اسے  
 اپنا لے کے کمرے کے دروازے پر آگیا۔ میں بھار کا اور دوسری  
 نہیں کرنا پسند کرتا تھا۔ یہ شرم آ رہا ہے تو اب مجھے نہیں  
 نہیں چاہی۔ دوسری میں لالین کی ایک بی بی میرا ہے۔  
 اور وہ تم ہو۔ سر سے دیکھ تمہارا چھپا کر گئی۔ وہ دھڑکی  
 ہو کر کمرہ کا تھا کہ میں کمرہ میں تم کو کھینچ چھوڑ سکتا۔ ایک مرد  
 کا کدہ ہے اور مرد اپنے وعدے سے کبھی پیچھے نہیں ہٹتا۔ وہ  
 کا دیا رہا میں نے اسے اس کے بدن میں لپکا کر اسے کدے کے  
 اتار لیے تھے۔ سفر کی تھکات میں غالب آ گئی تھی۔ وہ مطمئن  
 ہو کر نیکری راہی میں چلا گیا۔  
 اس کی آنکھ میں تو کسرت کی دروزوں سے دن کی روشنی  
 شعلوں کی صورت افسردہ کر رہی تھی۔ لالین صاف کی تھی  
 چکا تھا چادر باہر بالوں کی جگہ سورج چمک رہا تھا۔ اس نے  
 انہر کہہ لیا۔ کوئی دوسری چار پائی پر بیٹھی اسے تیرا اعزاز  
 سے دیکھ رہی تھی۔ وادہ نے پوچھا کہ تم کب بیدار ہو گئی۔  
 وہ جواب دیا۔ ”میں سولی تک تھی۔ تمہارے  
 چانچے کا انتظار کر رہی تھی۔“  
 وہ خوش ہو کر بولا۔ ”مجھے اچھا لگتا۔“  
 اس نے جواب دیا۔ ”محبوب کے آرام میں شل نہیں  
 ڈالنا چاہتا۔“  
 وہ بوجھ تھا۔ اب وہ بھی سوچ رہا تھا کہ کمرہ بھری،  
 باہر اور بی بی انتظار کر رہے ہوں گے۔ وہ اپنے ذہن میں  
 مستقبل کی مسویرہ بناتی کر رہا تھا۔ سوچا کہ کئی کوئی لالین  
 نہیں رکھوں گا۔ ایک دودھ میں سانہ شٹ ہونے

225



228



کے انتظار کے بعد کمرے میں سویا تھا۔ بھائی باہر نہیں گیا ہوا تھا۔ بیٹی دوسری چارپائی پر بیٹھی کھیل رہی تھی۔ اسکول سے

فروری 2018ء

مہربانہ مدد سرگزشت

2010055,



لوہے کے ٹکڑے سے ایک انچ کے قریب گہری کھدائی کی۔ اس مٹی کو ایک ڈھیر کی صورت میں کیا اور اس پر کھڑے ہو کر اس طرح کچھ پڑھتا رہا جیسے لوگ قبروں پر پڑھتے ہیں۔ وہ پندرہ منٹ تک پڑھتا رہا اور دیکھتے ہی دیکھتے مٹی کا رنگ سرخ ہو گیا۔ اس نے پڑھائی ختم کی تو مٹی اس طرح سے سرخ ہو چکی تھی کہ جیسے اس میں خون ملایا ہوا ہو۔ واحد کا بھائی اور شرکت کھڑے حیرت سے یہ سب دیکھ رہے تھے مگر زاہد یوسف کا چہرہ پہلے کی طرح ہر دم کے تاثرات سے پاک تھا۔ اس کی پڑھائی سے وہ دونوں ناقابل یقین قسم کے واقعات دیکھ رہے تھے اور زاہد یوسف کا انداز ایسا تھا کہ جیسے وہ کوئی عام سا کام کر رہا ہو۔ نہ اسے پڑھائی چاہیے تھی اور نہ ہی کوئی مداخلت۔

اس نے وہ مٹی چاروں جانب اس کھدائی ہوئی لائن میں بچھا دی۔ مگر کو چاروں طرف سے گھیر لیا ہوا ہے مرکزی دروازے کے۔ مرکزی دروازے پر نہ اس نے کھدائی کی تھی اور نہ ہی مٹی بچھائی تھی۔

فارغ ہوا تو ہاتھ جھڑک کر اٹھ گیا۔ پھر اس نے ان دونوں کو بلایا اور اپنے بھائی کے لیے کہا: ”ابھا کھنڈر مٹی کے تیل کا لے آؤ۔“ اور اپنی بات بڑھا دے ہوئے بڑے۔ ”چار درویش اور پانی لائے آؤ؟“

شرکت نے فوراً دونوں والا اتفاق اس کے ہاتھ میں دے دیا اور پتے کے لیے پانی وہاں سے بھر کر لائے تھے۔ واحد کا بھائی مٹی کا تیل لینے چلا گیا۔ شرکت اس کے پاس رکھا کہ کوئی کام نہ پڑ جائے۔ دو پہر کی نماز کا وقت ہوا چاہتا تھا۔ پہلے اس نے وضو کیا۔ روٹی روٹی پانی کے ساتھ کھائی۔ اللہ کا شکر ادا کیا اور پھر نماز پڑھی۔ نماز پڑھنے سے پہلے اس نے شرکت سے کہا: ”اس لڑکے سے جا کر بولو کہ ایک لاکھ اور ایک چم کی ڈیبا بھی لیتا آئے۔“ وہ مٹی کا تیل لے آئے۔ ساتھ میں لاکھ اور چم کی دو ڈیاں بھی۔ زاہد یوسف نے درخت سے ایک موٹی شاخ توڑی۔ اس پر بستر کی چادر لپیٹ کر ایک مشعل تیار کر لی اور اسے مٹی کے تیل میں ڈال دیا۔

واجد کے بھائی نے اس سے بڑے ادب سے پرچھا: ”مولوی صاحب! کوئی اور حکم ہو تو بتائیں۔“ وہ مٹی بار بار کا مسکرا کر اور جواب دیا: ”یہ زندگی اور موت کی جنگ ہوگی۔ اب بات اس سے آگے بڑھ سکتی ہے کہ اسے پانچہ کر نہیں دے اور بہت درد پیچک آئیں۔ اس نے استانی کی

سے کیا ہوا وعدہ توڑا ہے اور ساتھ ہی اس کو لٹکا رہا بھی ہے۔ اب یا تو وہ چیلر جان سے جائے گی اور یا پھر استانی جی کا دیدہ۔ استانی جی کے لیے میری ایک جان تو کیا اگر سو جانیں بھی ہوئیں تو انہیں بھی قربان کر دیتا۔“ یہ کہہ کر اس نے اپنے سیاہ چشمہ اتار دیا اور اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ اس نے نظریں اٹھا کر ان دونوں کو دیکھا تو وہ ایک ایک قدم پیچھے ہو گئے۔ وہ دیکھتے انکار سے تھے جو آنکھوں کی جگہ پوست تھے اس کی نظریں انہیں اور دو شعا میں ان کی جانب نکلیں اور ان دونوں کے بدن سن ہو کر رہ گئے۔ اس نے دوبارہ چشمہ لگا لیا۔ اس نے ان کو ایک قہقہہ دیا کہ واجد کو یہاں لاتے وقت اسے پانی بھی گھول کر لانا دیتا۔

ان دونوں کو وہاں پہنچ کر یہ تاکید کی کہ کل صبح چار روٹیاں لائی ہیں اور شام سے پہلے واجد کو ہر حالت میں یہاں لانا ہے۔ وہ دونوں واپس گاؤں کی طرف آ گئے۔ ان دونوں کے بنجوسہ پہنچنے پہنچنے آسمان دھندلا ہوتا گیا۔ آثار تھے کہ شام تک برف پاری شروع ہو جائے گی۔ ہوا تھم تھم اور پورے پہاڑ پر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

پہاڑ پر شام اترنے دیر نہیں گئی۔ ادھر اندھیرا اتر اور ساتھ میں برف گرنے شروع ہو گئی۔ برف کے کالے آہستہ آہستہ زمین پر پڑنا شروع ہوئے اور کین گھراں میں بیک گئے۔

برف پاری نے رات کی چادر کو اور سیاہ کر دیا تھا۔ ایک دہشت ہر جانب چھائی تھی۔ گاؤں میں تو لوگ جہدی سو جاتے ہیں مگر ان کے لیے رات ایک دہشت لے کر آئی تھی۔ واحد کی بیوی نے اپنی بیٹی کو اپنے ساتھ چنا کر ملا یا ہوا تھا۔

ماں نے عشاء کی نماز ادا کی اور چار پانی پر رضائی اوڑھ کر لیٹ گئی۔ رات کے تیسرے پہر وہی ہنگامہ شروع ہو گیا۔ برف کے ساتھ ساتھ تھمری چوت پر گرنے لگے۔ تیز ہوا آجمن میں چل رہی تھی، آدہ پکا شروع ہوئی، چٹن چٹنا شروع ہوا جو بہت دیر جاری رہا۔ پھر دونوں کمرؤں کے دروازے پرینا شروع ہو گئے۔ سب دم ساد سے خوف سے سہم کر بیٹھے تھے۔ ماں اور واجد کی بیوی یا آواز بلند قرآن پاک کی تلاوت کرنے لگیں۔ تلاوت کی آواز سے شاید چیلر کو تکلیف ہو رہی تھی۔ دو زیادہ زور سے چٹن شروع کر دیتی۔ اس کے رونے اور چیخنے سے گھر تک لرز رہا تھا۔ واجد کا خوف بے تاب رہا تھا کہ اس زندگی سے



دیکھی تھیں۔ بال بکھرے اسے اور تک بھول رہے تھے۔ اس بھیاک چہرے پر دشت کی ہر چہرہ جیسے سرنگائی تو چہرہ اور زیادہ بھیاک ہو گیا۔ اسے دیکھ کر وادجہ کا سر چلرا گیا۔ انھیں پہل نہیں اور زبان تنگ ہو گئی۔ وہ خوشوار لیے ہوئی۔ دھوکے باز ہم کی اوروں کی طرح بے ہوا لگنے۔ وہ کیا جھٹکتا ہے کہ نصے اس کی جڑ ہو گئی۔ وہ چلا گیا۔ دینا کا بزدل چلا۔ پیٹے سے اسے ٹھونکنے کا کہ تو میرا بھائی ہے دیکھ لے اور بڑا بھائی ہے جس نے کس سے کس کے کہاں کی۔ اس کے بعد اس نے کرخت قہقہہ لگایا جسے سن کر وادجہ بے ہوش ہو گیا۔

وہ چار پائی پر اڑا تھا۔ چڑیل نے معلوم نہیں کیا اس کے ساتھ کیا کہ وہ جاگ گیا۔ اصر اور دھوکا اور جب چڑیل کو دیکھا تو پھر سے لڑنے لگا۔ اس سے وہ کہہ رہی تھی۔ "دینا کی بزدل چلا جھٹکتا ہے کہ کس اس کی موجودگی کو مجاہد نہیں سکون گی۔ کس طرف سے دینا اس کا چلا۔ وہ میرا چار دہا کر کہاں لایا ہے۔ تو میرا اس کا ہاتھ کسوں کی اور پھر تھرا۔ وہ بولی کی باری تھی کہ جیسے دینوں کو سہل کر کرخت آواز لگاتے ہیں۔ اس کے سہل کی جانب وہ دیکھ کر دستک لگا۔ ایک غلاظت اور لنگڑی کا ڈھیر تھا۔ اس کی پیڑوں سے کمرے میں بھٹی گئی۔ وہ زمین پر نہ کی لگنا میں نہیں آتی۔

وہ قہقہہ لگتی تھی۔ وادجہ کا دل اس کی کرخت آواز سے پھنسا ہوا تھا۔ وہ اتر کر چاہے گی تھی۔ کہاں ہے تو بزدل چہرے سے دینا کی کے نکال چیلے۔ اس کی تیری اور دینا کی موت میرے ہاتھوں کی بھیاک ہو گئی کہ پورے سے غلاظت میں بھر گئی اسے اٹھانے کی جرات نہیں کر سکتے گا۔"

وہ دروازے کی جانب ہو گئی تو دروازے سے پیچھے زامہ یوسف نکلا تھا۔ اس کی آنکھوں سے شیلے ہرگز نہیں آتے۔ وادجہ نے اسے دیکھا تو سر سے ٹھونکنے کے پیچھے چلا گیا لنگڑی۔ وہ آؤں ہو کر اٹھیں دیکھ کر کھینچا تھا وادجہ کا خوف وہ تھا جو پہلے ان تھا۔ وہ اس کے ساتھ وقت گزار چکا تھا اس لیے قدرے غر ہو گیا تھا۔ یہ سب دیکھنے کا حوصلہ تھا تو رن نہ سہی ہاں سے کوئی دیکھ تو اس کا کلیجہ پھٹ جاتا۔

زامہ یوسف دروازے کے بچھ میں کھڑا تھا ہینے ہانے بغیر پیش ہچکے شیلے غرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس سے سرے تو ٹپنی اندر کی۔ چڑیل نے اسے

کہا۔ "تجھے فخر کرنے میں مجھے ذرا برا بھیج دیو نہیں ہوگی۔ اس کے بعد شیلے دینا کی کے اور بھی کیا کرنا شروع کیا۔

زامہ چند قدم آگے بڑھا۔ وہ اب کا کار کچھ چہرہ پر تھا۔ چڑیل نے زمین چھوڑی اور وادجہ کمرے کے غلام میں تھرتے گی۔ وہ جیتڑے بدل رہی تھی اور زامہ یوسف اپنی جگہ پر سناٹا کر کھڑا تھا۔ وہ اب زور زور سے بچھ پھینک رہی تھی۔ زامہ یوسف نے اس کے اوپر کی اور بائیں ہاتھ سے اسے کمرے کے پیچھے ضرب لگائی۔ زامہ یوسف نے پیچھے کی کوشش کی کہ اس نے آتی تھی سے ہاتھ چھایا کہ وہ آواز ہوا بائیں جانب دیوار پر لگ کر زمین پر آکر۔ وہ اب بھی بھٹکتا تھا۔ زامہ یوسف نے اس کے پیچھے پڑا ہوا دھوکا دیا۔ وہ اس کی سمت کے قریب آئی دیوار پر جاگ۔ دیوار سے ٹکرانے کے بعد وہ کسی قدر سخت کی باغیر زمین پر آکر۔ چڑیل کے پیچھے کمرے کو لڑا رہے تھے۔ وہ زمین سے اٹھنے کی کوشش کرتے تھے زور زور سے اپنی زبان چڑیل کا منہ چڑیل کی بھیاک تھی کھنسی نکلتی تھی۔ وہ اسے کہہ رہی تھی۔ "اپنی آواز سن کر گولا۔ وہ اس وقت دوپیلے میں بیٹھتی ہے اور قہقہے سننے میں ڈال رہا ہے۔

وہ اس کے کوشش کر رہا تھا کہ اسے کہہ دے اور ڈیو ہوئی چلی۔ اسے اور ایک ہی بچے کے ساتھ اس کی دائیں بائیں بکڑ کر اسے اٹھا کر وادجہ پر دے مارا۔ وادجہ بھٹکا کاب کے وہ نہیں اٹھ سکتا تھا۔ وادجہ کا خوف ہو کر آواز اٹھ رہی تھی اس وقت وادجہ ہر کھڑا تھا وہ خود اپنی اور چاروں طرف اس کی کھنکھاتے ہوئے سہل کر اس کے چہرے پر دھار پڑی کی صورت بہرہ ہاں تھا اس کی کمرے اور بھی اس کا کمرے میں خوں سے رنگا ہو چکا تھا۔ وہ دھوکا دینے کے اور چار پائی پر آکر۔ اس کا چہرہ خون چھوٹا تھا اس کے اوپر چار پائی پر آکر۔ وہ اس کی کھنکھاتے ہوئے لے لی۔ اس کی جھیناں اگرا رہی تھیں۔ وہ اپنی کھنکھاتے ہوئے دہاں تو تھرا۔ زامہ یوسف نے زامہ یوسف زور زور سے در دکرنا آگے بڑھا اور اسے اندوں بائیں سے اٹھا کر اس کے اوپر پر بلند کیا اور پھر اس کی کھنکھاتے ہوئے لے لی۔ اسے سامنے والی چار پائی پر ڈیا۔ ایک سے لگ کر پیچھے زمین پر آکر۔ وہ چلا رہی تھی اس کی کھنکھاتے ہوئے زمین پر آکر۔ پورا کمرہ اس کے چلنے سے گونج رہا تھا۔ زامہ یوسف ہر اس کی جانب لگا رہا تھا کہ اس کی کھنکھاتے ہوئے زمین پر چڑی پڑے جسے وہ وادجہ سے تھا۔ زامہ کا پھر خوف تھا ہو چکا تھا۔ یہ وہ زامہ یوسف تھا

تجری لاش اٹھانے سے پہلے دینا کی اسے انعام تک پہنچائی ہو گی۔

وہ بھٹکتا تھا۔ اس سے اپنا سر نہیں اٹھایا جا رہا تھا۔ اسے ایسا محسوس ہوا تھا کہ اس کے جسم کی پشتر پڑیں ٹوٹ چکی ہیں۔ سر پر شیلے ضرب لگتے سے خون اتار رہے چلا جا رہا تھا۔ وہ بڑی تھکن سے چار پائی سے اترتا تھا۔ اس کی دائیں کی طرف آؤ گئی۔ اور اس کا چار پائی خوفناک آواز چہرے پر سرخ چھٹی آنکھیں جیسے شیلے ہر سادھی ہوں۔ اس پر تھبت طائر ہو گئی تھی۔ وہ تو کھڑا رہا تھا۔ اسے اپنے دھوکے پر کھڑا رہنا اس کے لیے مشکل تھا۔ اصر چڑیل پر بڑبائی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ اس کی آنکھیں کھل کر زور زور خوفناک ہو گئی تھیں۔ وہ آہستہ آہستہ غلام میں بلند ہو کر کھڑے ہو گئی۔ اس کے ہاتھ سے بھٹاک بہرہ ہاں تھا۔ اس کی کہیہ شکل کو دیکھ کر لڑکے کے پیچھے وادجہ کے اپنی آنکھوں اور کاٹوں پر بند لگایا۔

زامہ یوسف کھڑا ہو گیا تھا کھڑا کھڑا تھا۔ وہ شیلے ہر سائی آنکھوں سے چڑیل کو دیکھ رہا تھا۔ اپنی آنکھوں سے آنکھوں کے سامنے آواز خن صاف کیا۔ چڑیل اس کی جانب ہٹ کر آئی دینا کی۔ یہ میرا آخری وار ہے یا دے کر لے جاؤں گا۔ اور دینا کی۔ اس نے ضرب لگائے کے لیے اپنی دائیں ہاتھ کی کئی کئی آنکھوں کی اسے شیلے زدن میں زامہ یوسف نے اس کے دائیں ہاتھ کو بکڑ کر اسے کھینچا اور زارے کے اور دیوار پر اسے بے ہوا۔ اس کی ایک ہی بچے کا دل اور کھڑا کھڑا ہو کر آکر۔ وہ اس کی کھنکھاتے ہوئے لے لی۔ کھنکھاتے ہوئے سر سے اس کے قریب پہنچا اور پوری قوت سے ہاتھ لگا کر اس کے سر پر ضرب لگائی۔ وہ بچھ لڑی ہوئی لڑی کی شیلے سے جا کھنکھاتے ہوئے سر سے ہٹن آؤں میں جیتے ہوئے چھوٹے آگے بڑھا اور اسے اندوں بائیں سے اٹھا کر اس کے اوپر پر بلند کیا اور پھر اس کی کھنکھاتے ہوئے لے لی۔ اسے سامنے والی چار پائی پر ڈیا۔ ایک سے لگ کر پیچھے زمین پر آکر۔ وہ چلا رہی تھی اس کی کھنکھاتے ہوئے زمین پر آکر۔ پورا کمرہ اس کے چلنے سے گونج رہا تھا۔ زامہ یوسف ہر اس کی جانب لگا رہا تھا کہ اس کی کھنکھاتے ہوئے زمین پر چڑی پڑے جسے وہ وادجہ سے تھا۔ زامہ کا پھر خوف تھا ہو چکا تھا۔ یہ وہ زامہ یوسف تھا

## ندامت

جناب ایڈیٹر سرگزشت  
السلام علیکم

یہ سچ بھائی سندس اور سجاد کی ہے لیکن بغور دیکھیں تو یہ گھبر گھبر کسی کہانی بن رہی ہے۔ ہم بچے بچوں کو موبائل لے کر خوش ہوتے ہیں کہ وہ اس کا صحیح استعمال کریں گے جب کہ یہ ہماری خوش فہمی ہے۔ اس موبائل نہ کیسے سندس کی زندگی میں زہر گھولا آپ بھی ملاحظہ کریں۔

لفخار حسین اعوان  
(ملنگوالہ، آزاد کشمیر)



صبح کی سبیری کر میں دو پہر کی نماز میں ڈھٹے تھے  
تیس گنا زنا زور دے گی اپنے معمول کے مطابق رواں دواں تھا۔  
سندھ بکری بڑی تندی سے بگم ہوئے کے علاوہ  
جھوٹے برحقوں کا ڈھیر دھوئے میں مصروف تھی۔ گزشتہ

دو ہفتے زور سے چلتی کہ پورا کرا کا تب گئے۔ واہ واہی جگہ پر  
سب دیکھ رہا تھا۔ مقرر کرنا سب پر تھا۔ وہ اب کمال ہو رہی  
تھی۔ اس کا تعلق جسم لوہے کے ٹکڑے کی حرکت سے چمک چکا  
تھی۔ پھر پھر چار بار آئے۔ وہ اپنے بالوں پر تھی۔ چار بار  
تھی۔ زاد برف نیک ایک بار پھر نفا میں تھی۔ تو اس کے جسم  
کے پورے ٹکڑے سے نیچے گرنے لگے۔ دو گروں میں ہٹ  
رہی تھی۔ سکسکان لہری تھی۔ آواز دہری کی تھی۔ زاد  
ہیست کے چہرے پر کرا کا راسا بھی نہ تھا۔ تو اس نے  
آواز دہری کی تھی۔ اس پر بھی تھی تو اس کے  
بالوں نے ذرا آگ بکڑ لی۔ اس کی کمر بھینچیں جیسے  
کمرے کی چھت کو چھو کر آسمان کی جانب اٹھیں  
ہو رہی تھیں۔ اس کا چہرہ مل رہا تھا۔ زاد ہیست نے  
کے ٹیل کا سستہ زادوں اٹھوں سے اٹھا دیا۔ اس سے  
بلند کر کے آہستہ آہستہ اس پر اڑا دیں۔ آگ نے آگ کا  
چرل کر اٹھ لی۔ چھت میں لے لیا۔ حیرت انگیز طور پر آگ  
چرل کے علاوہ نہ کی اور چڑھ چڑھ رہی تھی اور نہ زاد  
ہیست کی جانب بھی گئی۔ آگ کے شعلے بلند تھے، چرل  
کی دلکش چھتیں کمرے کی دروازوں کو کڑھ رہی تھیں۔ وہ  
انکارہ بن رہی تھی۔ ایک دہا ہوا انکارہ۔ اس کی سسکیوں  
کی آواز بھی آہستہ آہستہ دم توڑ رہی تھی۔ زاد  
ہیست اپنے پاؤں پھیلانے زادوں پر ہاتھ پڑے ہاتھ  
تین کر کھڑا تھا۔ اس کے ہونٹوں سے کلام پاک کی آیتیں  
جاری تھیں۔ چرل آہستہ آہستہ مل کر کھڑا ہو رہی تھی۔  
وہ کار پر ہوتا چار بار چھڑا ہوا ہے۔ کمرے کا دروازہ  
کھول دیا۔ واہی آواز دہری کا آہستہ آہستہ بند میں سے بلند  
ہوئی اور اڑتی ہوئی ایک جھونکے کی طرح باغیچوں کی اور  
کمرے کا فرش باگل صاف ہو گیا۔ ایک دھڑکی کے اوپر  
شرق سے مغرب کی جانب پھیلنے جارہی تھی۔ اسی سے بنجر  
گاؤں کی سمجھ سے اذان کی آواز گونجی۔ انڈا بڑا تھوڑا کمرہ۔  
وادہ ہے ہوش ہو گیا تھا۔ اسے ہوش آیا تو چار پاؤں  
پر پڑا تھا۔ شکت اور اس کا بھائی واہد کے چہرے پر پائی  
چمک رہا تھا۔ وہ بڑبڑا کر تھا۔ کمرے میں زاد ہیست  
تھا۔ جھینک میں بھی نہیں تھا۔ بھائی نے بتایا کہ جب  
میں بیٹو تو تم چار پاؤں پر لے ہوئے پڑے تھے۔ زاد  
ہیست یہیں نہیں تھا۔ شاید وہ میں چلا گیا۔ دیا کی اور  
کام نہ کھانے!

جو واہد کو عشا کی نماز پڑھا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں پینے کی  
طرح چمک رہی تھیں۔ آنکھوں میں غصہ تھا۔ نیچے کی  
گردن سے بڑھ کر دینے ہاتھ سے اٹھا اور پھر پورے  
انڈا کمر کھاتا ہوا آگ آگ دین کے قریب ڈھین پر پڑ گیا۔  
ایک طرف اس کا چرل کے شعلے سے آگ ہوئی۔ وہ اٹھنے کی  
کوشش کر رہی تھی کہ زاد ہیست چلنے کی سی تیزی سے لگا اور  
چین کے شعلے سے مشعل لکڑی کر اس کے سامنے کھڑا ہو  
گیا۔ پھر اس کی جھپٹ کی جب سے لائن نکلا۔ چلے سے  
شعلے سے مشعل بھڑک اٹھی۔ اب اس کے پاس ہاتھ میں  
مشعل لکڑی اور دینے ہاتھ میں لوہے کا ہوی چوڑا گھڑا۔  
زاد ہیست کے خون آلود چہرے پر زہریلی  
سکراہٹ تھی۔ آنکھوں میں خرا ہوا تھا اور شدید  
غرت سے وہ چرل کو دیکھ رہا تھا۔ زاد ہیست اس کے  
کمرے میں سے بلند تھے۔ مشعل بھی لڑ رہی تھی اور سرخ روشنی  
پورے کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔ چرل کی آگ دین کے  
قریب کرا رہی تھی۔ آگ دیکھ کر اسے ایسی موت نظر آ رہی  
تھی۔ زاد ہیست اس سے کہنے لگا۔ "اب تبا، دیالی کے  
بارے میں کیا کہہ رہی تھی۔ دیکھ بھٹے۔ دیالی کے ایک حقیر  
میرے کو۔ جناب تیری موت کا ٹکڑا ہے۔" زاد کے چہرہ اور  
لبہ زہر زدہ ہو گیا۔ وہ اٹھ کر اٹھا۔ وہ اٹھ کر اٹھا۔ آواز میں  
چرل کے کہنے لگا۔ "تیرے انجام سے تیرے کسی شیطانی  
خوش دیا کے شعلے سے بیٹوں دور چیں گی۔"  
وہ چھڑا زنی رہی، بچتی رہی اور پھر رونے لگے۔ اس  
کے شعلے سے لڑ رہی آوازیں بگم رہی تھیں کہ جیسے آواز دہری  
کا کلام ہوا۔ وہ دوتے ہوئے زاد ہیست سے ہم کی ایک  
مانگتھی گئی۔ اٹھا کر تے ہوئے کہنے لگی۔ "بھٹے بھٹے دور میں  
وہ دھڑکی ہوں کہ دوبارہ دھڑکا رہی تھی۔ کمرے کی۔  
چھتیں دیالی کی قسم نہیں تمہارے رب کی قسم، بھٹے جاتے  
وہ۔"  
زاد ہیست کہنے لگا۔ "اب وقت گزر گیا ہے۔ وہ  
دیالی جو اپنے آستانے سے سالوں نہیں لگی مگر تمہاری  
شرارتوں کی وجہ سے اس میں بیٹوں کا ستر گرانے کے علاوہ  
کاؤں کی۔ تم نے ایک شریف ادبے ضرور گرانے کے علاوہ  
دیالی کو کسی تکلیف پہنچائی ہے۔ دیالی نے تمہاری موت کا  
فیصلہ کر لیا ہے۔ میں اس سے تمہاری موت کا پودانہ لے کر آیا  
ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے لوہے کے ٹکڑے پر ہاتھ بڑھ کر پھٹکا  
پھراس نے چرل کے آگے اوپر سے نیچے نفا میں گھیر بیٹھی تو





## سبق

محترم مدیر  
السلام علیکم

یہ سچ بیانی میں ہے حیدر علی کے واقعات جمع کر کے لکھی ہے۔ حیدر علی نے ایک بہت بڑی غلطی کی تھی جسے میں بیان کر رہا ہوں۔ جو اپنا ایک انگریز ماں کی بیٹی ہے یہی نہیں اس نے ایسا کراڑا جواب دیا جو نہ صرف حیدر علی بلکہ ہر ایک کے لیے سبق ہے۔

غلام رضا جعفری  
(کراچی)

جس۔ ایسا کہہ رہا تھا کہ جیسے اس کی زبانی نہیں، کوئی نام نہ ہو جو مجھے لائے گی کہش کر رہی ہو۔ وہ اپنے کھلمکھائے چہرے کے ساتھ بہت اچھی لکھ رہی تھی۔ تو نئی سے مہرشار ایک دوہے کا ہاتھ تھامے سمندر کے دوسرے کنارے کو

[245]

ملیسا مسرگرہٹ

فرانز دیگر تعلقات کی نسبت حدود کی پابندی کا زیادہ مستحق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حدود کی خلاف ورزی کے بارے میں سوچنا، یہ تہیہ اور چاہی کے سوا کچھ نہیں۔ ہمارا الیہ یہ ہے کہ ہم حدود سے مکمل واقف ہی نہیں۔ چھوٹے چھوٹے کی معاملات ایسے ہیں جن میں سے اکثر ان کی سے ہمارے ذہن پر ان کی رعایتیں کو بھیجی ہیں۔ سر اور ہاتھ کی بڑی زندگی کا آغاز ہیں۔ اور ان کی جانب سے معمولی لغزش بھی ان کی عاقلی زندگی ہے ترتیب کر دیتی ہے۔ ایک عموماً معاشی رویہ کے تحت رشتے لگاتے ہیں تو ان کی فرہنگیں ایک دوسرے کے لیے ماحرم ہوتے ہوئے بھی گھٹتے رہتے ہیں۔ گویا اللہ کی قائم کردہ حدود کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ انہیں علم بھی نہیں ہوتا اور ان کی آچند زندگی اس گناہ کی سزا سے خوب جانی ہے۔ یہ رشتہ اپنی کشش کو نہ لگتا ہے اور انجام بھڑکوں اور ایک دوسرے سے بیزاری کی صورت میں لگتا ہے۔ ہم شیطان کی خیانت کے زیر اثر شادی سے پہلے ان زمانہ راہبوں کی جتنی بھی تادیبیں دے دیتے ہیں مگر حقیقی دنیا کے اصول و ضوابط اس ہیں۔ غلط ہمیشہ غلط ہے جس کی سزا اس دور میں رہ کر ضرور لگتی ہے۔ سب سے اہم بات یہ کہ گورنر کے مافیہ بھی ہوگی اور ہر وہ شخص جو ہمیں ہوئی ہو نہ ہمیں کشش کا باعث ہے، جہاں وہ مکمل کرنا سنے لگتی اپنی کشش کو دیتی ہے۔ چراگرفت سے پہلے سامنے جاتے ہیں، جیسے ہی نامہ و عیال کے ذریعے وہ اپنی کشش کو دیتے ہیں۔ خدا ہے، یہ دشمنی میں چھپ کر مکمل دہیاس پر نظر نہیں دے رہی ہیں کی زندگی جانی کے قرب و قریب جاتی ہے۔

مولانا صاحب کی بیوی اور بھی بہت کچھ کہہ رہی ہیں لیکن انہیں بھی سمندر کی بیوی کے بارے میں سوچنا چاہیے کہ ان کی زندگی میں کتنے تھے۔ آج انہیں ہر سولہ، لگے اور کھلے کا جواب مل چکا تھا۔ حجاب ہمیشہ سے ہر ملک کی ذمہ دار مگر اپنی ان انا کو سمجھنا و بتا رہا تھا لیکن اللہ کی حدود کی پابندی میں وہ خود بھی راہب کا شریک رہا تھا۔ جس کے ہاتھوں مطلب ہو کر بڑے دوسرے کے ساتھ راہب کا کام رہا۔ اسی خود اس کی اندر کی گونجی آیا اور محسوس ہوئی۔

”اور چونکہ اللہ سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ لیکن جو تو پر کہہ تو وہ بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔“ حجاب کی آنکھوں سے غمناک کے ایک دھواں ہو گئے۔

فروری 2018ء

بارگاہِ گزشتہ جس حجاب کے جس مخصوص رویے کی وہ عادی تھی وہ اب متفقہ طور پر لگاتے لگا تھا۔ شادی کے بعد ایک ماہ کا عرصہ انہیں سالوں پہ چھٹا نظر آنے لگا تھا۔ خاص کر ان کا ایک جب سلسلہ پر دان چڑھنے کا تھا۔ دونوں کی بارگاہوں کے لیے جاتے لیکن خاص کر ایک ہا معلوم چھپو ان کے مہر ایسے ہوتے تھے۔ وہ کوئی بھی بات کرنے کی چاہا ایک ہی جرب ہوتا۔

”مٹی پر تانا ہے یہ قصہ؟ جانتا ہوں میں پہلے سے۔“ خود حجاب کو ان کی بات کا بخوبی احساس تھا کہ اس کی گفتگو کی پادری ان کے خزانے سے نکلی ہوئی تھی۔ وہ کوئی ایک سلسلہ قائم ہوئے تھے مگر کی ذمہ داری اس پہ آن پڑی۔ اس کے سسرال میں ماحول اور معاشی کے علاوہ کوئی بھی شہا لیکن انتظامی صلاحیتوں سے عادی ہونے کی بنا پر وہ اس چھوٹے سے چکن کو سٹوارڈ سے بھی قاصر تھی۔ ساس کے بھرپور تعاون کے باوجود کھانے میں بد سلیکی اور دیگر معاملات میں ان کی پابندی نہ ہو سکی۔ حجاب کی دور کرتا تھا۔ اس کی شہر کی زبان اور دوسرے لائی سوٹ آپ ہی مریج تھے۔ سمندر اس شخص کو بھترے رہی کی وہ ”بیوی“ بھی جس کا اوتھن فرس لکھ کر یہ معاملات میں لگم و ضبط تھا۔ مگر دوسری طرف سمندر اس نے امتحان میں مکمل کامیابی سے اوری ہوئی تھی۔

☆.....☆

حجاب کے والدین عموماً کی ادائیگی کے سلسلے میں حجاب مقدس کے سڑکی تیار یوں میں گئے تھے۔ ساس کی روایتی اسے حیرت ہو کر رہی تھی۔ اس کی نظائیں بڑی چل چار میں تھیں۔ حجاب کا ”آکر تہ“ خدا جانتا ہے۔ مجھے کہن سے اپنے گناہ رزد ہوئے ہیں۔ جس کی جتنی عادی صورت میں مہر ایسے تھے۔ اس دن حجاب کی سلا و منتقد کیا تھا۔ حجاب نے دفتر سے چھٹی کر مگر بھی بھنوں کے انتظام پر دوس کا انتظام بھی تھا۔ کھلے کے مولانا صاحب کی بیوی دیکھنے کے لیے میں سامنے سے حجاب ہو گئی۔

”اللہ عز و جل تعالیٰ نے اس کا نکات کو ایک خاص ترتیب اور نظم و ضبط سے پیدا کیا ہے۔ اس کا نکات کی ہر تعلیق ایک خاص نظم سے چلتی ہے۔ ہم نہیں دیکھتے ہیں کہ سوسن کی چاند کے عمارتیں نہیں آتا۔ حجاب کی عموماً حجاب کی حد و چاند نہیں کرتا۔ انسان اس کا نکات میں اثر و اختلاقات کے عہد سے پر فائز ہے۔ لیکن اس کا رتبہ، مقام و

[244]

ملیسا مسرگرہٹ









پہلچا۔  
 ”تیری..... کون تیری.....؟“ میں اس کی بات پر  
 چونک پڑا۔  
 ”وقیدی جو تمہاری معیت ہونے کی سزا بھگت رہی  
 ہے۔“ اس نے کہا۔  
 ”اوہ..... معیت.....؟“ میں نے طنز پر کہا۔ ”کسی  
 کو کوئی رشتہ نہیں ہے اب میرا.....“ میں نے بے رحمی سے کہا۔  
 ”کیا کہا؟ تمہارا کسی سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔“ اس  
 نے حیرت سے پہلچا۔  
 ”نہیں.....“ میں نے کہا۔  
 ”تم جانتے ہو۔ یہ تم نے سچی بڑی بات کہہ دی  
 ہے۔“

منصور موجود ہو چکا تھا۔۔۔۔۔ پھر اس اگلے دن بھی وہ نہ آیا۔  
 مجھے اس کی پروا بھی نہیں تھی اس لیے میں نے اس کی کسی  
 محنتوں کا خیال نہ کیا اور ایک مہینہ نہڑا۔ پھر میں روز اس کے  
 ساتھ وقت کرتا۔ اس دن بھی اس کی حالت درست تھی اس کے  
 کمر میں اب پھر دوا بھی نہ تھی۔ آہستہ آہستہ اس کی کھلمی  
 اترتی گئی اور وہ بالکل ٹھیک ہو گیا۔ کفر و باجی کے سامنے  
 مختلف راستوں سے ۲۰۲۰ء حاجی کے گھر کے سامنے  
 پہنچا۔ میں نے جلدی سے گاڑی سے اہر نکل کر حال نظر دیا  
 وہ۔۔۔  
 ”جی فرمائیے؟“ ”لازم نہ آکر پوچھا۔  
 ”جی“  
 ”جی مولانا! اگلے دن بھی نہیں۔“ اس نے بتایا۔

[illegible]

ساتھ دوڑ رہی تھی۔ اسے یہاں تک پہنچا کر کمر لگا کر دوڑنے لگا۔

میں نے غار باہر دھڑکی نہ کر دی۔ "خوفی سے ابھی اچانک غفلت پر کہ میں نے اس کی بات نظر انداز کیوں کر دی تھی، مجھے کچھ پروتہ اس کی جگہ کا دور دورہ یاد آ رہا تھا۔ یہ اسی کی بات چٹا چٹا۔ آج اس نے خورگاہ سے مجھے دھڑکی کر دیا ہے۔"

میں نے اپنے کچھ بچے کچھ بچے پر پڑے اسے اٹھانے پر پڑی تو اس نے کچھ دیکھ کر کہا۔ "میں نے آج کے پھر وہ دور دورہ تھا کہ کون تو اس میں ایک رتہ کے سلاخوں والی رہی تھی۔"

"ہم کس سے رکھے؟" میں نے اپنے آپ سے سوال کیا۔ جو وہ دیکھ کر میں نے غافلانہ انداز کو یاد کر دیا۔

میں نے خود کو پھر سے پھر انداز دے دیا۔ "میں نے خود کو یاد دہانہ۔ میں نے

ہوئی اس وقت کہ میرا دل اسے کہنے میں نہ لگا رہا۔  
 ایک ایسا گلاب کہ مجھے جسے اپنے کار میں اس  
 طرح سجا چاہتا ہوں کہ دیکھ کر مجھ تک سرور کرتی  
 رہے۔  
 تم مردوں کی یہی تو خامی ہے کہ خوب صورت  
 چیز کو دیکھا اور اسے حاصل کرنے کی خواہش کر دی۔ یہ  
 مجھ کو معلوم ہے کہ طبع جو یہ نہیں جانتا کہ جسے وہ خوب  
 صورت سمجھ کر حاصل کرنا چاہتا ہے وہ چیز اسے نقصان پہنچ  
 دے گی ہے۔  
 میں ۔۔۔ ایک خوب صورت گلاب کی بات کر رہا  
 ہوں۔ میں نے پہلی بار اسے جس خداداد کو بھونے کی  
 کوشش کی تھی۔ اس نے کسی قدر طبعی سے میرے انہوں  
 کو ہلا دیا تھا۔

خاکسار  
مسور احمد  
نے لگا۔



فروری 2018ء



آج اسے تہاں ہی دکر گئے کا موقع بھی مل گیا۔  
 ”جی ہاں جاب، روز میں تو بری طرح پھنس چکی تھی۔“

خرم بھی اپنے اہل کار سامان اس کی گاڑی میں رکھ کر ہمارے پاس آیا۔ کچھ عجیب سا لگ رہا تھا۔ وہ میری باتیں کرتا تھا۔ میرے پروگرام میں شرکت کرتا تھا۔ کیا تھا یہ سب، بہر حال میں نے ان دونوں کا کھربا یاد کیا۔ میں نے خرم کے اہل کار سوا دو بھی دینا چاہا تھا لیکن اس نے انکار کر دیا۔ ”کیوں شرمندہ کر رہی ہیں جی، ذرا سادہ کا تھا۔“

”کام تو ذرا سادہ تھا لیکن آپ اپنا کام چھوڑ کر آئے آپ نے وقت ضائع کیا، پڑتے ہیں؟“

”کچھ بھی نہیں ہے۔ اب آپ جا میں رات دوری ہے۔“

میں ان دونوں کو خدا حافظ کہہ کر خدمت ہو گئی۔ خرم بہت خوش تھا۔ شاید اس کے لیے کہ میرے کسی کام آیا تھا اس کے لیے یہ ایک بڑی بات تھی۔ کچھ بھی ہو۔ وہ میرے کام آیا تھا۔ میں نے اپنے دل میں یہ سوچ لیا تھا کہ میں اسے کوئی چھٹا شخص دے دوں گی۔

”جی ہاں جاب، پڑتے ہیں یا اندازہ نہیں ہوتا کہ خرم اس بیڑ میں کہاں ہوگا۔“

وہ میرے سامنے بھی نہیں آیا تھا۔ ایک بار میں نے اپنی ایک دوست سے اس کا ذکر کیا کہ وہ میری سرین ہوگی۔ ”شیراز آباد ایک خوبصورت جگہ ہے۔“ اس نے کہا۔ ”اس قسم کے لوگ جوتی ہوتے ہیں۔ وہ تیارے عشق میں جلا ہو گیا ہے۔“

”خبر ہے کہ تم اس کو کون سے تین دنوں میں دو تم کو تصانیف بھی پہنچا سکتا ہے۔“

”بھئی کسی رکسکا ہے۔“

”پڑیوں ڈارواری ہو گئے۔“ میں نے کہا۔

”ڈرا نہیں دی۔ خرم دار کر رہی ہوں۔“ میری دوست نے کہا۔

”تو خبر پتا ہو کیا کروں؟“

”اس کو کتنی سے نسخہ کر دو کہ وہ تمہارا پیچھا نہ کیا کرے۔“

”جی تو براہم ہے کہ وہ پیچھا بھی نہیں کرتا۔ میرا مطلب ہے کہ پیچھا کرتے ہوئے دکھائی نہیں دیتا۔ ہو سکتا ہے کہ جہاں میں ہوتی ہوں وہاں اس کے ارد گرد ہی مگھتا ہو لیکن سامنے نہیں آتا۔“

”بہت عجیب باتیں ہیں۔ بہر حال تم اس کی حوصلہ

افزائی مت کرو۔“

”میں کرواں گی۔“ وہ نے جان کا غلاب ہو جانے کا تم یہ کہہ رہی ہو کہ کبھی اس کی عمر بھی بہت کم ہے۔“

”اب بہت عمر ہے۔“ میں نے بتایا۔

”یہ تو اور بھی خراب بات ہے۔ اس عمر کے لوگ خرموں کے درمیان رہتے ہیں۔ نہ جانے کیا کیا سوچتے ہیں۔“

”جی نہ کیوں ان کو ان کی اپنی باتیں ہیں۔ اس نے خرم کو اپنا آپٹیل لیا تھا۔ کیا ہے کہ وہ تم کو کچھ نہیں کر سکا تو خود کو برباد کر دے گا۔“

میری دوست نے یہ سب بات کر کے پڑیاں کر دیا تھا۔ میں نے تو اس کو کونیں بلایا تھا۔ وہ تو خودی میرے پیچھے پر گیا تھا لیکن اس سے مجھے کوئی تصانیف بھی نہیں ہوا تھا بلکہ وہ تو ایک بار میرے کام بھی آیا تھا۔

”کی دن کر گئے۔ اس کے بارے میں کچھ باتیں چلاؤ۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے چارہ اہلکار سے بے باز گیا ہو یا۔“

”نہیں، وہ میرا کام ہو۔ بہر حال بات کچھ بھی ہو وہ عاقب ہو گا تو کیا تھا۔“

”لیکن ایک دن اچانک میرے موبائل پر کسی کا فون آیا۔ میں اسے طوط پر کسی کا معلوم نمبر کو انڈیکس کر رہی تھی۔ اس لیے میں نے اسے اگلے انداز کر دیا۔ بہت دیر بعد میری بات سے فون آیا یاں ہار میں نے نمبر انڈیکس کر لیا۔ ”ہیلو! میں نے پوچھا۔“

”میں ہوں خرم۔“

”دوسری طرف سے ایسی کی آواز آئی۔“

”آپ نے مجھے پچان لیا ہے نہیں؟“ میں نے کہا۔ ”تم کو میرا نمبر کہاں سے ملا؟“

”میں نے پوچھا۔“

”بڑی مشکلیں سے ملا ہے۔“ اس نے بتایا۔

”میری بہن جوتی میری کسی کو آپ سے بات کر دی۔ نہ جانے آپ کیا کہیں۔ لیکن ناراض نہ ہو جائیں۔ پھر ایک بات یہ کہ میں نے اس کے لیے اس میرا اپنا سوا بھی نہیں تھا۔ میں نے کچھ پیسے بھی کر کے گئے تھے۔ ان سے سوا بھی خرید کر لایا ہوں اور آپ سے بات کر رہا ہوں۔“

”اس کی سادگی پر اسوں کی بوریا تھا۔ ہے چارہ اپنے بارے میں بتا چکا تھا کہ ایک غریب آدمی ہے۔ اب صرف مجھ سے باتیں کرنے کے پھر میں سوا بھی بیٹ خرید کر لے گا تھا۔“

”میں اس سے کہا۔“ خرم ایسا کر دھم سے طوطہ تم سے کہہ گیا ہے۔“

دن کے کسی بھی ٹوٹے میں اور ملک بھر میں

# گہرے سہ

رہائے حاصل کیجیے

جاسوسی ڈائجسٹ، سائنس ڈائجسٹ

ماہنامہ پاکیزہ، ماہنامہ سگرز نش

آپ کا خاص سہ، دوں میں سرگرم رہتے روزانہ پڑھیں

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا ڈراما نامہ (شمارلے جزو 3 کا خرچ)

پاکستان کے کسی بھی شہر یا گاؤں سے ہے 900 روپے

اس کے علاوہ پاکستان بھر میں ہر روز کی اینڈرنگ کے لیے 10,000 روپے

پیشہ سب سے ہے 9,000 روپے

آپ ایک وقت میں کئی سال کے لیے ایک سے زائد رسالے کے فرماریں سکتے ہیں۔ رقم اپنی حساب سے ارسال کریں۔ ہم فوراً آپ کے دے ہوئے سے چرچہ روز جزو 3 کا رسالہ بھیجا شروع کر دیں گے۔

ہر پندرہ دن ایک بار ہر پندرہ دن ایک بار ہر پندرہ دن ایک بار

ہر دن ایک بار ہر دن ایک بار ہر دن ایک بار

3031-2454188 فون

0333-3285269 فون

جاسوسی ڈائجسٹ، پہلی کیشنز

033-33804300 فون

35804200-35804300 فون

# ماہنامہ

افت سراج اور شہرین صدر کے سلسلہ ناول کی نئی چڑھارے والی اقساط

حیا بخاری کے سلسلے وارثات..... محبت لفظ ہے لیکن..... میں دیکھیے کہ رنگارنگی کے حسن جوہر

ناہیدہ سلطانہ اختر کے مشق قلم کا نیا کارنامہ..... چاک چاک قیامت دے

فرحین اظفر..... عورت کہانی میں ایک نہایت حساس موضوع لیے حاضر ہیں

قرۃ العین زانیہ کا مکمل ادل..... شہر یار

گردار سازی اور روح کی ہائیر کی کاہتمام لیے

ذکیہ بلگرامی اور اختر شجاعت

کے ایمان افراد کا کم

شائستہ زریں نے مہمان بلا شہزادہ شیخہ اور ان کی مکمل ہم سفر کو

نور علی

ایہ تمام کاروں کی دل کو چھو جانے والی باتیں تحریر میں جس میں عقیدہ حق، طیبہ عنصر مغل، بشری سیال،

ہما بیگ، ماہ وش طالب، زہرت حسین ضیا، حرا قریشی، صفحہ آصف، دیگر مصنفات شامل ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ پستہ مسئلہ ملے ملے تکرار کرتے، دل موہنے والی شاعری، آدھورہ کہیں اور بہت کچھ

نہیں کیا۔ جب لاکھا۔ "پلو۔" میں نے اس کی طرف دیکھا۔ "تہیاری خواہی پوری ہونے کا دت ہو گیا ہے۔ چلتے ہیں یہاں سے مارکتے قریب ہی ہے۔" "تو میرا پانچ ہزار روپے دے دیں۔" میں نے اپنے بیک سے دس ہزار نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ "یہ دس ہزار۔" "میں دس ہزار دیکھ کر بولی۔" "میں تم جانتے ہوں کہ میرا اہلک کس شے سے ہے۔ یہ اخبار اور دی والے اٹنی پیڑی خبروں کی تلاش میں رہے ہیں۔ یہ کہاں بنانے میں دیر نہیں لگاتے۔ پانچ ہزار کی کار میرا لڑاؤ ہے۔ تم اسے دلوں سے میری کمون میں ہو۔ تم کو یہ اندازہ ہو گیا ہو گا کہ میرا سراج بہت ایک ہے۔ میں نے ہمیشہ خود کو بیا کر رکھا ہے۔ اس لیے میرا دل صاف ہے۔ میں کوئی اسکینڈل برداشت نہیں کر سکتی۔ میں تمہارے جذبے کی دگر کی ہوں گم کہ تم کو بہت سوچ کر قدم اٹھانا ہے۔ تم ابھی بہت کم عمر ہو۔۔۔ تم اپنی تعلیم کی طرف دھیان دو۔ بلکہ دنیا کو دگر اپنی تعلیم کے اخراجات بھم سے لے لیا کرو۔" "بیرس کی جھجک کے۔ کیوں کہ میں جان لگی ہوں کہ تم بہت اچھے اور بے درست ثابت ہو سکتے ہو۔ تم ہمیشہ اپنا دوست پاؤ گے۔"

اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ اس نے دھی لگا ہوں سے میری طرف دیکھا۔ "آپ کیا کھتی ہیں کہ میں نہیں کے لیے آپ کے ساتھ ہوں؟" "اسے نہیں تم نے کیے بھلا۔ میں تو ایک دوست کے ہاں کہہ رہی ہوں۔ کیا دوست کا فرض نہیں ہے کہ وہ دوست کی مدد کرے۔" اس کی آنکھیں مٹی مٹی۔ اس نے کچھ نہیں کہا۔ بہت دیر بعد وہ دیر سے بولا۔ "میں ٹھیک سے لکھن جو میں بولوں گا آپ کس دین دیں گی۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔" "میں چاہتا ہوں۔" میں ہنس دی۔ "پلو تمہاری یہ بات ان کی اب کہہ کر ضرورت ہے؟" "سوچتے ہیے کہ میں ایک اچھا سا جزا خیر سکوں۔" اس نے کہا۔ "میں انہیں اپنے ہیے نہیں۔ آپ کے لیے اور یہی ان احوال ہوں گے۔" "کیا بات ہوئی؟" "اں یہ میری خواہش ہے۔ کیا اسے پوری نہیں کر دیں گی؟" اس نے انداز سے بات کی کہ مجھ سے کچھ کہا

"میں اس کی دن مجھے یہ سوٹ پہن کر دکھا دیں۔ اس نے کہا۔ "میری خوشی کے لیے۔" "میں ہنس دی۔" "تم نے اتنی محبت سے سوٹ دلایا ہے کل۔" اسی رات سونان میں میں آ جاؤں گی۔" "میں اس شام میں ہی رہے سونان میں پہنچی تھی۔ میں نے اس کا دل رکھنے کے لیے وہ سوٹ پہن رکھا تھا۔ وہ پہلے سے انتظار کر رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر اتنا خوش ہوا کہ میں نہیں سکتی۔ اس کی خوشی اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہی تھی۔" میں ایک بار پھر دین کیوں گی کہ آخر کیا ہوا ہوا ہے؟ سب میں اس کے کیا کام آ سکتی گی۔ یاد میرے لیے کیا ثابت ہو سکتا ہو گا کبھی نہیں۔ ایک اور بہت کی بات یہ تھی کہ وہ اپنے ساتھ پانچ ہزار کی لے لیا تھا۔ جو اس نے میرے سامنے میرے خود رکھے تھے۔ "اسے یہ کیا۔" میں نے بہت سے پوچھا۔ "یہ وہ پانچ ہزار جو آپ نے کل مجھے بے چھے تھے۔" اس نے بتایا۔ "میرا ایک دوست ہے۔ اس نے لے کر آیا



محترمه عذرا رسول  
السلام علیکم

میں نے دستک پر کوئی توجہ نہیں دی۔

## ماہنامہ سرگزشت

فروری 2018ء

ماہنامہ سرگزشت

فروری 2018ء



ہوئے تھے۔ اس کی آنکھیں سفلوی میں چمکی رہی تھیں۔  
 کاؤن کی ہڈی بہت نمایاں ہو رہی تھیں۔ بہت تھوڑی آنکھ  
 تھی۔ اس کے باوجود وہ شجاعت ہی تھا۔ میں اسے بھولی میں  
 نہیں سکتی تھی۔ اس دوران تیز درد ہوا ایک مہینہ آگیا اور وہ  
 کاپ کر رہ گیا۔ احساس ہوا کہ اس نے جو کچھ سے پہلے  
 رکھتے تھے وہ ہوسم کے لیے پرکڑھیں تھے۔  
 میں ایک طرف ہٹ آئی۔ ”آؤ اگرا آ جاؤ۔“ میں  
 لے گیا۔

وہ اندھا گیا۔ برسوں کے بعد اسے دیکھ رہی تھی۔ میرا  
 خیال ہے کہ میں برسوں کے بعد اس کی طرف میںوں میں  
 صرف وہی نہیں بولا تھا بلکہ میں بھی بول چلی تھی۔ ایک زمانہ  
 تھا کہ میرے دنگ دروپ جا چکا ہوا تھا۔ خاندان اور  
 خاندان سے باہر کے جو ان مجھے اٹانے کی خواہش کرتے  
 تھے۔ وہ مجھ سے کہتے تھے کہ میں اس کے نصیب میں لگے دو  
 جاؤں۔ پھر میں شجاعت کے جسے میں اس کی۔

وہ ایک ستر تھا۔ ایک بڑی جہاز کا چٹان۔ میرے سر  
 والوں کو مجھانے کی کوشش کی کہ کس کولاری کے دے رہے ہو۔  
 یہ لوگ بہت بدعاشی ہوتے ہیں۔ دنیا بھر میں گھومتے رہتے  
 ہیں۔ میاں کی ان کی کس میں ہوتی ہے، وہ فریہ و دغیر۔ سب  
 سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ یہ لوگ گھروں میں تو بہت کئی  
 ہیں۔ چنے چنے، جام پور پر گھروں سے باہر سردوں میں ان کی

زندگی گزارنا ہے۔ وہ دغیر وہ فریہ۔  
 ان کی جرمست میں ہوتا ہے۔ وہ ہو کر ہوتا ہے۔  
 شجاعت سے میرا جڑا لکھا ہوا تھا۔ لہذا ہماری شادی ہو گئی۔  
 کیا اچھے دن تھے۔ اس زمانے میں شجاعت نے مجھ کو  
 چھٹی لے لی تھی۔ اس نے اپنی کچھ والوں کو کہہ دیا تھا کہ وہ  
 فی الحال اپنی اپنی کئی کو پھوڑ رکھیں جا سکیں۔

یہ شادی کے ایک ہفتہ بعد کرانے کا ایک  
 خوبصورت سا مکان لے لیا۔ ایک ہفتہ دو دن اس کی  
 مکان کو سجانے دے۔ فرخ پھر سے کہ کسب بچے۔ جب  
 تک باج کا گاڑی کے رکھیں میرے کہنے سے ملے جاتے۔  
 پھر رات کا کھانا کھیں باہر کھا کر واپس آتے۔ کیا اچھا  
 زندگی تھی۔ اس وقت احساس نہیں ہوا تھا۔ مجھے  
 احساس ان وقت ہوا۔ جب شجاعت کو کھینچنے سے کال آ گئی۔  
 اسے یہ قیمت پر درون جا تھا۔ وہ ویسے ہی اس کی چھٹیں ختم  
 ہو گئی تھی۔

وہ چلا گیا۔ میں اس دن بہت روٹی تھی۔ اسی نے

چھوٹی کچن کو میرے پاس بھیج دیا تھا تاکہ میں اکیلے درد  
 سکوں۔ خدا کا سکہ بھی زندہ دور نہیں تھا۔ اس لیے اس  
 کے آجانے سے دل بہکا رہا تھا۔ شجاعت تین مہینوں کے  
 لیے کھا تھا۔ تین مہینوں کے بعد جب واپس آیا تو ایک ماہ پر  
 زندگی واپس آ گئی۔

اس کے بعد وہ ایک اور لے دے رہے چلا گیا۔ اس  
 کے بعد اس کی واپس ہی نہیں ہوئی تھی۔ نہ جانے کہاں چلا  
 گیا تھا۔ شیک بکلی والے کچے کچے جہاز کو کوئی حادثہ پیش  
 آ گیا۔ بڑی خرافوں نے مجھے کو فریال، بنالیا ہے۔

اخبرام سے بھی خبریں آتی رہیں۔ اس کے بعد باکل  
 خاموشی چمکی۔ کوئی بات نہیں چلا۔

پھر جو چھ پر زردی ہے۔ اس کی کیا داستان بتائی  
 جائے۔ میں تو باکل پر راہ ہوئی تھی۔ ایک ایک دن میرے  
 لیے مذاک کا تھا۔ میں کہاں کہاں پہنچ رہی تھی۔ میرے سر  
 والوں کے ساتھ۔ ہذا سوال یہ تھا کہ میرا شجاعت واپس  
 نہیں آیا تو پھر میرا کیا ہو گا۔ میں کیا کھلا دی کی وجہ یا  
 شادی شدہ۔ میری ساتھی شجاعت کی ماں کی؟

جب اس بارے میں کیا کہتا ہے؟ میں نے شجاعت  
 کو کسٹ کرنے میں کیا چھن نہیں کیا۔ یہ میرا دل ہی جانتا  
 ہے۔

اس کی گزر گئے۔ میں نے شجاعت سے مانجس ہو

کر کیا جبکہ جاب کی گئی کی یاد نہ تھی میری۔  
 انھوں نے کسٹ کی تھی۔ گھر والے کہہ کر تھک کر جب  
 اس کی راہ دیکھو، شادی کرو، اگر کو تو عاقلی سے فزی  
 لے لیا جائے۔ فزی میں لے لیا گیا۔ یہ ایک سستی سیالہ  
 تھا۔ کیا ایسے تھے۔ جن کے یہاں اگر شجر ہزار سال کے  
 عاقبہ ہے تو اس کے بعد عورت اپنی مدت مکمل کر کے

کٹا کر کھتی ہے۔  
 نہیں اس کے لیے کئی شرعی عدالت وغیرہ کی اجازت  
 ضروری ہوئی۔

میں نے پوری طرح کو کوشش کی شجاعت کا سراغ  
 مل جائے۔ شیک بکلی والوں نے بتا کر کہ لوگ مل گئے  
 ہیں۔ جن کو ایک کشتی کے ذریعے ایک جزیرہ میں پناہ ملی  
 تھی لیکن ان میں شجاعت شامل نہیں تھا۔

کچھ تک خبر نہ گئی کہ کڑی جا سکتی تھی۔ ہاتھ ٹکھر  
 والوں نے میری زندگی ظفر سے کر دی۔  
 شادی کے بعد ظفر کمال کے آدمی ثابت ہوئے۔

انہوں نے میرے دل سے شجاعت کی یاد بٹا دی۔ اتنی  
 محبت کی کہ میں بتا نہیں سکتی۔ بہت ہی وسیع دل کے انسان  
 تھے۔ ان کا یہ کہنا تھا کہ اگر تم شجاعت کو یاد رکھیں تو ہوا میں  
 کوئی عداوتی نہیں ہے۔ بلکہ یہ تین لغت ہے۔ جس کے  
 ساتھ ایک وقت گزارا ہو۔ اس کو ایک ہی دے اپنے ذہن  
 سے بھگ دیا آسان نہیں ہوتا۔ میں بھی یہی کہا کرتی۔  
 ”ظفر غلط کر رہا۔ اگر کسی دن شجاعت سے ملے آئیں تو تمہارا کیا  
 رویہ ہو گا؟“

”اس سوال کا جواب دینا بہت مشکل ہے۔“ ظفر کہا  
 کرتے۔ ”لیکن ان ضرور ہے کہ میں نے بھی تم سے بہت  
 محبت کی ہے۔“

میں اس کو چپ ہو جاتی۔ دن پر دن۔ سینے پر سینے  
 گزرتے چلے گئے؟ سال پر سال، اوپر سے چڑھ رہی۔ پھر  
 میں سال۔ اسے پھر سارے دن تو نہیں ہوتے۔ جوت  
 ختم ہو جاتی ہے۔ ”مجھ سے بھی جانی ہو۔ میں سوچی کھاس  
 کی طرح ہو جاتی ہیں۔ چہرے کی تازگی اور شادابی نہیں کم  
 ہو جاتی ہے۔ اور اس وقت اگر کوئی اچھا کہہ آئے تو کیا ہوتا  
 ہے۔“ یہ تو بھلا کہ ایک گھر چھڑا محبوب..... اتفاقاً کار  
 ٹی جاتا ہے کیا کہتے ہیں؟“

میں میرے ساتھ ہوا۔ شجاعت کی واپس میرے لیے  
 قیامت دار واپس گئی۔ میں نے انھیں ڈھنگ دم میں بیٹھا  
 دیکھ دیکھ کر سے کہ میں جا کر روئے گی۔ ان کی آمد  
 ایک خوشی کی خوشی۔ ان خدا جانے یہ عرفان کس کس کو، اپنے  
 ساتھ اڑا کر لے جائے آگیا تھا۔

مجھ پر بعد میں اپنے آپ پر قابو پا کر ڈھنگ دم  
 میں واپس آ گئی۔ شجاعت خاموش بیٹھے تھے، کس خیال میں  
 کہ۔

میں لیکن تھا کہ جو کچھ میری گزر گئی تھی۔ اس سے کہیں  
 زیادہ ان پر گزر رہی ہو۔ ان کی حالت تاریکی کی کہ انہوں  
 نے بہت برسوں گزارا ہے ہیں۔ زندگی ان کے لیے بہت  
 سخت رہی ہے۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے سامنے بالکل  
 خاموش بیٹھے تھے۔ ہمارے پاس شاید کچے کچے ہو نہیں  
 رہا تھا۔ وہ دیکھ نہ پاتا تھا کہ جب ہم ایک ساتھ بیٹھے تو میں  
 ایک باتوں سے ان کا دل مٹا جاتا تھی۔

”جب بعد شجاعت سے کہا۔“ ”نیمسا کسی ہوسم؟“  
 ”میں تمہارے سامنے ہوں۔“ میں دوسرے سے  
 بولی۔ ”نزدہ ہوں اور کیا چاہیے؟“

”نیمسا زندگی کیا ہے کیا ہو گئی ہے۔“ اس نے کہا۔  
 ”میرے تو ہم دو گناں ہیں مگر میں تھا کہ میں اس طرح ایک  
 دوسرے سے چمک رہا تھا۔“  
 ”میں شجاعت!“ میں نے اس کی ہانت کاٹ دی۔  
 ”ہم نے جو زندگی گزار دی ہے اسے ایک خواب سمجھ کر بھول  
 جاؤ۔ جو کچھ ہو چکا وہ اب واپس نہیں آ سکتا۔ میں اب کسی  
 اور کی ہو چکی ہوں۔ ظفر بھی اچھے ہیں۔ بہت چارہ کرنے  
 والے۔ اب تم میری زندگی میں کچھل جائے کیوں آگئے  
 ہو؟“

وہ خاموش رہا۔ پھر سوچ رہا ہو کہ میری بات کا کیا  
 جواب دے۔ پھر مجھ پر اب اس نے کہا۔ ”نیمسا میرے  
 ساتھ جو گزری ہے۔ وہ میں بتا نہیں سکتا۔“

”اب میں سننا بھی نہیں چاہتی۔ تم آگئے ہو تو کم  
 دیکھ لیا۔ میرے لیے بہت کچھ ہے۔“ ظفر دھوکا کھان  
 دے کہ میں چلے جائے۔

ابھی میں نے کہا ہی تھا کہ دروازے کی کھنک بج رہی۔  
 میرے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔ ظفر واپس آ گئے تھے۔  
 میں اب کیا کہتی؟ یاد، میں کس مشکل میں پر تھی تھی۔ کاش  
 میں شجاعت کے لیے دروازہ کھولا ہی نہ ہوتا۔ یا پھر  
 اسے دروازے سے رخصت کر دیا ہوتا۔ اندر لانے کی کیا  
 ضرورت تھی۔

میں نے گھبرا کر شجاعت کی طرف دیکھا۔ وہ اپنی جگہ  
 کھنک کی طرح بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر کئی قسم  
 کے تاثرات تھے۔ کھنک بھرنا آگئی۔ اب وہ کرنا  
 مناسب نہیں تھا۔

میں نے شجاعت سے کہا۔ ”ظفر واپس آگئے ہیں۔  
 میں دروازہ کھولنے جا رہی ہوں۔ تم اس کے کئی کہنا نہ بنا  
 دینا۔“

ظفر کو بتا دیا۔  
 تیسری بار بھی کھنک تھی۔ میں نے جا کر دروازہ کھول  
 دیا۔ ظفر کھڑے تھے۔

”ظفر تم تو ہے جان۔“ ظفر نے کہا۔ ”دروازہ  
 کھولنے میں اتنی دیر لگی۔“  
 وہ اندر آگئے۔ شجاعت کرسی پر بیٹھا۔ ظفر اس کے  
 سامنے جا کر بیٹھ گئے۔ ان کے ہاتھ میں ایک شاعر تھا۔  
 انہوں نے وہ شاعر میری طرف بڑھا دیا۔ ”یو بھی  
 تمہاری دوا دیکھ لیتا آ جاؤں۔“  
 میں باپوں کی طرح ان کو دیکھ جا رہی تھی۔ کیا

ہور ہوا تھا یہ سب۔ وہ شجاعت کا لٹری کیوں نہیں لے رہے تھے۔ جیسے اس کا کوئی وجہ نہ ہو۔ نہ وہ۔ میں نے شجاعت کی طرف دیکھا۔ وہاں جگہ خاموش بیٹھے تھے۔ پھر شجاعت کو کوئی اجبت نہیں ہوئی۔

میرا حال کیا تھا۔ میں تاجن کی تھی۔  
 ”میں نہیں ہوں جا رہا ہوں۔“ غفر نے کہا۔ ”تم میرے لیے جا بنا دو۔“

وہ اظہار کی تھی اور میں ہٹ پڑی۔ ”شجاعت خدا کے لیے آپ چلے جائیں۔ نہ جائے کیوں ظفر خاموش بیٹا۔“ انجان بنے ہوئے ہیں۔ لیکن کب تک..... چلے جائیں۔

واقعی میں ظفر بھی کسی کام سے اور انگ دردم میں آگئے۔ ”اے بھائی کیا ہوا تم سے باتیں کر رہی ہو؟“ غفر نے پوچھا۔

”ظفر..... میں نے نہ کئی کی طرف اشارہ کیا۔“ یہ آگے تھے جو میں نے انہیں چھپایا تھا۔ ”ظفر..... تم سے؟“ اس کو کہہ رہی ہو۔

اور اس وقت میں ایک شاگ سا لگا۔ ظفر کا لہجہ ایسا نہیں تھا جیسے وہ مانتی کر رہے ہوں۔ ”ڈاکٹر کر رہے ہوں۔“

یا کوئی اور بات ہو۔ ان کا لہجہ یہ تھا کہ انہیں واقعی شجاعت دکھائی نہیں دے رہے۔ خدا جانے یہ کیا جا رہا تھا؟ میں نے مزید تردد نہ کیے لیے پوچھا۔ ”ظفر کیا ہو گیا ہے؟“

آپ کو کیا کہی؟ پر کوئی نظر نہیں آ رہا ہے؟  
 ”نیلما۔ میرا خیال ہے کہ تم کو آرام کی ضرورت ہے۔“ ظفر نے کہا۔ ”کسی پر کوئی ہوتو ظفر آئے؟ کسی کو خالی ہے۔“

اور اس نے بتا چلا کہ ظفر کا گھر ہے۔ انہیں کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ کوئی نہیں تھا وہاں۔ لیکن جو کچھ میں دیکھا وہ کیا تھا۔ کھلون میرے سامنے آ گیا تھا۔ میں نے اس سے باتیں کی تھیں۔ کیا تھا یہ سب۔

میرا سر پکڑنے لگا تھا۔ میں سو نے پر ڈھنگی ظفر میرے لیے گلاس میں پانی لے کر آگئے۔ ”لو پانی لو۔“

سب ٹھیک۔ وہ جانے گا سٹون لگا جائے گا۔  
 میں پانی کی ظفر کی طرف دیکھنے لگی۔ کسی حد تک میری طبیعت ٹھیک تھی۔ ظفر بھی میرے پاس بیٹھ گئے۔  
 ”ہاں۔ سب بتاؤ کیا دیکھا تم سے کسی کو دیکھا تھا؟“

”شجاعت کی۔“ میں نے بتایا۔  
 ”شجاعت کی؟ وہ کئی تیراں رہے تھے۔“ کیا کہہ رہی ہو۔ اس شجاعت کی بات کر رہی ہو؟ اپنے ساتھ شو پر کی؟  
 ”ہاں۔“ اس وقت سے۔ بہت خستہ حالت کی ان کی۔

وہ دروازے پر دستک دے رہے تھے۔ میں نے دروازہ کھولا تو اندر چلے گئے۔ سامنے والے سو نے پر بیٹھ گئے۔ جب آپ آئے تو اس وقت بھی وہ بیٹھے ہوئے تھے۔ لیکن آپ نے دیکھا کیوں نہیں۔

”نیلما۔ جب میں اندر آیا تو کوئی نہیں تھا۔“ ظفر نے کہا۔ ”تم کسی کر کی بات کر رہی ہو۔ اس پر کوئی بھی نہیں تھا۔ بالکل خالی تھی۔“

ظفر کی کیا ہے؟ کیوں تھا۔ اگر یہ وہ تھا تو وہم واقعی بھی ہو سکتا ہے۔ اتنا مبالغہ تو دیکھو؟  
 اس رات ظفر نے زبردستی مجھے سو نے پر بچھ کر دیا۔

دوسرے دن تو ساری رات میں بیٹھی سوئی واقعی کہ یہ سب کیا تھا کیا میں پاگل ہوئی تھی۔ دوسرے دن جب ظفر دفتر جانے لگے تو میں ان کی روک دیا۔ ”میں ظفر آج آپ نہ جائیں۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔“

”نیلما۔ اگر اس طرح رہیں تو اپنے آپ کو پریشان کر رہی رہو گی۔ جو کچھ ہوا ہے اسے قبول کرنا۔ چلو آج دفتر نہیں جاؤ۔ چلو اندر چلے جائیں۔“

اس دن میں وہاں بھر پور سے باہر سے۔ شام کے وقت ہم نے ایک ہول میں ٹھکانا کیا تھا۔ رات کو ہم وہاں آئے تو میری طبیعت میں کچھ کمی تھی۔ اس لیے سوئے ڈبل ہو گیا تھا۔

ایک پلٹے تک کچھ کی باتیں ہوئی۔ ایک پلٹے کے بعد میں شجاعت کو کھول بھی گئی تو پھر وہی سب کچھ ہوا۔ اس بار بھی دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے دروازہ کھولا تو شجاعت کمرے سے۔ ان کا کوئی حال تھا۔ جو میں پہلے دیکھ چکی تھی۔

اس بار ایک دہشت کی غازی ہوئی۔ میں نے کچھ نہیں آئی۔ خوف خاموشی ہورہا تھا۔ اگر یہ حقیقت تھی تو پھر اس کی حقیقت صرف میرے لیے کہی گئی۔ شجاعت ظفر کو نظر نہیں آتے تھے؟

میں نے گھر کا دروازہ بند کرنا چاہا تو شجاعت ہول پڑے۔ ”نیلما کیا ہوا ہے تمہیں؟ کیا تم نے مجھے بچایا نہیں؟“

”وہی آزاد نہ ہو۔ وہی سب کچھ تو پھر کیا تھا؟“  
 ”سب؟ تو ہو سکتا تھا کہ ظفر کی مصلحت سے کام لے رہے تھے؟“

ہوں۔ اسی لیے انہوں نے یہ بخا کر کیا ہو کوئی بھی سامنے نہیں ہے۔ میں یا تو خواب دیکھ رہی ہوں یا پھر مجھے کوئی دہم ہوا ہے۔

شاید ہی قسم کی بات ہوئی۔ میں نے دھجے سے کہا۔ ”شجاعت۔“ یہ بتائیں۔ آپ کا وجہ ہے یا کوئی خواب ہے؟“

”کیسے بات کرتی ہوں۔ میں زندہ تو ہمارے سامنے کھڑا ہوں۔ کیا تم میرے وجود سے انکار کر رہی ہو؟ جانتی ہوں۔“

نے کل سے مجھ کو کھانا بننے لگے تھے۔ کچھ بھلا ہوا تھا۔ اور اس وقت میں بھی گئی۔ یہ خدا۔ شجاعت بھوکے ہیں۔ کیا حالت ہوئی ان کی۔ اور میں اپنے گھر میں ڈاکٹر کی فکرتوں کے ساتھ وہ رہی ہوں۔

”تم نہیں شجاعت۔“ اندر آ جائیں۔ ”میں نے کہا۔ میں ایک طرف ہٹ گئی۔ وہ پہلے کی طرح اندر آگئے۔

ان کو مجھے معلوم تھا کہ کس سو نے پر بیٹھا ہے۔ وہ اسی سو نے پر بیٹھ گئے جس نے بیٹھے تھے۔  
 ”میں نے آج ہونڈی کا سامان بنایا ہے۔ آپ تو بہت شوق سے کھا تے تھے؟“

”ہاں۔ ہاں۔ بہت خوش سے اور ہاں۔ اس کے ساتھ چاروں بھی ساتے ہوں گے۔“

”ہاں۔ ہاں۔ بس آپ دھن دھن نہیں۔ میں ابھی لے کر آتی ہوں۔“ میں نے کہا۔

میں جیسے فرسے لے کر آئی تو شجاعت اندر سے بھی کھانے دیکھ رہے تھے۔ میری آہستہ کی میری طرف دیکھا۔ ”نیلما۔ یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کرتے نہ ابھی تک ان کتوں کو کویت کرکھا ہے جو میں پر حاکم کرتا تھا۔“

”ہاں۔ میں انہیں ہمیشہ شہیل کر رہی ہوں۔“ میں نے فرسے پڑھ کر دیکھی تھی۔ ”کیسے کھا میں۔“

شجاعت کھانے لگے۔ پھر اڑے پر وہ اپنی عادت کے مطابق ترف کھاتے جا رہے تھے۔ ”مزہ آ گیا۔ اتنی مدت کے بعد کھانا کھانا ملا۔ اور وہ دیکھا تھا میرے انہوں کا۔ اور کیا ہے؟“

میرے آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ ”شجاعت۔ آپ کہاں چلے گئے تھے؟ میں نے پوچھا۔ ”شاید آپ کا زمانہ وہ کرسمس آپ کی تلاش میں کیا میں نہیں کیا۔“

”معاذہ ہے مجھے۔“ شجاعت نے کہا۔ ”اس لیے تو داپہں آگئی ہوں۔“

تاکہیں کیوں۔ اس دن بہت خوشی کی محسوس ہو رہی تھی۔ حالانکہ ظفر کا خیال بھی آ رہا تھا۔ لیکن شجاعت کی موجودگی نے ایک عجیب سا ماحول بنا دیا تھا۔ میں نے اپنے گھر کی طرف دیکھا۔ وہاں جگہ خاموش بیٹھے تھے۔ پھر شجاعت کو کوئی اجبت نہیں ہوئی۔

میرا حال کیا تھا۔ میں تاجن کی تھی۔  
 ”میں نہیں ہوں جا رہا ہوں۔“ غفر نے کہا۔ ”تم میرے لیے جا بنا دو۔“

وہ اظہار کی تھی اور میں ہٹ پڑی۔ ”شجاعت خدا کے لیے آپ چلے جائیں۔ نہ جائے کیوں ظفر خاموش بیٹا۔“ انجان بنے ہوئے ہیں۔ لیکن کب تک..... چلے جائیں۔

واقعی میں ظفر بھی کسی کام سے اور انگ دردم میں آگئے۔ ”اے بھائی کیا ہوا تم سے باتیں کر رہی ہو؟“ غفر نے پوچھا۔

”ظفر..... میں نے نہ کئی کی طرف اشارہ کیا۔“ یہ آگے تھے جو میں نے انہیں چھپایا تھا۔ ”ظفر..... تم سے؟“ اس کو کہہ رہی ہو۔

اور اس وقت میں ایک شاگ سا لگا۔ ظفر کا لہجہ ایسا نہیں تھا جیسے وہ مانتی کر رہے ہوں۔ ”ڈاکٹر کر رہے ہوں۔“

یا کوئی اور بات ہو۔ ان کا لہجہ یہ تھا کہ انہیں واقعی شجاعت دکھائی نہیں دے رہے۔ خدا جانے یہ کیا جا رہا تھا؟ میں نے مزید تردد نہ کیے لیے پوچھا۔ ”ظفر کیا ہو گیا ہے؟“

آپ کو کیا کہی؟ پر کوئی نظر نہیں آ رہا ہے؟  
 ”نیلما۔ میرا خیال ہے کہ تم کو آرام کی ضرورت ہے۔“ ظفر نے کہا۔ ”کسی پر کوئی ہوتو ظفر آئے؟ کسی کو خالی ہے۔“

اور اس نے بتا چلا کہ ظفر کا گھر ہے۔ انہیں کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ کوئی نہیں تھا وہاں۔ لیکن جو کچھ میں دیکھا وہ کیا تھا۔ کھلون میرے سامنے آ گیا تھا۔ میں نے اس سے باتیں کی تھیں۔ کیا تھا یہ سب۔

میرا سر پکڑنے لگا تھا۔ میں سو نے پر ڈھنگی ظفر میرے لیے گلاس میں پانی لے کر آگئے۔ ”لو پانی لو۔“

سب ٹھیک۔ وہ جانے گا سٹون لگا جائے گا۔  
 میں پانی کی ظفر کی طرف دیکھنے لگی۔ کسی حد تک میری طبیعت ٹھیک تھی۔ ظفر بھی میرے پاس بیٹھ گئے۔  
 ”ہاں۔ سب بتاؤ کیا دیکھا تم سے کسی کو دیکھا تھا؟“

”شجاعت کی۔“ میں نے بتایا۔  
 ”شجاعت کی؟ وہ کئی تیراں رہے تھے۔“ کیا کہہ رہی ہو۔ اس شجاعت کی بات کر رہی ہو؟ اپنے ساتھ شو پر کی؟  
 ”ہاں۔“ اس وقت سے۔ بہت خستہ حالت کی ان کی۔

وہ دروازے پر دستک دے رہے تھے۔ میں نے دروازہ کھولا تو اندر چلے گئے۔ سامنے والے سو نے پر بیٹھ گئے۔ جب آپ آئے تو اس وقت بھی وہ بیٹھے ہوئے تھے۔ لیکن آپ نے دیکھا کیوں نہیں۔

”نیلما۔ جب میں اندر آیا تو کوئی نہیں تھا۔“ ظفر نے کہا۔ ”تم کسی کر کی بات کر رہی ہو۔ اس پر کوئی بھی نہیں تھا۔ بالکل خالی تھی۔“

حالت میں سامنے آتے ہیں۔ ان سے باہم ہوتی ہیں۔“  
اور میں پاکی ہوتی جا رہی ہوں۔ باتو جرمو کش دیکھ  
رہی ہوں وہ ج ہے پھر بات ہوگا اور ہے۔  
”میرا ذہن اس سے کہ نہیں کی سنا کا ٹھٹ سے پاس  
لے چلوں۔“ ظفر نے کہا۔ ”اگر یہ کسی قسم کا دم سے تو کل  
جانے گا۔“  
سنا کا ٹھٹ سے تفصیلی منتقلی کے بعد تاپا کر میں  
باتو کی کمر بند ہوں۔  
”لیکن ڈاکٹر صاحب، مجھے تو شجاعت سامنے نظر آتے  
ہیں۔“ میں نے کہا۔  
”جی ہاں، یہی ہی ہوتا ہے۔ اسے optical  
illusion کہا جاتا ہے۔ اس میں کسی ہوتا ہے جیسے وہ درکار  
سامنے آکر کھڑا دکھائی دے اور جب یہ کیفیت بڑھ جائے تو ...  
ظفر کا جواب یہ ہے۔“  
اس کے بعد میرے ہوا کر سنا کا ٹھٹ سے لے کر میں کہی۔  
سنا کا ٹھٹ میں اس طرح کا علاج کس طرح  
کیا گیا لیکن اس تمام مرحلے میں مجھے یہ احساس ہو گیا کہ ظفر کو  
مجھ سے کتنی محبت ہے۔

وہ میری اس آواز کو گئی تپا کر سے بہت پریشان تھے۔ اس  
کا اپنے طور پر انہوں نے ایک علاج تلاش کر لیا۔ حالانکہ اب  
شجاعت میرے سامنے نہیں آتے تھے۔ اس کے باوجود ظفر یہ  
چاہتے تھے مجھے کل سکون حاصل ہو جائے۔  
ایک دن وہ مجھے اپنے ساتھ شجاعت کے کمرے لے آئے۔  
میرے خدائے تھے بریں کے بعد اس کمرے میں آئی تھی۔ جو  
میری میری سرال ہوا کرتی تھی۔ نہ جانے ظفر کے ذہن میں  
کیا تھا۔ میں نے بھی ہانکھیں کہا۔  
شجاعت کی اسی بڑے ٹھٹوں سے ٹھٹیں۔ بہت دور تک  
ہم دوڑتے رہے تھے۔ نہ جانے کہاں کہاں کی باتیں یاد آ رہی  
تھیں۔

باتوں کے دوران شجاعت کی اسی نے کہا۔ ”چٹا درساں  
ہوئے۔ میرے بیٹے کی لاش ملی تھی۔ اس کو کتنے سال پہلے انہا  
کر لیا گیا تھا۔ وہ اتنے برس تک زندہ تھا لیکن مردوں سے  
بدتر حال کے بعد اس کو مار دیا گیا۔ کیوں کہ وہ اب انکارنے  
والوں کے کام میں نہیں رہا تھا۔“  
میں سمجھنے کے عالم میں یہ سب نہ دیکھتی تھی۔  
آئی یہ باتیں کی کہ شجاعت کو کیوں اغوا کیا گیا تھا؟  
ظفر نے یہ چہا۔

”چٹا درساں جگل میں کڑیاں کھواتے تھے۔ جن کو کھانا  
کیا جاتا تھا۔ وہ دو گنا کھاتے جیسے تھے۔ لیکن ان کو کھانا  
دیں جگل میں دفن کر دیا جاتا۔“  
”کس ملک کی بات ہے؟“  
”کینیڈا کی۔ میرا بیٹا کینیڈا میں تھا۔ جب اس کو کھانا  
لایا گیا۔ لیکن وہ بڑا کھانا تھا۔ اسی لیے اس سے کڑیاں تو کھیں  
کھواتے تھے لیکن کھانا کھانے کے کام پر لگا دیا تھا۔ میرا بیٹا  
کھی ..... برسوں تک ان خاتون کی قید میں رہا ہے۔ پھر  
جب اس کی صحت جواب دے گئی۔ وہ کسی کام کا نہیں رہا۔ سو  
اسے کھانا کر دیا گیا۔ پھر یہ ہوا کہ کھانا بڑا کھانا  
کر لیا تو بولے اور میرے بیٹے کی لاش ملی تھی۔ ٹینگ کھانے کے  
دفتر والوں نے تاپا کر یہ کہنا ہے اور کہاں کا ہے۔ اس طرح  
اس کی لاش یہاں لائی گئی۔ اور ہم تو ایک ایک ایسے جرم سے  
میں رہے۔“ وہ روئے گئی میرا۔  
خدا یاد ہے میرے شجاعت کے ساتھ یہ سب ہوا تھا۔  
سنی لکھنئیں اٹھائی تھیں انہوں نے اور ہم پناہ میں کیا کیا کھتے  
رہے تھے۔  
”کوئی۔“ ہم ان کی قبر پر جانا چاہتے ہیں۔“ ظفر نے  
کہا۔  
”کیوں نہیں جاتا۔ چلوں میں تپا کر رہی ہوں۔“  
میں جیسے ایک خواب کے عالم میں تپا کر رہی تھی۔  
شجاعت کی قبر میرے سامنے تھی۔ وہ شجاعت جو کسی میرے  
خود رہ کر تھے۔ وہ شجاعت جن سے میں نے محبت کی تھی۔  
جن کے ساتھ درساںوں مجھے خوف دیکھے تھے۔ ان کو کسی  
بے پرواہی کی موت ملی تھی۔  
ظفر اور شجاعت کی اسی فاتح خوانی کرتے رہے۔ جبکہ  
میرے تو ہرگز شک تھے۔ کیا کتنی کیا پرستی۔  
بہر حال ہم واپس آ گئے۔ اس کے بعد یہ ہوا کہ  
شجاعت میرے سامنے نہیں آئے۔ میں نے ان کو کھی  
نہیں دیکھا۔ میرا وہ optical illusion ختم ہو  
چکا تھا۔  
بعد میں ظفر نے تاپا کر انہوں نے جو کچھ کیا وہ  
میرے علاج کا حصہ تھا۔  
جب وہ کسی کے نہ ہونے کا یقین آجائے تو پھر اور  
جاتا ہے۔ قرار اور خیر میرے کئی کیا ہے لیکن کیا خوشی آج  
کھی ہوئی ہے کہ کئی۔ کاش یہ سب کوئی داکٹر نہیں ہوتا۔

ہوں اور آج ایک بار میرے پڑھنے بیٹھی ہوں۔ لاش کی کے پتلے  
مٹنے پر ”میرا خیر جل رہا ہے۔“ کھانا نظر آ رہا ہے۔ میں نے گہری  
سانس لی اور دردی ٹپٹ رہی۔  
اچانک زور سے ہڈوں کرے، بکلیں آسمان پر دوڑ

## ظلمِ شب

محترم مدیر اعلیٰ  
السلام علیکم

برصغیر کے مسلمانوں نے ہندو بنیوں کو مسترد کر کے  
آزاد وطن کا نعرہ لگایا اور ایک آزاد وطن حاصل کر لیا۔  
شب قدر کو ہمیں پاکستان مل گیا لیکن ریڈ کلف نے جو  
حد بندی منظور کی وہ ایسی تھی کہ جیسے مسلمانوں  
سے بدلہ لیا گیا ہو۔ ایسے ہی شعاع علاقے جو مسلم  
اکثریتی تھے اسے چھین لیا۔ مشرقی پنجاب جو بیا مشرقی  
بھنگال پر جگہ دغا ہوا۔ بڑے دھوکے دو ہیں ایک جو ناگزہ  
اور دوسرا کشمیر۔ کشمیر جو مسلم اکثریتی علاقہ تھا  
لیکن اسے ہندوستان کی کچھولی میں ڈال دیا گیا۔ وہاں  
کے غیور مسلمانوں نے اس ظلم پر احتجاج کیا جو آج تک  
جاری ہے۔ ہمارے بہادر کشمیری مسلمان کس طرح طوق  
غلامی اتار پھینکنے کی کوشش میں ہیں اس کا ہلکا سا  
عکس حاضر ہے۔

اعجاز احمد راحیل  
(ساہیوال)











سے کہ لیا ہمارا۔ پھر جب وہ اس سنان مقام پر پہنچا تو اس نے کہا: ”ایسا سب سب نہ رہا ہے کہ جہز سے وہاں بیٹھ کر بائیں ہو گئی۔“

پھر اس نے دروازے سے چپ مرک سے نیچے اتر کر روک لینے کو کہا اور دوا کا طرف سے آیا۔ وہاں اس نے بتایا کہ کہ اس کا چھوڑنا تھا۔

دوا کا یہ سب بتا کر وہ بھی، پھر بولی: ”جینے خبریہ وقت وہاں آگے دوڑو۔ میں نے میری عزت کوٹ کر بیٹھا دیا۔“

اس نے اسے سینے سے لگا لیا۔ یہ حقیقت ہے کہ عورت ہی عورت کا درد دیتی ہے۔

مگر کچھ دیر بائیں کر کے رہے۔ پھر اماں کسانے کی تیاری کرنے لگی۔

فیضو اماں نے دوا سے کہا کہ اگر وہ درد جانا چاہے تو جہاں کے چھوڑ دیں گے۔ اگر تیار رہتا ہے تو جب تک دل چاہے رہ سکتی ہے۔

دوا کا دل دنگ لکھ میں جواب دیا: ”دادا کی بیٹھی بھگوان کے بعد آپ لوگوں پر دشواری ہے۔ میں اب آپ کے پاس رہوں گی۔“

اسی اثنا میں اماں نے کہا نا تالیا۔ کیم سب نے اگلے بیٹھ کر کہا تھا کہ اماں کے بعد میں کچھ آرام کر کے لیے لیٹ گیا۔ دو بار دوسری آنکھ مغرب کے وقت کھلی گئی۔

میں نے نماز ادا کی اور فیضو اماں کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ اماں پھر دوا سے دھکا دیا اور تھا۔ پھر دوا میرا چھوٹا تھا۔

”کھانا ہے آج پرش ہوگی۔“ انہوں نے دروازے سے نظر آنے والے اماں کی طرف دیکھا۔ پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولے: ”علی ایسی کبھی نہیں آیا۔ اللہ جرحہ سے۔“

”اباؤ پرش نہیں ہے۔ آپ آکر فرما لیا کریں۔“ میں نے مسترا سے بولے۔

”جینے خبریہ بھاری دوسرے دوا کی میں جیسا کہ اوپر دن کا کھیل، کھیل رہی ہیں۔ ان کی نظر میں مرد و عورت، جوان، بوڑھے اور بچے برابر ہیں۔“

فیضو بڑی بات بات بائیں گئی تھی میرے ذہن میں شکرات کے دانگ جیسا پھول سے سرمائے لگے۔ میں جانتا تھا کہ درخش او اس کے سامنے کی ڈھنڈا پڑی تھی تو بھاری بھیرے جیسا کچھ جگہ جگہ کے، شاید لائیں کچھ ڈھنڈ

نگاہیں۔ اس صورت میں کسی کاں کے ساتھ جانا جیتنا خطرے سے خالی نہ تھا۔

ابھی میں کھلی سوچ رہا تھا کہ سانسے کچھ غری پر اک سانسے سا آنا دوسرا دل۔ وہاں علی قاجو لیے لیے ڈگ بھرتا ہوا جھوپڑی میں داخل ہو گیا۔

”جینے بہت دور کر دی۔ ہم پریشان ہو گئے تھے۔“ فیضو بااے شفقت کے کچھ کہنے لگا۔

”ابا مشکل ہے جان چو کر آیا ہوں۔“ اس نے سورا سلف کا ٹھہرا رکھے ہوئے کہا: ”جب میں دہان پر آ رہا ہوں آری کے دوڑ کر اور ایک جیسا جب اس جگہ کھڑی تھی جہاں ہم نے دوا کا کدو کھا تھا تو وہی، وہاں سے گزرنے والوں پر ہے انجانہ دکر ہے تھے وہ دکر لکھے سے لاکھ کی آوازوں میں کئی گنا کی دے رہی تھی۔ میں لگتا ہے ان دعوں نے اس کا کدو دیکھ لیا۔ میں پہلاؤں میں جہاں جہاں تیار ہیں ہاتھ ہوں۔“

”خوہا کہ دھکا ہانے گا۔“ پھر کیف اعتقاد ضروری ہے۔ تم دونوں کو کھا کھا کر اس کے بعد دوا کو کھا کر اس کے پہلاؤں والے غار میں لگتا ہے۔“

”ابا چاہا ٹھیک ہے۔“ علی نے مسلمان میں سے دوا کی نکالنے سے بولے۔

اسی اثنا میں اماں اور دوا نے کہا تیار کر لیا۔ کہ کھانا کھانے کے کھانا سے غرافت کے بعد میں دوسری جھوپڑی میں چلا گیا۔ جب دوا ہی آیا تو اس کے ہاتھ میں دیش کے ساکنوں میں داخل ہوئی۔ بائی اسکاں سے کچلے کے کچلے تھیلے میں ڈال کر کندھے سے لٹکا ہوا تھا۔

”جینے خبریہ بات چنا ہے۔“ میں کھڑا ہوا اور دوا کا بھی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

”ابا چاہا ہم چلے ہیں۔“

مگر کہ میں جھوپڑی کے دروازے کی طرف بڑھا دوں میں میرے پیچھے نہ پڑے۔

ابھی میں باہر نکلے گا تھی کہ دیش کی طرف روشنی نظر آئی۔ یہ تاریکی کی روشنی تھی۔ علی اپنے ہاتھ میں بڑی بھری آن آؤ کی۔ یہ پھر اماں کا تھا۔

”کوئی کئی عمارت کو آنا تو اسی طرح کر کے آئے آتے تھا۔ تاکہ ہم جیسا کہ آئے دے اپنے اپنے ٹوک ہی ہیں۔ دوسری طرف سے کوئی آواز ابھری۔“

”کھانا ہے کھانا سرف خانہ کیا ہے۔“ عقب میں فیضو ہا کی آواز سنائی دی۔ دو گئی دروازے پر آگئے تھے وہ

بتانے کے کہ آج صبح ہمارے جانے کے بعد ایک چھوٹا کدو ہاتھ بٹھا کر آنا تھا کہ کھانا کھو جائے۔ اس کے ساتھ کھانا سرف خانہ بھی ہو گا۔ اسکاں انہوں نے اتنا ہی بتایا تھا کہ کدو سرف خانہ ہمارے پاس آ گیا۔ اس کے ساتھ چائے بند ہے۔

فیضو اماں کے بڑھ کر گئے۔ ہم نے بھی ہاتھ لائے۔ پھر وہ انہیں حج والے دانے سے آگاہ کرنے لگے۔ اماں بات کے اتمام پر وہ مجھ سے خطاب ہوئے۔ ”جینے خبریہ اور دوا کا پہلاؤ پر چلے جاؤ۔ میں جیسے وہاں بیٹھا آئے گا۔“

”ابا چاہا۔“ پھر میں چلے ہیں۔“ یہ کہہ کر میں وہاں سے روانہ ہو گیا۔ دوا کا بھی میرے ساتھ ہی ہمیں وہاں سے کئی کئی دفعہ ملتی تھی۔ میں جیڑ چلے گا۔ دوا کا چند قدم پیچھے تھی۔ ہر طرف گھر اندھیرا تھا۔ دھنڈا ہلا کاٹا کالے دیوڑی جیسے گہرے رہے۔ ہاؤں کے کہنے کی آواز میں داخل کی ہولناکی میں اندھیرا رہی تھی۔ اماں پر کا پے لگا پے چلے چکے تھے۔ جب علی بھٹی تھیں تو میں بھر کے لیے ہر طرف روشنی کھیل جاتی۔ ہم پہلاؤ پر پہنچے گئے۔ میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ دوشم بعد میں ہمارے ساتھ سے تھے۔

میں اس کے ساتھ پھر دروازہ میں داخل ہو گیا۔

غار میں گہرا اندھیرا تھا۔ میں نے تارچ جلائی اور دم آگے بڑھنے لگا۔ کچھ دیر میں وہاں کی چھاتی کا کسڑا ہوا تھا دوا کا کدو اپنے کھانے کا کدو میں ایک طرف بیٹھ گیا۔

پھر اماں سے چھاجوں پانی ہنر رہا تھا۔ جب علی چوٹی پر کوئی بٹ بٹ بٹ بٹ کے لیے ہمارے کندھ کاٹا جاتی تھی۔ میں نے دوا کا طرف دیکھا۔ وہ نظر میں جھانکے خاموش تھی تھی اس کا کیم کھپا ہوا تھا۔ جیڑ کر دیش کی اس کے آگے چڑھے پر پڑی تھی۔ میں نے ٹھہری سے کھانا نکالا۔ اس کی جانب بڑھتا ہوا بولے: ”نہلاؤ اور کھاؤ۔“

کھیل بڑھتا تھا۔ اس نے آگے بڑھتا چلا گیا اور دوا کا کدو کر لٹ کھینچ لیا۔ میں آگے بڑھتا ہوا کدو کا قندیل اور دکر سامنے بیٹھے تھیں تھے۔ میں صرف ایک کھیل لیا تھا۔ باہر دوا کا کدو بھری ہوئی تھی اور غصہ بڑھتی ہوئی تھی۔ میں دل میں دل میں دما لگنے کے کہ پرش رک جائے مگر کبھی کسی کا نہیں تھا۔ وہ چوٹی میں۔ میرے ساتھ کسی ایسا





ایک بھڑکی لڑت میں بیٹھ گیا۔ وہاں سے اٹھا تو۔۔۔ سیدھا جھیل پہنچا۔

منہ ہاتھ دھوئے کے بعد وہیں ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔ چاروں اطراف پتھڑے تھے۔ پہاڑ کھیر کا حسن ہیں اور چاروں کی لپٹاؤ کا جی ہیں۔

میرزا ذکریا اچھا بول کر تھا۔ کائنات پر اللہ علیہ قہقہوں نے ذہن میں بھونپال پر پا کر دیا تھا۔ میں جانتا تھا کہ رادوا جاسوس نہیں ہے۔ وہ خود بھارتی فوجوں کی منتی ہوئی ہے۔

جب میں نے ایک فیصلہ کیا اور رادوا کو اپنے غار میں آگیا۔ میں اسے رادوا کا کہتا ہوں۔

پاس پھینکا۔ انہیں تمام صورت حال سے آگاہ کیا۔ رادوا کی شخصیت انہوں میں تشویش کے سامنے لہا کر مقدم ہو گئے۔ جب میں نے ننگی دیتے ہوئے کہا۔ ”رادوا لکھ نہ کرنا۔ میں اس کی سزا سناتا ہوں۔“

وہ دھمکے ہوئے کچھ میں بولی۔ ”مجھے کیا گرتی ہیں۔“

نیزید سے تیار وہ لوگ مجھے راز دانی کے۔

اس کی بات سن کر میرا دل کڑھ کر ہل گیا تھا۔

مہم کا دل پر ہاتھ کر کے رہے۔ پھر رادوا نے کہا کہ وہ ذرا باہر جانا چاہتی ہے۔

میں بھی رادوا کو غار سے باہر جانے کے تو ایک مجاہد نے ہمیں روک لیا۔ جب میں نے جب پوچھی تو کہنے لگا کائنات علیہ قہقہہ جس کے دل کو یہ بوجھ دینا ہے وہاں سے اس کی بات سن کر مجھے غصہ آگیا۔ ”کیا میں اس کی وجہ جان سکتا ہوں؟“

”جیہ تو کائنات صاحب ہی بتا سکتے ہیں۔“ وہ بے مشین گئی کچھ چاہتے تھے۔

”کیا میں جانتے ہوں؟“

”جیہ تو کائنات صاحب ہی بتا سکتے ہیں۔“ وہ بے مشین گئی کچھ چاہتے تھے۔

ناراض ہی ہوئے تھے کہ چاچا باسط بھی آگے۔ مجھے اور علی کو گلے لگا کر حال چال پوچھا۔

رادوا کے سر پر بھی ہاتھ پھیرا۔ اس کے ہدف پر باسط کے بارے میں پوچھے گئے۔ میں نے ان کی شہادت کا تیا کر ان کی آنکھیں میلو کر دیں۔

”باسط چاچا میں آپ سے ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔“

”جی چاچا بولو۔ میں سن رہا ہوں۔“ میں نے انہیں رادوا والے راستے اسے اپنے ساتھ لانے سے منع کر دیا۔

رادوا کے درمیان ہوئے والی خفیہ سبکی والی باتوں سے آگاہ کیا اور موجودہ صورت حال بتا دی۔ وہ جب چاہ سکتے رہے۔ پھر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔ ”رادوا جیہ تو کیا یہ حقیقت ہے؟“

”جیہ تو کیا یہ حقیقت ہے؟“

”جیہ تو کیا یہ حقیقت ہے؟“

”جیہ تو کیا یہ حقیقت ہے؟“

”جیہ تو کیا یہ حقیقت ہے؟“

”جیہ تو کیا یہ حقیقت ہے؟“

”جیہ تو کیا یہ حقیقت ہے؟“

”جیہ تو کیا یہ حقیقت ہے؟“

”جیہ تو کیا یہ حقیقت ہے؟“

ناگی۔ وہ متحڑ ہوتے ہوئے بولی۔ ”جیہ تو کیا یہ حقیقت ہے؟“

”جیہ تو کیا یہ حقیقت ہے؟“

”جیہ تو کیا یہ حقیقت ہے؟“

”جیہ تو کیا یہ حقیقت ہے؟“

”جیہ تو کیا یہ حقیقت ہے؟“

”جیہ تو کیا یہ حقیقت ہے؟“

”جیہ تو کیا یہ حقیقت ہے؟“

”جیہ تو کیا یہ حقیقت ہے؟“

”جیہ تو کیا یہ حقیقت ہے؟“

”جیہ تو کیا یہ حقیقت ہے؟“

”جیہ تو کیا یہ حقیقت ہے؟“

”جیہ تو کیا یہ حقیقت ہے؟“

”جیہ تو کیا یہ حقیقت ہے؟“

میرا پھر بولنا۔ ”آج تم قیوں ہوئے اسلئے کا استعمال کیسے کرے۔“

پھر وہیں مشین گن اور دوسرا اطل چلانے کی تربیت دینے لگا۔

وہ بھر پور فائرنگ سکھارہا تھا۔ ہم کافی کچھ جان گئے کہ بڑی مشین گن کیسے لڑاؤ ہوتی ہے کیسے چلائی جاتی ہے۔

”آج تم قیوں ہوئے اسلئے کا استعمال کیسے کرے۔“

پھر وہیں مشین گن اور دوسرا اطل چلانے کی تربیت دینے لگا۔

وہ بھر پور فائرنگ سکھارہا تھا۔ ہم کافی کچھ جان گئے کہ بڑی مشین گن کیسے لڑاؤ ہوتی ہے کیسے چلائی جاتی ہے۔

”آج تم قیوں ہوئے اسلئے کا استعمال کیسے کرے۔“

پھر وہیں مشین گن اور دوسرا اطل چلانے کی تربیت دینے لگا۔

وہ بھر پور فائرنگ سکھارہا تھا۔ ہم کافی کچھ جان گئے کہ بڑی مشین گن کیسے لڑاؤ ہوتی ہے کیسے چلائی جاتی ہے۔

”آج تم قیوں ہوئے اسلئے کا استعمال کیسے کرے۔“

پھر وہیں مشین گن اور دوسرا اطل چلانے کی تربیت دینے لگا۔

وہ بھر پور فائرنگ سکھارہا تھا۔ ہم کافی کچھ جان گئے کہ بڑی مشین گن کیسے لڑاؤ ہوتی ہے کیسے چلائی جاتی ہے۔

”آج تم قیوں ہوئے اسلئے کا استعمال کیسے کرے۔“

پھر وہیں مشین گن اور دوسرا اطل چلانے کی تربیت دینے لگا۔



سہمیں... مجھے اس سے محبت ہوئی تھی۔ تاہم میں نے ایک لڑکی کو بچا تھا۔ اس کی باتوں سے چلتا تھا کہ وہ کسی طرح بچے بن گئی ہے۔  
اس کا چاند سا نور چہرہ، تجسس آنکھیں، باتوں کی بہ زبان مانگوں کی بہت محبت کئے گئے تھے۔  
عاشق ان کی باتوں کو سنتے ہیں، چلن لیتے ہیں۔ میں بھی جان گیا۔

اس دن وہ بھی بہت خوشگوار تھا۔ آسمان ہادلوں سے لٹکا ہوا تھا۔ وہ تھکے سے سداوت بادش ہوئی رہی۔ میں نے ڈائری میں گزرتے واقعات مجھے بہرہ فرم کر دیا۔ جب وہ بارہ کرے کے دروازے میں داخل ہوا تو نظر رادوا پر پڑا۔  
غریبہ سن اپنی تپا تپا شرم ساتیلوں کے ساتھ سامنے بکھر چلا تھا۔ یہ رادوا بے طرح مڑے نگاہ میں نے نظریں جو کلاں پر چار پر پڑ گئی جیسے نماز ادراری اور ایک کمرے میں بچہ کر کے حضور کر لیا۔  
نماز ادرار کے دعا کے لیے ہاتھ پھیلا دے۔  
میں بھی جانتا تھا کہ اسی آٹماں میں رادوا جاگتی ہے۔ میں نے دعا مانگی اور جیسے نماز ادرار پر تانک کر دیا میں پلٹا تو دیکھا۔ وہ نماز پر کھلی طرف ہی دو گھر دی گئی۔  
میں آہستہ آہستہ چلا ہوا اس کے قریب دوسری چار پائی کا درجہ دو گھر کی آغوش کھینچنے کی اس نے آگیا میں سے بھری طرف دیکھا، اچھا لگتی ہے۔ بولی۔ ”جینید میں اسنام قبول کرنا چاہتی ہوں۔“

میرا دل خوش سے قاپ ہو گیا۔ میں شہید خواہش کے ہندو پر بات نہیں کر پائی۔ جو آج اس نے خود کردی تھی۔  
”رادوا!۔۔۔ میں شکل اتھاخ کی پیادہ دیولی۔“  
”جینید! میں کچھ دیولوں سے سوچ رہی ہوں کہ مسلمان ہو جاؤں۔“ کوئی وقت کے بعد بات آگے بڑھانے ہوئے بولی۔ ”تم کہتے ہو کہ اس جنگ میں لڑتے ہوئے اگر ہم لوگ مر جائیں تو شہید کیا ہیں گے۔ تم جی جانتے ہو کہ ترکان پاک میں اللہ پرانا ہے کہ شہید جینید زندہ رہے ہیں۔“ ایک لمبی خاموشی ہوئی، پھر ٹھکرے ہوئے کیجے میں کہا۔ ”میں تم لوگوں کے ساتھ اس کا نام میں اپنی خوش سے شامل ہوئی ہوں۔ موت کی وقت میں آگئی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس سعادت سے محروم رہ جاؤں۔ میں آگیا تک پہنچا چاہتی ہوں۔“

جوئی اس نے اپنی ختم کی۔ میں اتھاخ کراں کی چار پائی کر کے دل خوش کر دیا ہے۔ میرے دل میں سب سے بڑی خواہش کوئی بچہ قبول کرلو۔ وہ بڑی بولی۔ ”جینید! وہ بھر بہ نظر سے میری طرف دیکھ کر بولی۔“ جینید! میرا جیتا مرنا بچا تھا۔ یہ ساتھ ہے۔“

اسی آٹماں میں روڈی دروازے پر دستک ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی ایک شخص آواز سنائی دی۔ میں چرکا ہوا گیا۔ وہ آواز کی چاند کی گئی۔ میں نے پتوں کو لڑ کر کیا اور دروازے کی سمت چل کر میرا ذہن پوری طرح بیدار تھا۔ دروازے کے باہر کھڑے چاہے آئے کے وہ شخص وہ کہتے تھے۔ وہ گئی پیادہ لایا ہے۔ باہر کی طرف سے آگ کا گنا پاتا ہے۔ میں دروازے کے پاس جا کر کھڑک گیا۔ پھر ایک شخص آواز نکالی۔

”ہر دروازہ کھولیں۔“ ہر دروازے نے سرگوشی کی۔ میں نے دروازہ کھول کر آواز سنائی دی۔ وہی آواز میرا دل سے میں دروازہ بند کر کے انہیں ساتھ لے کر کرے میں آگیا۔ ان دیولوں نے رادوا کے سر پر ہاتھ پھیلا دیے۔  
”جینید! میرا دل بھی آواز سناتا ہے۔ میں آگیا۔“  
”ہاں بولو۔“  
”وہ دروازہ کھلیں۔“ میں پرکلا ہے۔ جس میں آپ اور رادوا دیولوں کو شامل کیا گیا ہے۔ آج رات ہم چاروں نے کلا پر ہاتھ پائے ہیں۔“

”تم تیار ہیں۔“  
رادوا چائے لے کر آگئی تھی۔ ہم چائے پینے لگے۔ اس دوران باتیں بھی کرتے رہے۔ میں نے انہیں بتا دیا کہ رادوا اسلام قبول کر چکا تھا۔ سب خوش ہو گئے۔ ساتھ ساتھ کہ باہر چاہے کچھ پر ہر ایک مولوی صاحب کو ساتھ لے آئے۔ مولوی صاحب کا ہم اللہ تھا۔ انہوں نے رادوا کو کچھ چڑھایا۔ وہ بدوڑ پر پر دسترخوا میری آنکھوں میں آکر آئے۔

”میں تیار ہوں۔“  
نئے رادوا کا اسلامی نام خدیجہ رکھ دیا تھا۔ وہ اسے مخاطب کرتے ہوئے بولے۔ ”خدیجہ جی! کیا تم راضی ہو؟“  
وہ کچھ نہ بولی۔ اس اثبات میں سر ہلا دیا۔ مولوی صاحب نے ان چاروں کی موجودگی میں اذان کا اعلان چڑھایا۔

بھر دو چلے گئے۔ ان کے ہاتھ کے بعد نماز پڑھو گئی۔ چکے سے اٹھا کرے میں موجود ایک الماری سے سب مشین کن نکال کر لے گیا۔

وہ خدیجہ کے سر پر ہاتھ پھیر کر دت آجہو کے میں بولا۔ ”جینید! یہی ہونا ہے کہ میرے خدمت کر کے ہیں جو خدیجہ دیتے ہیں۔ تم جی میری بہن ہو۔ لیکن بھائی کے پاس دعاؤں کے سوا کچھ نہیں۔“ کوئی وقت کے بعد بات آگے بڑھا۔ ”یہ میری بہن۔“ جینید غالی ہاتھ دھست نہیں کر سکا۔ ”کہہ کر اس نے ہاتھ میں پکڑی سب مشین کن اس کی طرف بڑھا دی۔“

خدیجہ نے سب مشین کن پکڑ کر اسے چم لیا، بولی۔ ”بھائی! آپ کا ہاتھ مجھے جان سے پیارا ہے۔ آپ اس سے دوسرہ کر لیں ہوں کہ اس گئے کہ جینید اپنے ساتھ رکھوں گی۔ آخری رات اور آخری کوئی تک۔ بھائی کا خادم رعدوں پر یہ کچھ آگ برساتی رہے گی۔“  
وہ بہت ڈھپالی کرتے تھے۔ سب کی آنکھوں میں آٹماں خدیجہ اور نماز کی بولی کھانا بنانے مل گئیں۔ ہم نے رات کا کھانا کھا لیا۔ اس کے بعد جانے کی تیاری کرنے لگے۔ اس دوران میں چار اور بھی آگئے۔ ہم ساتوں رات کی تیار کی میں سرگرمی سے باہر نکل آئے۔ سدا رات ستر گزے پانچ بجے تھا۔ ہم تمام الماری سے سرگرمی سے روڈ پر پہنچ گئے۔

”تمیں وہاں بیٹھے دو گئے۔ کلا پر ہاتھ کچھ جاب میں نے رادوا کے اسلام قبول کرنے اور اپنے کلا پر بارے بتایا تو وہ بہت خوش ہوئے۔ ہم باہر کرتے رہے۔ انہوں نے اس کے شن کا تانا باندھا۔ میں سرگرمی سے آئے۔ داتہ کلاؤں پر حلوہ کا تھا۔ جس میں اسطور اور شن لایا جانے والا تھا۔ وہ مکمل ہاتھ کے بعد کھانا ہوئے۔ میں چون چرمال میں پڑا کر رہا۔ بھائی تو فیوں تک اسطور راضی کی صورت میں نہیں دیتے دیتا۔“

”چاہنا شہاد اللہ اسی ہوگا۔“ خدیجہ بہت سے بولی۔ اس کے کیجے میں باقاعدہ ختم۔  
خدیجہ نے اپنا کھانچ کر کھا لیا تھا۔ وہ کلاؤں کا رکھ ڈھیر کرنا کھاتا۔ اس وقت میں سب آگے آگے تھی۔  
وہ ان کو گزرتے چلے گئے تھے۔ وہ کیجے دیکھنے تیار

کو چار ہا ہو گئے کہ ایک کچھ خدیجہ سے وہ خوشی سنائی، جس سے کر میں خوشی سے اچھل اڑا۔ وہ ماں بننے والی تھی۔

میرے منہ سے بے ساختہ زانگی۔ ”اسے مالک ارض و سائیں اس کی جبری مدت ہیں۔ لیکن میں جانتا تھا کہ اس صلی پر ایک کچھ اضافہ ہو جائے۔“  
”آمین۔“ خدیجہ نے کہا۔ ”میری کھواہش ہے جینا ہی ہو۔“

دقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ اگر کچھ مشین پر جاتا ہوتا تو خدیجہ کو کچھ دھرتا۔ وہ اکثر اڑا ہوا جاتی لیکن میں داکھن آکر مالتا۔  
وہ اپنی کلا سمیتا تھا۔ میں اور خدیجہ کمرہ میں ہی تھے۔ ایک کچھ اٹھارہ سوا کلا پیادہ سے کر گیا۔  
”میں اس رات ان کے ٹھکانے پر پہنچتا تھا۔ میں نے خدیجہ کو کچھ اور اس کی چاہ کے ساتھ رات گزرتا ہوا۔ ہم دھار کر رات اسوتوں سے ہوتے ہوئے رات کے تین بجے ٹھکانے پہنچے۔ میں پہلی جگہ پر آیا تھا۔  
وہ ایک بہت بڑا عمار تھا۔ اس عمار میں کم و بیش پچاس چادر موجود تھے۔

کلا پر ہاتھ خدیجہ کا حال چل چکے تھے۔ میں نے انہیں تمام صورت حال سے آگاہ کر دیا۔  
”چاہنا میں جانتا ہوں کہ خدیجہ کو کلا پر خیر چھوڑ دو۔ کیونکہ یہاں کے حالات کچھ بگڑ چکے۔ اپنی کلا پر کے کلا کے بعد راتیں لے آؤں گا۔“  
انہوں نے خوشی اجازت دے دی۔ وہی تمام میں اپنے ایک دھتے دار کا اندیشہ بھی دیا۔

شام کے سامنے گھر سے ہو چکے تھے۔ میں بھر کا تھا پلاسٹک دوسری آفتی میں ڈوب گیا تھا۔ میں رات کا انتظار تھا۔ ہم اپنی کلا پر میں کیجے ہوئے تھے۔ میرے ساتھ ملے شفت کھود، خدیجہ اور جینید جیتے تھے۔ ملی اور شفت صبر کے وقت جینا کو لے آئے۔ ہم نے کھانا کھا اس اور جین پرے دھار اور ساتوں سے ہوتے ہوئے وہ ان کلا پر میں آکر کھپ گئے۔ ہم سب کھانے کے بعد دھار جیست کے مالک اور جینید نے جو تھان تھے۔ ان میں ہر قسم کی خطرہ کا صورت حال سے بھٹنے کی فداوار

روک کھتی کہیں کہ ہمیں کشمیر آزاد کرانا ہے۔ بس مجھے غلی اور شفقت کا انتظار ہے۔ دو آگے تو ہم آج رات واپس چلے جائیں گے۔ اپنے ساتھیوں کے کندھے سے کندھا ملا کر زین کے۔ میری ڈائری کا آخری صفحہ خنک گیا ہے۔ سوچ رہا ہوں اب اس پر کیا لکھوں؟

☆.....☆.....☆

میری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ باہر بارش تیز ہو گئی۔ دور مشرقی افق پر مکہ کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ مشرقی افق جہاں مقبوضہ کشمیر ہے۔ جہاں سرینگر ہے۔ جہاں جنید اور میری محبت پر وان چڑھی۔ جہاں ہم چاہتوں کے بندھن میں بندھے تھے۔ جہاں ہم نے پہاڑوں میں محبت بکھری۔ لہجے کے زارے۔ جہاں میں رادھا ہے۔ جہاں میں اسلام آباد کی گلیاں۔ جہاں بھارتی ورنڈوں سے ہم بکھر چکا ہے۔ شاہی دہان کی گلی میں میرے جنید کا خون جذب ہوا ہو کیونکہ کارگل کے محاذ کے بعد جنید کی کچھ خبر نہیں کی گئی۔ کارگل پر قبضے کی خوشخبری کے حوالے سے کہہ کر دے لیکن وہ بھی تو پہلے دیکھ لیتے تھے۔

میں پھرین کا مہا بپ ہو چکے تھے۔ جبکہ ہندوستان میں ایک ملک کی فوجی اور جاہلین نے۔ بل پر قبضہ کر لیا تھا۔ یہ واقعہ بھی جانتا تھا جو بھارت کو کشمیر سے ملا تھا۔ سری نگر روڈ ٹائیگر کی اس چوکی کے نیچے ہے۔ اگر اوپر سے صرف دزل پتھر ٹڑھکائے جاتے تو نیچے سے گزرنے والی گاڑیاں تباہ ہو سکتی تھیں۔ کارگل کا محاذ سیاسی قوتوں کی وجہ سے کاسپانی سے ناکامی میں بدل گیا۔ اہل کشمیر کو سن چاہی کا مرانی نڈل سکی۔ وہ مجھے اہم مقام چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ وہ جب تک جاتے ہوئے دکھائی دیتا رہا۔ میں کھڑی دیکھتی رہی۔ اس کے جانے کے چار ماہ بعد علی حیدر پیدا ہوا۔ جواب جہاں سال کا ہو چکا ہے۔ میرا ہر لمحہ عذاب انتظار میں رہتا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے کسی اندھی لوٹ آئے گا۔ کسی مچ کے ابا کے میں، کسی منبری دو پہر میں، کسی دھاتی سہ پہر میں یا بھر کی شام کے ٹیکے اندھیرے میں، جب تک سانس ہے جب تک آس ہے۔ ہم دس چودہ دن بعد کیرن گاؤں چلے جاتے ہیں۔ وہاں دریا کے کنارے کھائے کھاتے ہیں اور علی حیدر بیٹھ جاتے ہیں۔ ہم دونوں ماں پٹا کنٹرول لائن کے پار دیکھتے ہیں، شاید جنید کی جھک نظر آ جائے۔

صلاحت تھی۔ تھوڑی دیر بعد ہر طرف گھور اندھیرا چھا گیا۔ میں نے اپنی کن پر گرت منبویط کی اور مخصوص اشارہ کیا۔ اگلے ہی لمحے ہم کنڈر سے باہر نکل کر کھلے آسمان کے نیچے کھڑے اطراف کا جائزہ لے رہے تھے۔ تاریک شب اپنا سفر طے کر رہی تھی۔

"انڈین آرمی کا ایک یہاں سے بمشکل ایک کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔" علی کی سرگوشی ابھری۔

میں نے ٹھیک انداز میں سر ہلایا۔ اس سے قبل میں بکھر ہوں۔ عقب سے دو تین اور تلے فائر ہوئے۔ جن کی گونج رات کے سناٹے کو چیرتی چلی گئی۔

میں نے مدھیج کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ہم آگے بڑھنے لگے۔ چونکہ بارڈر اسیا تھا۔ یہاں فائرنگ معمول کی بات تھی۔

ہماری منزل کیرن گاؤں تھی۔ دو گاؤں دریا کے عام کے کنارے واقع تھا جو کہ دریا پار آزاد کشمیر کے علاقے میں تھا۔ مقبوضہ کشمیر میں دریا کے اس کنارے والا گاؤں بھی کیرن کہلاتا ہے۔

ہم آگے بڑھتے چلے گئے۔ جنگ شروع ہو گیا۔ راستہ بہت پر خطر تھا۔ جنگی درندوں اور بھرتی فوجیوں سے بچتے بچاتے ہم نے کنٹرول لائن عبور کر لی۔ ہم نویری کے جنگل پہنچ گئے۔ کچھ دیر ایک گھر میں آرام کیا۔ بھر کا فوجی سے۔ اٹھقام آگئے۔

ہم گھر آگئے۔ ان سے ملے۔ میں نے اعجازہ لگایا کہ ان کی عمر پچاس کے قریب ہے جو کہ درست ثابت ہوا۔ وہ حال چل پوچھنے لگے۔ نواز نے مجھے آرام کرنے کے لیے کمرے میں بھیج دیا۔ کچھ دیر بعد مدھیج بھی آگئی۔

میں نے شولڈر ریگ سے ڈائری نکالی۔ اس پر اب تک کے تمام واقعات لکھنے لگا۔ یہ ڈائری مجھے جان سے بچی پیادری دیا ہے۔ مشن کے دوران اسے محفوظ جگہ رکھنا ہوا ہوں۔ اس میں میری زندگی کی تلخ و شیریں یادیں ہیں۔ مدھیج کی باتیں ہیں۔ میں اس ڈائری کو مدھیج کے پاس ہی رکھنے دوں گا۔ کارگل کا محاذ اصل میں ہم کشمیریوں کی قسمت کا فیصلہ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہم ضرور کامیاب ہوں گے۔

ڈائری پر لکھتے لکھتے میں نے ایک نظر مدھیج پر ڈالی۔ وہ آنکھیں بند کی لیکن نظر آئی۔ میں جانتا ہوں وہ جاگ رہی ہے۔ میرے دور جانے پر افسردہ ہے لیکن مجھے پتا نہ بھی نہیں